ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

جمادی الاخریٰ، رجب ۱۴۱۸ھ
اکتوبر، نومبر ۱۹۹۷ء

اشاعتِ خاص

بیاد

جانشین امیرِ شریعت، قائد احرار

مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدیر
سید محمد کفیل بخاری

عزیز محترم مشاہد حنیف
کی نذر

25/1/03

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

اشاعتِ خاص

بیاد

جانشین امیرِ شریعت، قائد احرار

مولانا سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۶ء
انتقال: ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

مدیر

سید محمد کفیل بخاری

انتساب

ابنِ امیرِ شریعت، محسنِ احرار

سید عطاء المحسن بخاری

کے نام

جن کی اولوالعزم قیادت میں مجلس احرار اسلام زندۂ جاوید ہے
اور احرار کارکن دین حق کی جہدِ مبین میں سرگرمِ عمل ہیں

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جمادی الاخریٰ / رجب المرجب: ۱۴۱۸ھ

اکتوبر / نومبر: ۱۹۹۷ء

جلد ۸، شمارہ ۱۱/۱۰ قیمت فی پرچہ ۲۰ روپے

Regd: M - No. 32

✻ زرِ تعاون سالانہ اندرون ملک ۱۵۰ روپے بیرون ملک ۱۰۰۰ روپے پاکستانی ✻

مجلس ادارت

✻ زیرِ سرپرستی: حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

✻ رئیس التحریر: سید عطاء المہیمن بخاری

✻ مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

رفقاء فکر

◎ ابنِ امیرشریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

◎ پروفیسر خالد شبیر احمد ◎ سید خالد مسعود گیلانی

◎ مولانا محمد اسحٰق سلیمی ◎ مولانا محمد مغیرہ

◎ عبداللطیف خالد ◎ محمد عمر فاروق

◎ ابوسفیان تائب ◎ ساغر اقبالی

رابطہ: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان: فون: 511961

تحریک تحفظ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرار اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیلِ نو پریس، مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

ناظم طباعت: ابومیسون اللہ بخش احرار • میسون پبلیکیشنز ملتان 584604

آئینہ

دل کی بات	مدیر	۷
عکس تحریر	ادارہ	۹
علماء اور دانشوروں کا خراج تحسین	ادارہ	۱۱
فخر ہوتا ہے قبیلے کا سدا ایک ہی شخص	سید محمد کفیل بخاری	۱۸
شاہ جی کا نام .... ایک وضاحت	سید محمد کفیل بخاری	۲۲
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا	حضرت سید ابومعاو۔ ابوذر بخاریؒ	۲۴
میری کہانی	حضرت سید ابومعاویہ ابو [illegible]	۲۷
فیضانِ نظر	اجازتِ بیعت	۲۹
حافظ عطاء المنعم بخاری	منظور احمد بھٹی مرحوم	۳۰
اک ضرب ید اللٰہی	سید عطاء المحسن بخاری	۳۲
حمیت اسلامی کا پیکر	مولانا عبدالحق مرحوم	۳۵
آہ! مولانا سید ابوذر بخاری	مولانا زاہد الراشدی	۴۳
علم و عمل کا سچا کردار	مولانا زاہد الراشدی	۴۵
فقیر عالی وقار	عزیز الرحمن خورشید	۴۸
نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۵۰
واردات و مشاہدات	حافظ عبدالرشید ارشد	۵۱
لوامع الکلم (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۶۴
نعت	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۶۵
ایک عظیم مجاہد	مولانا محمد اسلم شیخوپوری	۶۷
اکابر احرار کی روایات کا امین	حفیظ رضا پسروری	۷۰
بقائے احرار کی علامت	شیخ عبدالمجید امرتسری	۷۴
روداد (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۷۶
کل من علیہا فان	حکیم حافظ ارشاد احمد دیوبندی	۷۷
تحریک حریت کی روح حارا	پروفیسر تاثیر وجدان	۷۹
خدا ملتا ہے (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۹۴
حج بیت اللہ کو یاد کر کے: ایک تاثر (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۹۵
بے باک، حق گو عالم	پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی	۹۶
جانشین امیر شریعت سے وابستہ یادیں	مولانا ابوریحان عبدالغفور	۹۸

آئینہ

ندائے خفیا (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۰۹
سید ابوذر بخاری کا سفرِ آخرت	سید ماجد علی شاہ	۱۱۰
مغنی آتش نفس	پروفیسر خالد شبیر احمد	۱۱۲
احرار کی عظمت	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۱۷
ساقی (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۱۸
ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے	سیدہ "س" بخاری	۱۱۹
عظمت صدیق اکبر	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۲۷
ایک محبوب شخصیت	سید محمد طلحہ گیلانی	۱۲۸
بخاری کی تصویر گم ہو گئی	سید محمد طلحہ گیلانی	۱۲۹
ماضی، حال، مستقبل: تقابل، (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۴۱
نقیبِ خلوص و اسیر وفا	احمد معاویہ	۱۴۴
لٹ گیا دین خانقاہوں میں (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۵۶
اسلاف کے مزاحمتی کردار کا امین	احمد معاویہ	۱۵۷
انسانی حقوق کے علمبردار کون تھے؟	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۶۵
امروز و فردا (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۶۶
ہمارے شاہ جی	پروفیسر محمد عباس نجمی	۱۶۷
جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری	پروفیسر ڈاکٹر شاہد محمود کاشمیری	۱۷۱
پیغام دار (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۷۶
دمکتا ہوا سیارہ ہوں میں (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۷۷
قائد احرار	میاں محمد اویس	۱۷۸
وہ اکثر یاد آتے ہیں	محمد عمر فاروق	۱۸۱
حسن کردار کا نقش تابندہ	محمد رفیق اختر	۱۹۴
وقت کی آواز (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۱۹۹
شاہ جی سے پہلی اور آخری ملاقات	جاوید اختر بھٹی	۲۰۱
حضرت سید ابوذر بخاری: یادوں کے آئینے میں	مولانا محمد مغیرہ	۲۰۳
جہاں پناہ ظل اللہ (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۰۸
جانشین امیر شریعت کی ایک معرکہ آراء تقریر	احمد معاویہ	۲۱۰
بیاد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (منقبت)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۱۲

آئینہ

حیاتِ مستعار (نظم)	✍ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۱۳
ہمہ جہت شخصیت	✍ مجیب الرحمٰن	۲۱۴
ایک تاثر	✍ عبدالواحد بیگ	۲۲۰
تکمیل (نظم)	✍ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۲۱
خاندانِ امیر شریعت سے میرا نظریاتی تعلق	✍ عبدالرحمٰن جامی	۲۲۲
میں کیوں سوگوار ہوں؟	✍ سید محمد یونس بخاری	۲۲۵
شاہ جی کی باتیں، شاہ جی کی ادائیں	✍ ابوہندہ محمد عبداللہ معمار	۲۲۹
حبِ صحابہ کا پیکر	✍ ابومغیرہ حافظ عبدالرحیم نیاز	۲۳۹
مجدد اعظم (نظم)	حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۴۱
میرے مرشد، میرے محسن، میرے مربّی	✍ ابومیمون اللہ بخش احرار	۲۴۶
ہٹ کے بدھو (فکاہیہ)	✍ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۵۳
سُرورِ بندگی (نعت)	✍ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۵۶
پاپ الاوّ	✍ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	۲۹۷

تعزیتی جلسے میں تقاریر ―――― ۲۵۷تا۲۶۲

مولانا عزیز الرحمان جالندھری، سید عطاء المہیمن بخاری، مولانا مجاہد الحسینی

تعزیتی شذرات: ―――― ۲۶۳تا۲۸۰

منظوم خراجِ تحسین: ―――― ۲۸۲تا۳۰۱

دل کی بات

جانشین امیر شریعت، قائد احرار، حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجلس احرار اسلام کے مرشد بھی تھے اور مجدّد بھی۔ وہ احرار بلکہ امت مسلمہ کے فکری محسنوں میں سے تھے۔ اپنے علم و تقویٰ اور جہد و عمل کے حوالے سے وہ خاندانِ امیر شریعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے ہم عصر تو بہت تھے، ہم سر کوئی نہ تھا۔

میں نے ہوش سنبھالا تو ان کے بال سیاہ تھے اور شعور آیا تو سفید ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی ستر برس کی حیاتِ مستعار میں سے پچاس برس دین کی تعلیم و تبلیغ میں صرف کئے۔ وہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ جیسے عظیم باپ کے بیٹے تھے اور انہوں نے باپ کے کردار و عمل کو اپنی سیرت میں منعکس کر لیا تھا۔ وہ بجا طور پر جانشینِ امیر شریعت تھے۔

سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کو ہم سے جدا ہوئے دو برس بیت گئے ہیں۔ وہ زندہ تھے تو زندہ لفظوں میں بولتے تھے۔ آج وہ ہم میں موجود نہیں لیکن ان کے زندہ الفاظ ہمارے کانوں سے ٹکرا رہے ہیں، ہمیں بیدار و خبردار کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی تقریروں کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔ انہوں نے جو کہا اس پر عمل کیا۔ انہوں نے عقیدۂ توحید بیان کیا، مقام و منصب ختم نبوت پر سیکڑوں تقریریں کیں، منصب ازواج و اصحاب رسول علیہم الرضوان کے دفاع میں ہزار بار خطاب کیا اور ہزاروں صفحات لکھے۔ وہ اصول و عقائد پر کسی سے سمجھوتے کیلئے کبھی تیار نہ ہوئے۔ بعض لوگوں نے اُن کی قرآن فہمی، حدیث شناسی، تاریخ دانی اور ان کی استقامت، شجاعت، علمیت، فقاہت، خطابت، فصاحت و بلاغت، ادبی و شعری کمال، بلند فکری، حسن نگارش، حسن اخلاق اور وسیع الظرفی جیسی طاقتور صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کی بجائے ان کا حریف بننا پسند کیا اور اپنی شکست کا یوں اعتراف کیا کہ ان پر پھبتیاں کسیں، اُن کا مذاق اڑایا، اُن کا راستہ روکا حتیٰ کہ گالی گلوچ سے بھی گریز نہ کیا...... مگر وہ تو استقامت کا کوہ گراں تھے۔ وہ نہ کسی سے مرعوب ہوئے اور نہ انہوں نے اپنا راستہ چھوڑا۔ وہ اس آگ کے دریا کو مسکرا کر عبور کر گئے اور ان کے پیچھے ایک گلزار کھل گیا۔

سید ابوذر بخاری کے مخاطب صرف "حلقۂ احرار" کے لوگ ہی نہیں تھے۔ وہ سب سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے خطاب نہیں کیا، درس دیا ہے، سبق پڑھایا ہے اور جاہلوں کو علم و شعور اور آگہی سے آشنا کیا ہے۔ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ اپنے ہم عصروں میں شاید واحد شخص ہیں جنہوں نے اپنے ان پڑھ مخاطبین کو عالم بنا دیا۔ آج میں یہ چند سطور اگر لکھ رہا ہوں تو یہ اسی محسن و مربّی کا فیض ہے۔

تقریر کرتا ہوں تو یہ انہی کی تقریروں کی سماعت کا اثر ہے۔ وہ اپنے بعد لشکر احرار میں جواں فکر، جواں عزم اور جواں ہمت نوجوانوں کی بہادر فوج چھوڑ کر گئے ہیں۔ وہ اپنی فوج سے الوداع ہوتے وقت بہت مطمئن تھے کہ.........

میرے سپاہی

میرے جوان

میرے وارث

میرے فکر کے امین ہیں، میرے مشن کے مبلغ ہیں، میری جماعت مجلس احرار اسلام کو زندہ رکھیں گے اور پرچم احرار، پرچم ختم نبوت کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔

سیّدی! مرشدی!

ہم نے آپ سے جو عہد کیا تھا ہم اسے ایفا کریں گے۔ ہم آپ کے سامنے شرمندہ نہ ہوں گے اور روز محشر لواء الحمد کے زیر سایہ آپ کے ساتھ ہوں گے۔ ان شاء اللہ ....

قارئین، نقیب ختم نبوت اپنی دس سالہ مختصر مگر بے وسائل زندگی میں یہ تیسری اشاعت خاص آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ اس سے قبل دو ضخیم جلدوں میں "امیر شریعت نمبر" آپ سے داد تحسین وصول کر چکا ہے۔ اور اب........ "سید ابوذر بخاری نمبر" پیش خدمت ہے۔

یہ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۷ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔ اشاعت میں تاخیر سے آپ کو جو کوفت ہوئی اس کیلئے آپ سے عفوو درگزر کا ملتجی ہوں۔

برادر عزیز سید محمد ذوالکفل بخاری، عزیزم احمد معاویہ، سید مرتضیٰ بخاری، عزیزی حافظ محمد اکمل سلمہ اور اپنے عزیز ترین دوست جاوید اختر بھٹی کیلئے دعا گو ہوں کہ ان احباب کی مشاورت اور تعاون سے یہ کٹھن کام تکمیل کو پہنچا۔

مجھے اعتراف ہے کہ یہ ایک بڑی شخصیت پر بہت مختصر کام ہے۔ مگر کچھ نہ ہونے سے تو بہتر ہے۔ دوستوں کا تعاون اور محبت شامل حال رہی تو یقیناً ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

سید محمد کفیل بخاری

۱۱/دسمبر ۱۹۹۷ء ۱۲ بجے شب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین حق دین خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین
ازواج و اصحاب رسول دین ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ کو جملہ عقائد
و اعمال کی اصل بنیاد یقین کر اس دور فتن ذرف دینی رہنمائی
قولی تحریری اور عملی تبلیغ کا مقصد و عنوان وحید بنا کر اپنی اور
ممکن حد تک اپنے بیش از بیش ہم عقیدہ و ہم مسلک لوگوں کو اسی
کام میں مصروف جہد میں لگانے کی سعی کرتے رہیں آخری دور میں
نبی علیہ السلام کے ارشاد مبارک عضوا علیہا بالنواجذ کی
ضرورت و اہمیت کا احساس بیدار ہو گا خصوصاً بابیہ و بہائیہ مرزائیہ
اور اسمٰعیلیہ باطنیہ قرامطیہ اور اثنا عشریہ رافضیہ و شیعیت کے نئے انقلابی
روپ اور ناقابل فہم سازشی افکار و اقدامات کا تسلیم جواب ہو سکے گا ورنہ
کچی پکی دلنشانہ اور مداہنۃ آمیز رسمی سنیت کے بس کا روگ نہیں اسی بنیادی
عقیدہ کی تائید اور صحیح اور معتدل اجماعی تشریح کی پشت پناہی کے ساتھ
سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے سیاسی اور انتظامی اختلاف
میں دوران اعتدال نصیب ہونے کی امید قوی ہے اور یہی راہ نجات ہے وللہ
عاقبۃ الامور۔ یہی میری اول و آخر نصیحت و وصیت ہے والسلام
علی اہلہ راقم السطور بندہ عاجز دعا گو امیدوار مغفرت و شفاعت
مصدوم و مجروح و مغموم و محزون مریض طالب شفا و عافیت دارین
ابن امیر شریعت فقیر سید ابو معاویہ ابوذر حسنی قادری گیلانی بخاری
غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ
نزیل کلبہ احزان دار معاویہ ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ ملتان
ظہر یکشنبہ ۲/۳ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۳ء

قائد احرار جانشینِ امیر شریعت حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے انتقال پر علماء اور دانشوروں کا خراج تحسین

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ:

اس دور میں ان کی علمی وجاہت اور روحانی عظمت کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

مولانا محمد مکی حجازی: (مکہ مکرمہ)

وہ حضرت امیر شریعت کے صحیح جانشین تھے۔ ایک جید عالم دین اور واقف احکام و اسرارِ شریعت تھے۔ ان کی تمام زندگی اعلاء حق اور ردّ فرقِ ضالہ میں گزری۔

مولانا عبدالحفیظ مکی: (مکہ مکرمہ)

حضرت ابوذر بخاری، علماء حق کی آبرو تھے۔

مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی: (اٹک)

وہ تو جہاد فی سبیل اللہ کا تبلیغی فریضہ اداء کرتے ہوئے منزل کو پہنچ گئے، مگر امت ایک مخلص اور حق گو رہنما سے محروم ہو گئی۔

مولانا محمد اعظم طارق: (سپاہِ صحابہ)

آپ بجا طور پر امام اہل سنت تھے اور دشمنانِ اصحاب رسول کے لئے شمشیر بے نیام تھے۔

مولانا ضیاء الرحمن فاروقی: (سپاہِ صحابہ)

ان کی تقریروں سے ہزاروں انسانوں کے عقائد درست ہوئے۔ ہم ایک متبحر عالم دین اور مشفق و مربّی سے محروم ہو گئے ہیں۔

قاضی حسین احمد: (جماعت اسلامی)

شاہ صاحب اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے۔

نوابزادہ نصر اللہ خاں:

مولانا سید ابوذر بخاری، ایک حق گو عالم اور حضرت امیر شریعت کی نشانی تھے۔

محمد اعجاز الحق: (پاکستان مسلم لیگ)

قوم ایک عظیم عالم دین سے محروم ہو گئی ہے۔

مولانا حبیب اللہ مختار: (مہتمم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

ان کی بے پناہ دینی خدمات ہی ان کی شخصیت کی پہچان ہیں۔

مولانا عبدالستار تونسوی: (تنظیم اہل سنت)

وہ صحیح معنوں میں اہل سنت کے بے باک ترجمان، محقق، اور عظیم دینی مفکر تھے۔

مولانا زاہد الراشدی: (ورلڈ اسلامک فورم)

وہ اپنے وقت کے جید اور وسیع المطالعہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مجلس احرار اسلام سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ وہ اپنے والد گرامی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے افکار و نظریات، ان کی وضع داری اور حق گوئی کی روایات کے امین تھے۔

مولانا سید سلمان احمد عباسی: (ٹوبہ ٹیک سنگھ)

فصاحت و بلاغت، شوکت کلام، روانیٔ بیان، آواز کا دبدبہ اور طنطنہ، ان سب اوصاف کے ساتھ وسعت علمی اور جرأت رندانہ اس فرد واحد میں جمع تھیں۔ اس دور قحط الرجال میں ایسی عظیم شخصیت کا اٹھ جانا اہل اسلام کا بہت بڑا نقصان ہے۔

جناب مشفق خواجہ: (کراچی)

حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کے انتقال کی خبر پڑھی۔ اس ایک شخصیت کے اٹھ جانے سے کیسی کیسی شخصیتوں کی جدائی کا غم تازہ ہو گیا۔ ہمارے معاشرے کی عمارت نیکی کے جن دو چار ستونوں کے سہارے کھڑی ہے ان میں سے ایک گر گیا۔ یہ آپ کا یا میرا ذاتی غم نہیں، پوری قوم کے لئے فکریہ ہے کہ اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہوں گے۔ خداوند تعالی سے دعا ہے کہ مرحوم کے درجات بلند ہوں اور حضرت امیر شریعت کا فیضان نسل در نسل جاری رہے۔

حکیم علی احمد عباسی: (کراچی)

مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کا انتقال، متبع سنت سب اہل ایمان کے لئے سانحۂ عظمیٰ ہے۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری: (کراچی)

ان کی ذات گرامی، پہلے بزرگوں کی دینی، اخلاقی، تہذیبی اور قومی و ملی روایات کی امین تھی۔ وہ خود اپنی ذات سے بے شمار علمی، ادبی اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں اور اخلاقی محاسن کا مجموعہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مختلف دینی اور علمی خدمات کے بہترین نقوش دوسروں کی رہنمائی کے لئے یادگار چھوڑے ہیں۔ وہ ایک یادگار زمانہ شخصیت کے مالک تھے۔

محمد اسحق بھٹی: (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

سید ابوذر بخاری..... علم، کردار، اخلاق اور گفتگو میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ تبلیغ دین کا سچا جذبہ

ان کے اندر موجزن تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ محبت ان کے دل میں راسخ تھی۔ صحابہ کرام اور ائمہ دین سے انتہائی لگن اور الفت ان میں پائی جاتی تھی۔

مولانا مجاہد الحسینی:

ادب اور صحافت کے محاذ پر قیام پاکستان کے بعد حضرت ابوذر بخاری نے ہی لادین عناصر کو سب سے پہلے للکارا۔ عربی، فارسی اور اردو میں وہ اپنا فکری سرمایہ چھوڑ گئے ہیں، اس سے آئندہ کئی نسلیں استفادہ کریں گی۔ وہ میرے علمی محسن تھے۔

مولانا عزیز الرحمن خورشید:

اللہ کا ڈر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت، ان کی زندگی کی متاعِ عزیز تھی۔

مولانا [illegible] رشید: (مہتمم جامعہ رشیدیہ ساہیوال)

ان کی بے مثال دینی استقامت نے شخصیت کا گہرا نقش چھوڑا ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری: (ادارۃ العلوم الاثری فیصل آباد)

حضرت شاہ جی کے انتقال سے علمی دنیا اندھیری ہو گئی۔ "موت العالم موت العالَم" کا صحیح نقشہ سامنے آ گیا۔

مولانا محمد اسلم صدیقی: (پنجاب یونیورسٹی)

شاہ صاحب ایک درویش خدامست اور سچے عالم دین تھے۔

مولانا ظفر الحق: (سکھر)

انہوں نے موجودہ دور کے صاحبزادگان کی مانند حکومت پرستی اور زر کی ہوس میں خود کو آلودہ نہیں کیا اور اکابر کے نقش قدم پر رہتے ہوئے فریضۂ تبلیغ باللسان و بالقلم خوب نبھایا۔ ایسی نادر اور قادر الکلام شخصیت موجودہ دور میں میری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ جس مقام و مرتبہ کی شخصیت تھے ہم انہیں وہ مقام نہ دلاسکے۔ اور نہ ہی اپنوں نے اس بات کو پسند کیا کہ حق دار کو حق دے دیا جائے۔

جناب علیم ناصری لاہور: (لاہور)

مجھے حضرت ابوذر بخاری مرحوم و مغفور سے ایک نسبت معنوی یہ بھی ہے کہ وہ شہداء بالاکوٹ کے والہ وشیدا تھے۔ وہ اپنی تقریر و تحریر میں ان عظیم ہستیوں کا ذکر بے پناہ قلبی گہرائیوں سے کیا کرتے تھے۔ انہوں نے علمی اور قلمی کام اپنے والد گرامی کی زندگی میں اور ان کے بعد جس جرأت و شجاعت اور عظمت و جلال سے سرانجام دیا وہ ایک یادگار ہے۔

کیا ایسے لوگ واقعی مرجاتے ہیں؟ ان کا ذکر ختم ہو جاتا ہے؟..... نہیں، ہر گز نہیں..... یہ لوگ اپنے اعمال و افکار اور عظمت کردار کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

اے ہمنفسان محفل ما

رفتید ولے نہ از دل ما

میاں محمد اسلم جان مجددی: (لاہور)

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، بیک وقت حافظ قرآن، متبحر عالم، خطیب فصیح البیان، مقرر طلیق اللسان اور عربی، اردو، فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ خصائص و فضائل اور مکارم و مناقب میں حضرت امیر شریعت کا عکس تھے۔

مولانا فضل الرحیم: (لاہور)

وہ ایک بے مثال خطیب تھے۔ ان کے بیانات سن کر قرون اولی کے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔

مولانا سید محمد اجمل شاہ: (ژوب، بلوچستان)

ان کی اچانک موت نے سامراج دشمن علماء کے کاروانِ بخاری کو یتیم کر دیا ہے۔

سید محمد ارشد بخاری، ایڈووکیٹ: (احمد پور شرقیہ)

وہ اس عہد میں صحابہ کرام کے مشن کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔

پروفیسر عباس نجمی: (لاہور)

میں ان کی صحبت میں نہ بیٹھتا تو شاید آج گمراہ ہوتا۔ وہ میرے فکری محسن تھے۔

ملک ربنواز ایڈووکیٹ: (چنیوٹ)

سید ابوذر بخاری فقرِ بوذرؓ کی سچی مثال تھے۔ پاکستان میں ان کی ٹکر کا دوسرا کوئی عالم نہیں۔

قاری محمد حنیف جالندھری: (مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان)

حضرت مولانا ابوذر بخاری کی زندگی ایک بیدار مغز، باخدا، اولوالعزم اور انقلابی قائد کی زندگی تھی۔ وہ ایسے قابل شاگرد تھے کہ ان کے استاذ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، ان کی ذہانت، خطابت اور علم و تحقیق پر فخر کرتے تھے۔ مولانا خیر محمد رحمہ اللہ نے ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ "فصیح البیان" لکھا۔ وہ ان چند شخصیتوں میں بھی ممتاز تھے جنہوں نے اپنے اساتذہ سے خراجِ تحسین وصول کیا۔

مولانا ایاز احمد حقانی: (جامعہ اسلامیہ، شبقدر، سرحد)

انہوں نے مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے تحریک تحفظ ختم نبوت کے لئے مجاہدانہ کردار اداء کیا۔ ان

کی دینی استقامت نسل نو کے لئے مینارۂ نور ہے۔

مولانا عبدالرشید ربانی: (سیکرٹری جنرل جمعیت علماء برطانیہ)

حضرت ابوذر بخاری کے علمی تبحر اور تقوی کے سب معترف ہیں۔ ان کی زندگی دعوت و تبلیغ کی روشن مثال ہے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی:

ان جیسے وسیع المطالعہ محقق اور بذلہ سنج خطیب کا پایا جانا اب بظاہر ناممکن ہے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ صحابہ کرام کی سیرت وسوانح کے حافظ تھے۔ علم و تحقیق اور خطابت و سیادت ۔۔ منفرد آدمی تھے۔

مولانا محمد اسلم شیخوپوری: (کراچی)

ان کا اعزاز و اکرام محض ایک بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے ذاتی کمالات، انسانی اخلاق، وسیع مطالعہ اور اسلامی صفات بھی ایسے تھے کہ ان کے دشمن بھی ان کے احترام پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ دفاع صحابہ کے سلسلے میں ان کی خدمات قابل رشک ہیں۔ اس مسئلہ میں وہ کسی قسم کی رواداری اور مفاہمت کے قائل نہ تھے۔ وہ یقیناً فنا فی الصحابہ تھے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز: (شجاع آباد)

وہ علم و فن کے پیکر اور اپنے فیوض سے دوسروں کو بہرہ مند کرنے والے تھے۔ اے کاش! کبھی ما ز ہم عصروں نے ان سے استفادہ کیا ہوتا۔

جناب عزیز الرحمن لدھیانوی: (شیخوپورہ)

سید ابوذر بخاری، اپنے والد امیر شریعت کے بقول ان کی تصویر تھے۔ وہ اپنے نظریات پر پوری استقامت اور ایمانی غیرت کے ساتھ آخر دم تک قائم رہے۔

قاضی محمد طاہر علی الہاشمی:

اللہ تعالی نے ان سے دین کی حفاظت کا وہ عظیم کام لیا، جس کی توفیق اس کے خاص بندوں ہی کو ملتی ہے۔ وہ الحب للہ، والبغض للہ اور اشداء علی الکفار رحماء بینھم پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔

پروفیسر محمد اسلم رانا: (لاہور)

ان کا ذکر الٰہی کی حالت میں اللہ پاک کے ہاں حاضر ہو جانا باعث تقویت ایمان ہے۔

سید انیس شاہ جیلانی:

ابوذر بخاری بھی جاتے رہے۔ ہم بھی ان سے جا ملیں گے۔

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری: (منتظم مدرسہ ختم نبوت، ربوہ)

انہوں نے عمر بھر استحصالی افکار و نظریات کا توڑ پیدا کیا اور اسلامی اصول و عقائد کی ترویج کے لئے خالص دینی جدوجہد کی۔ انہوں نے احرار کارکنوں اور اپنے سامعین کو ایک ہی پیغام دیا کہ انسانی نظاموں کے خاتمہ اور الٰہی نظام کی بقاء و نفاذ کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کردو۔

عبداللطیف خالد چیمہ: (احرار ختم نبوت سنٹر چیچاوطنی)

حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے دینی جدوجہد میں مزاحمت کا راستہ اختیار کیا اور مفاہمت کی مذمت کی۔

مولانا محمد اسحٰق سلیمی: (مدرستہ العلوم الاسلامیہ بخاری نگر، گڑھاموڑ)

شاہ جی، ہمارے فکری مرشد، قائد اور سپہ سالار تھے۔ انہوں نے ہماری تربیت میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں اور عقیدہ و ایمان کے معاملہ میں احرار کارکنوں کو لافانی کر دیا۔

چودھری ثناء اللہ بھٹہ: (لاہور)

اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود سے ہزاروں انسانوں کو ہدایت دی۔

حفیظ رضا پسروری: (لاہور)

ان کی ہمت و جرأت، ان کے علم و فضل سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ان کی شخصیت بہت اعلیٰ و ارفع تھی۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور عظمت صحابہ کے دفاع کی خاطر انہوں نے جو کارنامے سرانجام دئیے ان سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روحیں یقیناً خوش ہوں گی۔

مولانا محمد مغیرہ: (خطیب مسجد احرار، ربوہ)

انہوں نے قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں جو اصول و عقائد اختیار کئے وہ تادم واپسیں پوری استقامت کے ساتھ ان پر کاربند رہے۔

ابوسفیان تائب: (حاصل پور)

ان کی شخصیت علم و عمل کا حسین امتزاج تھی۔ وہ ازواج و اولاد، اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی عزت و عظمت کے حقیقی پاسبان تھے۔

حافظ ارشاد احمد دیوبندی:

وہ علم و عمل میں اپنے اسلاف کے وارث تھے۔ خطابت ورثہ میں ملی، جسے انہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت ازواج و اصحاب رسول کے ابلاغ کے لئے وقف کر دیا۔

جناب نذیر حق: (لاہور)

امیر شریعت کی ایک نشانی دنیا سے رخصت ہو گئی اور یہ دنیا اللہ کے ایک سچے بندے سے خالی ہو گئی۔

عبد الستار سالک: (نائب امیر جمعیت المجاہدین جموں و کشمیر)

اللہ کریم نے جس طرح ان سے دین کی خدمت کا کام لیا وہ ان کی سعادت تھی۔ آج وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کی دینی خدمات تاریخ کا حصہ رہیں گی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت میں ان کا کردار اور ماقابل فراموش قربانیاں آئندہ نسل کے لئے مشعل راہ ہیں۔ زمانہ کوشش کرے گا لیکن ان کا ثانی نہیں لا سکے گا۔

نذیر احمد غازی: (سابق اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب)

مولانا ابوذر بخاری نے منکرین ختم نبوت کو کیفر کردار تک پہنچانے میں تاریخی کردار ادا کیا۔

جناب احمد دین: (راولپنڈی)

ان کا قرآن پڑھنا، ان کے دروس اور ان کی مجالس یاد آرہی ہیں۔ باکمال شخصیتیں ایک ایک کر کے اٹھ رہی ہیں اور اندھیرا بڑھ رہا ہے۔

ملک وزیر غازی ایڈووکیٹ: (جماعت اسلامی، ملتان)

سید ابوذر بخاری اپنے والد حضرت امیر شریعت کے حریت فکر اور استقامت کردار کے سچے وارث تھے۔

جناب ولی محمد واجد: (سابق رکن ادارہ، روزنامہ امروز ملتان)

اس عہد میں وہ فلسفۂ عمرانیات کے امام اور تاریخ پر زبردست عبور رکھنے والے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے بے شمار فکری اور تاریخی مغالطوں کی نشاندہی کی، علماء کو متوجہ کیا اور آل و اصحاب رسول علیہم الرضوان کے خلاف سبائی سازشوں کو طشت ازبام کیا۔

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری: (مدیر وفاق المدارس الاحرار پاکستان)

انہوں نے ساری زندگی مجاہدانہ شان اور فقیرانہ آن کے ساتھ بسر کی۔ وہ علم و تقویٰ اور جرأت و قربانی کا پیکر تھے۔ پاکستان میں لادین جمہوری سیاست کے خلاف سب سے پہلی، سب سے مؤثر اور سب سے منظم فکری تحریک انہوں نے ہی پیدا کی۔ شہرت، اقتدار اور آسائش کو ٹھکراتے ہوئے ہمیشہ دینی غیرت اور علمی دیانت کی تابناک مثالیں قائم کیں۔ وہ بانی تحریک مدح معاویہ اور محافظ ناموس صحابہ تھے۔

پروفیسر خالد شبیر احمد: (سابق ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان)

حضرت ابوذر بخاری نے پوری زندگی عقیدے اور نظریے کی جنگ لڑی اور احرار کارکنوں کو فکری لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دیا۔

مولانا محمد عبد اللہ، بھکر (جمعیت علماء اسلام)

انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی مجلس احرار اسلام کا نام زندہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ علمی استعداد اور صلاحیت عطاء فرمائی تھی۔ وہ ایک بلند مقام خطیب عالم باعمل و ادیب تھے۔

سید محمد کفیل بخاری

"فخر ہوتا ہے قبیلے کا سدا ایک ہی شخص"

کوئی بھی بڑی شخصیت بجا طور پر اپنے خاندان، قبیلے یا جماعت کیلئے قابل فخر ہوتی ہے۔ یہ فخر یقیناً اس شخصیت کے قابل تقلید کردار و عمل، فکر و نظر اور فہم و تدبر کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ ایسی مثالیں بہت کم ہوتی ہیں کہ کسی بڑے شخص کی اولاد بھی اس کی صحیح جانشینی کا حق اداء کرے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اپنے خاندان میں واحد فرد تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں میں بہت ممتاز کر دیا تھا۔ انہیں اتنی شہرت اور عزت عطاء کی کہ کئی پشتوں میں اسکی مثال ناپید ہے۔ پورا برصغیر ان کی شخصیت کے سحر کا اسیر تھا۔ لاکھوں انسانوں کو ان کے وجود سے ہدایت ملی اور لاکھوں دل ان کی محبت میں دھڑکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا تو ایسا کہ جس نے اپنے علم و عمل اور ایثار و کردار سے اپنے خاندان اور اسلاف کا نام روشن کر دکھایا۔ ایسا بیٹا کہ جس پر ماں باپ اور اساتذہ فخر کرتے اور ان کی علمی صلاحیتوں پر رشک کرتے۔ وہ قبیلۂ احرار کے منفرد شخص تھے۔

ہمارے مشفق و مربی حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ صحیح معنوں میں اپنے عظیم والدین اور اساتذہ کے جانشین تھے۔ وہ ایسے خوش بخت انسان تھے کہ ان کے علم و حافظہ پر ان کے عظیم باپ اور اساتذہ بھی ناز کرتے تھے۔ وہ اپنے کردار و عمل میں اسلاف کی تصویر تھے۔ وہ فکر احرار کے سچے وارث و امین تھے۔ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری اور حیات مستعار کو تبلیغ دین کے لئے وقف کئے رکھا۔ حضرت شاہ جی، ۱۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو امرتسر کے محلہ کڑہ مہاسنگھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ والدہ ماجدہ سے تعلیم قرآن کریم کا آغاز کیا اور پھر اپنے وقت کے جنید قاری و عالم حضرت قاری کریم بخش رحمہ اللہ سے قرآن کریم حفظ کیا۔

وہ اپنے احوال کے متعلق اکثر فرمایا کرتے:

"حفظ قرآن کریم مکمل کرنے کے بعد اماں جی میری تعلیم کے متعلق بہت متفکر تھیں۔ ابا جی اپنے دینی و قومی اور سیاسی مشاغل میں اس قدر مصروف کہ مہینوں گھر نہ آتے اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی جلسے میں تقریر سے فارغ ہوئے تو گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ چلا، سزا ہوئی اور وہ قید کاٹ کر رہا ہوئے تو گھر آئے۔ ان حالات میں میرا فارغ رہنا اماں جی کیلئے بہت ہی فکر کی بات تھی۔ ابا جی کی زندگی تو انگریز کے خلاف جہاد کیلئے وقف تھی۔ ریل اور جیل ان کی زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔ سفر اور مسلسل سفر، تقریریں اور پھر جیل...... گھر میں اماں جی اور میرے حقیقی اور اکلوتے ماموں سید عبدالحمید شاہ بخاری رحمہ اللہ میری نگرانی کرتے۔ میری تربیت میں ان دو شخصیتوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

ابا جی حسب معمول سفر سے واپس آئے تو اماں جی نے انہیں میری تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ وہ مجھے ساتھ لیکر دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ اسی موقع پر مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا سید حسین احمد مدنی اور دیگر اکابر

رحمہم اللہ کی زیارت و ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے دستر خوان پر ہم سب اکٹھے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ بہت پر جوش اور انقلابی مزاج کی شخصیت تھے۔ وہ ملک کے سیاسی معاملات میں بعض علماء کی خاموشی اور حکمت عملی کے سخت خلاف تھے اور ان کے اس رویئے کے خلاف برس رہے تھے۔ ان کا ایک جملہ آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

"حسین احمد، میرا جی چاہتا ہے میں ان مولویوں کو بم سے اڑا دوں"

وہ دیوانوں کی طرح یہ جملہ بار بار دہرا رہے تھے اور حضرت مدنی نہایت حلم و برد باری سے مولانا سندھی کی باتیں سن رہے تھے کہ یہ باتیں محض اخلاص اور للہیت پر مبنی تھیں۔ عبید اللہ سندھی کا سچا درد اور دینی انقلاب برپا کرنے کی تڑپ تھی۔ حضرت مدنی جواباً سر ہلاتے اور فرماتے:

"جی حضرت، آپ سچ فرما رہے ہیں ان کا یہی علاج ہے"

ابا جی کو حضرات اکابر میں مصروف پا کر میں دارالعلوم کے قبرستان میں پہنچ گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ، علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کے مزارات پر حاضری ہو کر دعاء مغفرت کی اور پھر اپنے خاندان اور اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کے محسن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر ہوئی تو میری تلاش شروع ہو گئی۔ اور متلاشی مجھ تک پہنچ گئے۔ میں واپس آیا تو ابا جی نے پوچھا، بیٹا کہاں چلے گئے تھے؟ عرض کیا، آپ کے حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ طبیعت ایسی مانوس ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں "بیٹا میرے پاس بیٹھے رہو" میں ان کی قبر کے پاس بیٹھ کر بہت دیر روتا رہا اور ان کی جدائی کے احساس میں ڈوب گیا۔ ابا جی بہت خوش ہوئے، مجھے دعاء دی "اللہ تمہیں انور شاہ کی گدی پر بٹھائے"

دیو بند سے سہارنپور پہنچے، مظاہر العلوم دیکھا، ابا جی نے پوچھا، بیٹا کس مدرسہ میں پڑھو گے؟ عرض کیا دیو بند اور سہارنپور میں تو طبیعت آمادہ نہیں ہو رہی۔ وہاں سے جالندھر پہنچے اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے مدرسہ خیر المدارس میں حاضر ہوئے۔ میں نے ابا جی سے کہا۔ میں اس مدرسہ میں پڑھوں گا۔ ابا جی نے حضرت مولانا خیر محمد کو میری اس خواہش سے مطلع کیا تو وہ فرمانے لگے "الحمد للہ، ہماری آرزو پوری ہو گئی"۔ انہوں نے بتایا کہ "میں اور میری اہلیہ دونوں ایک عرصہ یہ دعاء کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ جی کے بیٹے کو دین پڑھانے کی توفیق دے۔ اے اللہ، شاہ جی کا یہ بیٹا ہمیں دے دے۔ آج ہماری دعاء قبول ہو گئی ہے۔"

غالباً ۱۹۴۰ء میں آپ مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں داخل ہوئے۔ تعلیم کے آخری سال تقسیم ملک کا معاملہ پیش آ گیا۔ چنانچہ ان کا ایک تعلیمی سال ضائع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں خیر المدارس ملتان میں منتقل ہوا تو وہ سند فراغ حاصل کرنے والی پہلی جماعت میں شامل تھے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ

مرقدہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور ان کی خاص شفقتوں، عنایات اور توجہات کا مرکز و محور رہے۔ استاذ محترم کے حکم سے خیر المدارس ملتان میں چند برس حدیث، فقہ اور ادب کے اسباق بھی پڑھائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے محلہ کی مسجد عائشہ میں "مدرسہ حریت اسلامیہ" قائم کیا۔ پھر اپنی جگہ مل گئی تو اس میں "مدرسہ احرار اسلام" قائم کیا۔ اسی مدرسہ میں "معاویہ سیکنڈری سکول" بھی قائم کیا۔ آجکل یہاں مولانا سید عطاء المحسن بخاری کے اہتمام میں مدرسہ معمورہ قائم ہے۔ اور یہ جگہ "دار بنی ہاشم" کے نام سے معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت اعلیٰ علمی و ادبی ذوق عطا فرمایا تھا۔ اپنے اسی ذوق کی تحریک پر انہوں نے ۱۹۵۰ء میں ایک ادبی تنظیم "نادیۃ الادب الاسلامی" قائم کی۔ انکی علمی وجاہت، وسعت مطالعہ، سحر طراز شخصیت اور بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے ہر سطح کے لوگ ان سے متاثر ہوئے، اور پڑھے لکھے باشعور نوجوان علماء کا ایک حلقہ ان کے گرد جمع ہوگیا۔ نادیۃ الادب الاسلامی" میں ایسے ہی لوگ شامل تھے۔ اس تنظیم کے تحت ایک معیاری ادبی مجلہ سہ ماہی "مستقبل" جاری کیا۔ مستقبل میں شامل ان کی نگارشات اور ان کے رفقاء فکر کی تحریری کاوشوں سے ایک زمانہ متاثر ہوا، ایک نسل نے ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا اور اہل دانش نے خراج تحسین پیش کیا۔

پھر سہ روزہ "مزدور" جاری کیا، مزدوروں کے حقوق کے لئے "اسلامک ٹریڈ یونین" بنائی اور اسلام میں مزدوروں کے حقوق و فرائض کے حوالے سے ایک وقیع علمی مقالہ "اسلام اور مزدور" کے عنوان سے لکھا۔ کسانوں کے حقوق کے لئے "اسلامی کسان کمیٹی" بنائی "اسلام اور کسان" کے عنوان سے تحقیقی مضمون لکھا۔ مجلس احرار اسلام کے ترجمان روزنامہ "آزاد" لاہور میں ان کے نثری شہ پارے، نظمیں اور غزلیں شائع ہوتی رہیں۔ احرار کے ایک اور ترجمان روزنامہ "نوائے پاکستان" کے شعبہ ادارت کے رکن رکین رہے اور ان کی نگارشات اسمیں بھی شائع ہوتی رہیں۔ مولانا مجاہد الحسینی شاہ جی کے رفیق خاص تھے۔ ان کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار "غریب" میں بھی ان کے قلم سے بعض مضامین نکلے ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں روپوش رہ کر کام کرنے والوں میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے بعد وہ دوسرے آدمی تھے جنہوں نے روپوشی کے ایام میں تحریک کے اسیر رہنماؤں سے جیل میں رابطہ قائم رکھا اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر تحفظ ختم نبوت کا محاذ سرگرم رکھا۔ حکومت پاکستان اپنی ساری کوششوں کے باوجود انہیں گرفتار نہ کرسکی۔

۱۹۶۰ء میں مرشد گرامی حضرت شاہ عبد القادر رائیپوری قدس سرہ نے خلعت خلافت عطا فرمائی۔ ۱۹۶۱ء میں حج کی درخواست منظور ہوگئی مگر والد ماجد امیر شریعت [illegible] کی شدید علالت کے سبب [illegible] حج [illegible] تمام عمر حج نہ کرسکے ۲۰/ [illegible] مجلس [illegible] اسلام پر ان دنوں پابندی تھی۔ آپ نے [illegible] کے ساتھ ساتھ جماعت کے شعبہ تبلیغ "تحفظ ختم نبوت" کے محاذ پر [illegible] قرآن کریم کا آغاز کیا و علم و عرفان کے موتی [illegible] تب ان کا [illegible] دور کے دروس میں نوجوانوں کا ایک جم غفیر ستاروں کی [illegible] ہزاروں نوجوانوں کی زندگیاں بدل گئیں اور ان کے افکار و عقائد کی

اصلاح ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں سیاسی جماعتوں سے پابندیاں ختم ہوئیں تو مجلس احرار اسلام کی تنظیم نو کے لئے متحرک ہو گئے اس وقت شیخ حسام الدین رحمہ اللہ احرار کے قائد تھے۔ انہی کی قیادت میں بقاء احرار کے لئے سرگرم ہوئے اور اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ تب آپ مجلس احرار اسلام کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں آپ نے جماعت کا منشور اور دستور لکھا جو ان کی علمی صلاحیتوں کا شاہکار ہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں احرار کی روایات کے ساتھ قائدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۵ء میں جماعت کے مرکزی امیر چن لئے گئے اور ۸۲ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء کو دار الکفر والارتداد "ربوہ" کی تاریخ میں پہلی بار اجتماع جمعہ منعقد کیا اور مسلمانوں کی پہلی مسجد، "جامع مسجد احرار" کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۹۰ء میں فالج کا حملہ ہوا، اس کے بعد مسلسل مختلف عوارض کا شکار ہوتے رہے۔ ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۵ء میں بیماری نے شدت اختیار کر لی اور فالج کے تقریباً تین حملوں سے انکی صحت تباہ ہو گئی اور پھر وہ بستر علالت سے اٹھ نہ سکے۔ بالآخر ۲۷/ ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳/ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۵ء پیر اور منگل کی درمیانی شب دس بج کر چالیس منٹ پر تقریباً ستر برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک آفتابِ علم افق کے اس پار چلا گیا جہاں سے لوٹ کر کبھی کوئی نہیں آیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمہ اللہ۔ احرار کی متاعِ عزیز تھے۔ وہ ایک مفکر اور جید عالم دین تھے۔ شعر و ادب اور خطابت میں انہیں جو مقام و مرتبہ حاصل ہوا وہ اسمیں یکتا تھے۔ انہیں مجلس احرار اسلام سے لازوال محبت تھی۔ وہ مجلس احرار اسلام کو شہداء ختم نبوت کی وراثت اور نشانی سمجھتے تھے۔ ان کا عزم تھا کہ وہ اس چراغ کی لو کو کبھی مدھم نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دوستوں کی بے وفائیوں، ہم عصروں کی چیرہ دستیوں اور سازشوں کے علی الرغم احرار کا علم بلند رکھا۔

انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور پچاس کے قریب تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ تاریخ، علم الانساب، ادب، لغت، سیرت رسول ﷺ اور سیرت ازواج و اصحابِ رسول علیہم السلام ان کے خاص موضوعات تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے پاکستان میں ۱۹۶۱ء میں یوم معاویہ کا جلسہ منعقد کیا اور اس کے لئے بعض نادان دوستوں اور دانا دشمنوں کی شدید مزاحمت کے مقابلے میں کوہ استقامت بن گئے۔ پاکستان کی تاریخ میں وہ دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریک کی پہلی، منظم اور طاقتور آواز تھے۔ وہ اپنے مؤقف کے اظہار کے لئے کبھی کسی سے مرعوب نہ ہوئے۔ جس بات کو حق سمجھا اسے بلاخوف تردید بیان کیا۔

جانشینِ امیر شریعت رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال سے ملک کے دینی حلقوں کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ خاص طور پر مجلس احرار اسلام کے کارکن اپنے فکری محسن و مربی اور قائد کی شفقتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے کان ان کی صداء حق سننے کے لئے ہمیشہ ترستے رہیں گے۔ احرار کارکن شاہ جی کی جدائی کے غم سے نڈھال ضرور ہیں مگر ان کا یہ عزم مصمم ہے کہ وہ شاہ جی کے روشن کئے ہوئے چراغ کو گل نہ ہونے دیں گے۔ اور مکمل عزم و ہمت کے ساتھ حق و صداقت کا علم بلند رکھیں گے (ان شاء اللہ)

....

سیدمجمد کفیل بخاری

شاہ جی کا نام............ضروری وضاحت

حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے نام کے بارے میں عام طور پر احباب مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جسے دور کرنے کیلئے ضروری تفصیل اور وضاحت ذیل میں دی جا رہی ہے۔

آپ کا اصل نام: ———— سید عطاء المنعم بخاری

قدیم احرار حلقوں اور خاندان میں معروف نام: —— حافظ جی

خود اختیار کردہ نام: ———— سید ابوذر بخاری

کنیت: ———— ابومعاویہ

لقب: ———— جانشین امیر شریعت، قائد احرار

۱ آپ کی ولادت پر آپ کے دادا حضرت حافظ سید ضیاء الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے عطاء المنعم نام تجویز کیا۔ ۱۹۴۸ء تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔

۲ جب آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تو حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو "حافظ جی" کہہ کر پکارتے۔ حضرت امیر شریعت کی اولاد میں آپ پہلے حافظ قرآن تھے اور پھر بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔

حضرت امیر شریعت کی وجہ سے ان کے ذاتی دوست اور حلقۂ احرار کے سبھی بزرگ اور کارکن آپ کو "حافظ جی" ہی کہتے۔ قرآن کریم کے ساتھ بے پناہ تعلق اور کثرتِ تلاوت نے آپ کو اسمِ با مسمیٰ بنا دیا تھا۔

۳ شاہ جی مرحوم کے خود اپنے قول کے مطابق

"میں خیر المدارس ملتان میں آخری تعلیمی سال (دورۂ حدیث) کا طالب علم تھا۔ یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ ایک شب دارالحدیث کی چھت پر تنہا بیٹھا مطالعۂ حدیث میں مصروف تھا کہ عظیم صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے احوال زندگی مطالعہ میں آئے۔ تو آپ کی صبر و قناعت اور ایثار و انفاق سے بھرپور شخصیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ اثر اتنا گہرا تھا کہ مجھ پر گریہ طاری ہو گیا اور میں رات گئے تک روتا رہا۔ اسی لمحے میں نے اپنا نام "عطاء المنعم" سے بدل کر "ابوذر" اختیار کر لیا۔"

۴ اگست ۱۹۶۱ء میں اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا تو اس کا نام "محمد معاویہ" رکھا۔ اسی نسبت سے "ابومعاویہ" کنیت اختیار کی۔ آپ نے تحریکِ تجدید اسماءِ صحابہ رضی اللہ عنہم جاری کی۔ اور پھر نام پر کنیت غالب آ گئی۔ آخر عمر تک آپ اپنا نام "سید ابومعاویہ ابوذر بخاری" لکھتے رہے۔

۵ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے استاد

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد عبداللہ درخواستی اور مولانا محمد علی جالندھری رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے آپ کو حضرت امیر شریعت کا جانشین نامزد فرمایا اور دستار بندی کی اس موقع پر علماء کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔

آپ کو "جانشین امیر شریعت" کا لقب عطاء کیا۔ بعد ازاں مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں اور کارکنوں نے آپکو اپنا قائد منتخب کر کے "قائد احرار" کا لقب عطاء کیا۔ اور یہ دونوں القاب اکٹھے آپ کے نام کے ساتھ لکھے جاتے رہے۔

۶ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جو حلقۂ احباب آپ کے قریب آیا وہ آپ کو "بڑے شاہ جی" کے نام سے یاد کرتے۔

۷ آپ کا ایک نام "عبدالصادق" بالکل غیر معروف ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے ایک بہت ہی مداح بزرگ حضرت مولانا امام غزالی تھے۔ یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اموی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے اور ضلع میانوالی کے علاقہ "ٹمن" کے رہائشی تھے۔ مولانا امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت امیر شریعت کے ہاں بیٹے کی ولادت کا علم ہوا تو آپ نے "عبدالصادق" نام تجویز کر کے لکھ بھیجا۔ ابتداء میں خاندان کے بعض بزرگ اور آبائی گاؤں "ناگڑیاں" (ضلع گجرات) کے بزرگ حضرات اور خواتین آپ کو "عبدالصادق" کے نام سے بھی پکارتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں جب آپ روپوش ہو گئے تو پولیس آپ کی گرفتاری کیلئے ناگڑیاں بھی پہنچی اور ایک بوڑھی خاتون سے پوچھا کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کا لڑکا تو یہاں نہیں دیکھا؟ اس بڑھیا نے بلا توقف کہا کہ تم "صادق حسین شاہ" کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ پولیس والے سر پیٹ کر رہ گئے اور کہا نہیں مائی! اس نام کا ان کا کوئی لڑکا نہیں۔

قدیم احباب تو اس تفصیل سے واقف تھے مگر آج کا حلقۂ احرار ناواقف ہے۔ نقیب کی اس اشاعت خاص میں بعض مضامین میں مختلف نام درج ہیں۔ اسی الجھن کو دور کرنے کیلئے کہ یہ تفصیل درج کرنا پڑی۔

سید عطاء المنعم

حافظ جی

سید ابوذر بخاری

اور بڑے شاہ جی......... سے مراد سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ ہے۔

جانشینِ امیر شریعت قائدِ احرار سید ابومعاویہ ابوذر بخاری

ذرہ عمرِ رفتہ کو آواز دینا

آج میں جب یہ سطور لکھ رہا ہوں اسلامی ہجری سن کے حساب سے میری ناپائدار زندگی کا تریسٹھواں سال پورا ہو کر چونسٹھویں سال کی آخری رات اپنا سایہ ڈال چکی ہے۔ بلکہ موسم سرما کی قریباً پونے گیارا گھنٹوں کی مقدار رکھنے والی نسبتاً طویل رات ہونے کی حیثیت سے اپنے سفر کا پانچواں حصہ بھی طے کر چکی ہے۔ میں گنہگار و نابکار اباجی رحمۃ اللہ علیہ اور مخدومہ اماں جی دام ظلہا کی بارہا سنائی ہوئی داستان حیات کے مطابق آج سے تریسٹھ سال پہلے مشرقی پنجاب انڈیا کے مشہور و معروف اور لاہور کے بعد اہم ترین دینی و سیاسی اور تجارتی مرکز امرتسر کے محلہ کٹڑا مہاں سنگھ کے کوچہ رنگریزاں میں اس علاقہ کے مشہور رئیس ٹھیکیدار محمد شریف کشمیری مرحوم کے مملوکہ ایک دورویہ دو منزلہ مکان کی بائیں بالائی منزل میں ایک مختصر سے رہائشی کمرے میں کتم عدم سے منصۂ وجود میں آیا۔ یعنی ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ، ۱۳ دسمبر ۱۹۲۶ء، بروز دوشنبہ (پیر) اختتام سحر پر قریبا صبح صادق کے وقت میری ولادۃ ہوئی۔ والد ماجد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اپنی باوجود ریل اور جیل والی طوفانی زندگی کی مسلسل اور پر خطر مصروفیات و معمولات کے، حسن اتفاق سے گھر پر موجود تھے۔ انہی نے میرے کانوں میں اذان اور تکبیر کہی اور آغاز زندگی ہی میں میری روح اور دل کو توحید و رسالت کا موروثی اسلامی سبق القاء کیا جس کی تاثیر و نورانیت کے طفیل تین چار سال کی عمر میں ہی مخدومہ اماں جی دام ظلہا کی گود میں کلمۂ توحید و شہادۃ، نماز اور قرآن کریم کے حفظ کا مبارک دور شروع ہوا۔ اور پھر بعد از بلوغت و بیداریٔ عقل و شعور اماں جی کے بعض مبارک خوابوں اور اباجی کے دل میں مچلتی ہوئی آرزوؤں اور ارمانوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پہلے مدرسہ نعمانیہ امرتسر کی شاخ مسجد شیخ بڈھا میں اور پھر دو سال بعد حضرت الاستاد مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو و دعا کے مطابق مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں کلمۂ توحید و رسالت کی تفصیل اور تشریح سمجھنے کے لئے اور اس پر امکانی حد تک عمل کی تربیت حاصل کرنے کے لئے چھ سال جالندھر میں اور آخری ساتویں برس ملتان میں دینی کتب کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا شرف عطا فرمایا۔ میں بذات خود تو نہ پہلے کسی صلاحیت و قابلیت کا مالک تھا اور نہ ہی اب حسنِ عمل کے کسی درجہ میں ہوں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ خاندانی روایت، حضرت امیر شریعت کے خون اور مخدومہ اماں جی کے دودھ کی پاک اور نورانی برکت سے دنیا داری کے چنگل میں پھنس کر برباد ہونے کی نحوست سے محفوظ ہو گیا اور باوجود اپنی تمام انسانی کمزوریوں کے بحمد اللہ، امیر شریعت کے علم و فکر اور جہد و عمل کا حقیر سا نام لیوا اور ان کے عظیم و عزیز ترین مقصد زندگی، قیام حکومت الٰہیہ و اسلامی شورائی وحدانی نظام اور تحفظ ناموس ختم نبوت و ناموس ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے مجاہدین کا ایک ادنیٰ سا

خادم بن کر زندگی گزارنے کے لئے امکانی فکری تبلیغ اور عملی جدوجہد میں مصروف ہو کر موت کا استقبال کرنے کی امید و آرزو رکھنے کی بہت بڑی سعادت نصیب ہو گئی ہے۔

کائنات کے اوّل و آخر اور حقیقی قائد اعظم سید الاوّلین والاخرین، خاتم النّبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کل تریسٹھ سال تھی اور آج میں ہزار فکر و اندیشہ اور ہزار خطرات و حوادث کے دریا عبور کر کے کسی نہ کسی طرح عمر مسنون کی منزل تک پہنچ گیا ہوں۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس امت کی اوسط عمر کل ساٹھ سال ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے دن بھی نبی علیہ السلام کے الہامی ارشاد کے مطابق سب سے آخر میں امت کو "تعالوا یا ابناء الستین" ساٹھ سال کی اوسط عمر کی امت والو اب حساب و کتاب کے لئے تم بھی عرش الٰہی کے سامنے آجاؤ کے الفاظ سے خطاب کیا جائے گا۔ تو اس لحاظ سے نہ صرف عمر مسنون بلکہ اس امت کی اوسط عمر کا نصاب بھی پورا کر چکا ہوں۔ حیات دنیا میں میرے اب کتنے دن باقی ہیں؟ یہ تو اللہ عالم الغیب والشہادہ کو ہی معلوم ہے۔ تاہم جسم کے انحاط، زوالِ صحت اور امراض واستقام کی یلغار و رفتار کے پیش نظر آثار یہی ہیں کہ اب گنے چنے اور تھوڑے سے دنوں کی ختم ہوتی ہوئی کل پونجی موت کا پیش رو اور پیغامبر اور فکر آخرت کی مناد بن کر روح ووجدان اور عقل و ہوش کو جھنجوڑ رہی ہے۔

بچپن کے حالات، جوانی کے حادثات اور بڑھاپے کے خطرات پر مشتمل تریسٹھ سال کی زندگی ایک فلم کی طرح دل و دماغ اور آنکھوں میں گھوم رہی ہے۔ نیکیاں کمانے اور قبر و آخرت سنوارنے کے لئے دنیا کی ہر نعمت سے قیمتی دولت یعنی قوت اور ہمت کا وقت، دور شباب، خیالات و خرافات اور آوار گی میں برباد ہو گیا۔ اور نا توانی اور بے بسی کا سراپا عبرت و غم دور کہولت و زاول اب صرف ہاتھ ملنے اور رونے دھونے کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاندان و نسب اور نام کچھ کام نہیں دیتے۔ اور اپنے پاس چند ٹوٹی پھوٹی نمازوں، ناقص روزوں اور نیکی کے نام پر تقریباً کالعدم بھاگ دوڑ کر کے زندگی کے بے مراد دن پورے کرنے کے سوا کوئی پونجی نہیں انجام کیسے اور کیا ہو گا؟ قبر اور محشر کا طویل اور ہولناک منظر سامنے ہے۔ اس کے تصور سے لرزہ براندام ہوں اور پتا پانی ہو رہا ہے۔ شب و روز توبہ و استغفار، فکر حسن خاتمہ، موت کے وقت اداء کلمۂ توحید و شہادہ، اقرار ختم نبوت واعلان حقانیت ازاوج واولاد اصحاب رسول علیہم السلام کی دعا میں بسر ہو رہے ہیں جبکہ مختلف دینی مقاصد و موضوعات پر زیر تحریر و ترویج بہت سے مسودات کا انبار لگا ہوا ہے۔ خصوصاً پورے خاندان کی تاریخی و نسبی امانت، سیرہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نامکمل صورت میں میرے غم و حزن کا مرقع اور گلے کا ہار بنی ہوئی ہے۔ اور جماعت کی تاریخی اور فکری اور تنظیمی جد وجہد کی داستان تقریباً یادر ہوا ہے۔ گویا عزائم و مساعی میں بعد المشرقین کی کیفیت ایک سنگین حقیقت بن کر سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔

غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
میرے شوق کی بلندی میری ہمتوں کی پستی

ان حالات میں میرے تمام متعلقین، احباب طریقت اور کارکنان جماعت کو قریباً تین برس پہلے میرے شائع کئے ہوئے ایک "تنبیہی اداریہ" کو فوراً ملحوظ رکھ کر فکر مستقبل کر لینی چاہیئے۔ اور جماعت کی زندگی اور بقا کی خاطر ابھی سے متبادل افراد اور فوری طور پر قابل عمل تجاویز مرتب کرکے میرے بعد پیش آنے والے رسمی خلا کی پیشگی مگر مفید و مؤثر خانہ پری کا ابھی سے اہتمام کر لینا چاہیئے۔ تاکہ اچانک میری موت کا حادثہ پیش آنے پر ضرورت سے زیادہ پریشانی و پشیمانی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اور ایک فرد کے ذاتی نقصان کے مقابلہ میں جماعت کے اجتماعی نقصان کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑ جائے۔ دنیا بہر حال دار فنا ہے۔ صرف افراد کسی کام کے مدار نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے خاص حالات و اثرات کے باعث بہت سی کمیاں اور کمزوریاں ڈھکی چھپی رہ جاتی ہیں اور ان کے یک دم اٹھ جانے سے بہت سے رکے ہوئے آفات و حوادث پسماندگان کو مرعوب و مغلوب بلکہ بسا اوقات معطل اور مفلوج بنا دیا کرتے ہیں۔ البتہ فکر مستقبل، عقل و شعور اور منصوبہ بند پیشگی جدوجہد بہت سے خطرات پر قابو پانے اور بہت سے نقصانات کی کسی حد تک تلافی کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔ باقی حقیقتاً ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر و مشیت کے تابع ہے اور اسی پر مکمل ایمان و اذعان رکھ کر مصروف جدوجہد رہنا ہی ایک سچے مسلم مؤمن کی شان اور صحیح پہچان ہے۔ وللہ عاقبتہ الامور۔

یہ چند پریشان خیالات، عمر رفتہ اور پیش آئندہ منزل کے تصور اور اس کے تاثر کے تحت کلمات مسلمہ فقرات کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ امید ہے کہ میرے تمام متعلقین و مخلصین ان کی روشنی میں کسی فوری اجتماعی اقدام کا نظم و اہتمام کر لیں گے۔ متوجہ اور متنبہ کر دینا میرا فرض تھا اور عمل در آمد ان کا کام ہے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بہ بند سود باش
اے فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اخلاص اور حسن نیت، حسن عمل کی نعمت سے سرفراز فرمائیں اور اکابر احرار کی اس عظیم امانت کی بہ قدر طاقت بشریہ آئندہ نسل کے فکر و عمل کی پناہ گاہ میں منتقل کر کے ایفاء عہد، حسن خاتمہ، حسن جزاء کی دولت سے مشرف فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ برحمتک یاارحم الرحمین۔ والصلوہ والسلام علی خاتم النّبیین سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین!

پندرہ روزہ "الاحرار" لاہور
جلد: ۷ شمارہ ۱۹، ۲۰
جنوری ۱۹۸۸ء

جانشین امیر شریعت حضرت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

میری کہانی

آپ کو معلوم ہے کونسا خون میرے جسم میں ہے میں تو رک نہیں سکتا میں نے جو پڑھا ہے جو اساتذہ نے پڑھایا ہے، جس باپ کا خون میرے جسم میں آیا ہے، جس ماں کا میں نے دودھ پیا ہے، اور جس مرشد نے مجھے تلقین کی ہے، میں مرتے دم تک اسکو بیان نہ کروں تو سمجھوں گا کہ میں عطاء اللہ شاہ کا بیٹا نہیں کسی ان پڑھ کا بیٹا ہوں، دنیا میں زندہ رہنے کے لئے بہت سے کام ہیں اور وہ میں کر سکتا تھا۔ کتابت میں اب بھی ٹوٹے پھوٹے کاتبوں سے اچھی کر لیتا ہوں، طب مجھے الہامی طور سے یاد ہے، دادا کی دعا بھی تھی۔ بندے مار، قبرستان آباد کرنے والے طبیب میں ان سے زیادہ طب جانتا ہوں۔ مجھے اجازت بھی ہے، طبابت اور کتابت علماء کا پرانا فن ہے۔ علماء یہ دونوں سیکھا کرتے تھے کہ اگر معاش کا کوئی ذریعہ نہ رہے تو کتابت کر کے، کتابیں لکھ کر روٹی کما لیں گے۔ دوائیں بیچ کر روٹی کمائیں گے۔ یہ سب میں کر سکتا تھا باپ کی دعائیں تھیں ماں کی تمنا تھی میں نے اماں جی سے کچھ حالات پوچھے، بچپن میں بھی سناتی تھیں۔

فرمانے لگیں کہ تمہاری پیدائش سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ پورے شہر میں ہل چل مچی ہوئی ہے کہ مدینے والے کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں اور وہ لوگوں کو کچھ دے رہے ہیں۔ تو میں بھی گھر سے چلی اور انکی خدمت میں پہنچ گئی۔ میں نے دیکھا، انہوں نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہے۔ بڑا ڈیل ڈول ہے، سفید چادر ہے، میں نے اور کچھ نہیں کہا، السلام علیکم کہا، جواب دیا تو میں نے کہا کہ میں بھی حاضر ہوں کچھ مجھ کو بھی عطاء ہو۔ زبان سے فرمایا اچھا۔ تو پاس قرآن اور حدیث پڑے تھے قرآن دیا پھر حدیث کی کتاب مجھے دی، میں نے اور کچھ نہیں کہا میں دونوں کتابیں لے کر کے واپس چلی آئی پچھلی گرمیوں میں میں نے پوچھا کہ پھر آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر سمجھی؟ فرمانے لگیں پہلے تو کچھ خیال نہیں آیا لیکن جب تم پیدا ہونے کے بعد دو تین برس کے ہو گئے، تم نے قرآن پڑھنا شروع کیا کسی مکتب میں تمہیں بھیج نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ دور تھا پھر تم بڑے ہوئے تو ۱۹۳۴ء میں قرآن یاد کرنا شروع کیا۔ میں آپکو بتا دوں۔ سوا پارہ تو مجھے اب تک یاد ہے میں نے اماں جی سے اس سال بھی تصدیق کی میں نے بیہوشی کے عالم میں تین سال میں اماں جی سے پانچ پارے یاد کر لیے تھے اس کے بعد ابا جی کی "ریل اور جیل" کی وجہ سے اور ویسے بھی وہاں کوئی مدرسہ نہیں تھا جس محلہ میں پیدا ہوا۔ اگر اماں جی بیمار نہ ہوتیں تو میں دو، اڑھائی سال میں حفظ کر لیتا۔

فرماتی ہیں، تم نے قرآن حفظ کر لیا اور پھر جالندھر گئے حدیث پڑھنے کیلئے تب میرے دل میں خیال آیا کہ یہ وہی قرآن و حدیث ہے جو مجھے خواب میں ملا تھا۔ میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے آپکا وہ خواب پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز عطاء فرمائی، عمل بھی ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔ میں اسکو چھوڑ دوں تو معاذ اللہ قرآن کا کیا بگڑے گا، حدیث کو کوئی چھوڑ دے تو حدیث کا کیا نقصان ہو گا۔ اپنی عاقبت خراب ہو گی۔ یہ چیز اللہ نے مجھے نعمت کے طور پر عطاء فرمائی ہے میں قیامت

تک اسکا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ میں نے قرآن وحدیث اسی لئے پڑھا کہ تمام عمر اس کی تعلیم و تبلیغ میں صرف کردوں گا۔ میں سکول میں داخل ہوا تین سال بعد چھوڑ دیا، محلہ والوں نے، دوستوں نے کہا کہ شاہ جی کیوں اٹھا لیا تسی منڈے نوں؟ ابا جی فرمانے لگے کہ بھائی میں نے اسکو پولیس میں بھرتی نہیں کرانا۔ یہ میرا حلالی بیٹا ہے۔ اس کیلئے دعا کرو پڑھ جائے، عالم ہو، میں اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں، کافی ہے۔ ۱۹۳۴ء میں تو اچھی طرح ہوش میں تھے۔ اس کے قریباً ایک سال پہلے حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ مئی ۱۹۳۳ء اور صفر ۵۳ھ میں۔ جب میں محفل میں بیٹھتا تو تازہ تازہ صدمہ تھا، ہر محفل میں ابا جی امرتسر میں دہلی میں مسوری پہاڑ پر یہی کہتے دعا کرو اللہ اسکو انور شاہ کی گدی پر بٹھائے مجھے کیا معلوم میں نے سوچا کہ انور شاہ ہمارا کوئی رشتہ دار ہے۔ آخر ایک دن میں نے پوچھا۔ امرتسر سفر سے آئے تھے میں نے کہا ابا جی یہ انور شاہ کون ہے؟ جسکا آپ بار بار نام لیتے ہیں۔ ابا جی رو پڑے، کہنے لگے تمہیں کیا بتاؤں کہ کونسی دولت ہم سے چھن گئی ہے۔ اے کاش تم دیکھتے کہ آدمی کی شکل میں فرشتہ بیٹھا ہوا ہے۔ یہ بات میں نے حضرت درخواستی کے سامنے خانپور کے اجتماع میں بھی بیان کی تھی۔ جس کی یادیں اب تک باقی ہیں۔ وہاں بھی میں نے اپنا فرض ادا کیا تھا۔ کسی کو سمجھ میں آئی تو ٹھیک ہے۔ جسکو نہیں آتی اب بھی غور کرلیں بات میں نے ٹھیک کہی تھی اور اللہ کی توفیق سے کہی تھی۔

کہتا وہی ہوں جو ہونے والا ہوتا ہے اور میرا اللہ کہلواتا ہے۔ اب بھی کہتا ہوں جنہوں نے نہیں مانا ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ زندگی رہی تو اور ٹھوکریں کھائیں گے۔ بے دین لیڈروں کے بوٹ چاٹیں گے تو اپنی شناخت ختم کر بیٹھو گے۔ میں ایسے مولوی کو مولوی نہیں سمجھتا۔ اپنی اداء پر رہو، اپنے باپ دادا اور استاد کے نقش قدم پر رہو، اپنی جھونپڑی کو نہ بھولو، لوگوں کے محلات دیکھ کر پاگل نہ ہو جاؤ۔ [redacted] اب بھی اپنے کمرے میں زمین پر سوتا ہوں۔ مخملی گدوں کا لطف جانتا ہوں، قالینوں پر جوتوں سمیت چلنا مجھے بھی آتا ہے۔ حرام کی آمدنی سے پلاؤ کی پکی ہوئی دیگ میں بھی کھا سکتا ہوں۔ بڑے بڑے بے دین لیڈروں کی طرف سے "ویلکم"، "مرحبا" کی آوازیں میں بھی سن سکتا ہوں...... مگر میں اپنے ضمیر کو اور باپ کے خون کو کہاں لے جاؤں؟ جس ماں نے قرآن وحدیث خواب میں وصول کیا اور زندگی میں مجھے دے دیا اسکو کہاں پھینک دوں؟ میں نے اماں جی سے یہ بھی پوچھا کہ آپ نے انکو کیا سمجھا وہ کون تھے جنہوں نے آپ کو خواب میں قرآن وحدیث دیا؟ فرمانے لگیں پہلے تو توجہ نہیں تھی اب یہ کہتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔؟ کون مجھ کو قرآن وحدیث دے سکتا ہے؟ وہ وراثت تھی جو مجھے عطاء ہوئی۔ یہ ہے تمہاری وراثت، یہ ہے تمہاری دولت، اسکی حفاظت کرو..... اللہ کا کرم ہے جس نے وہ ماں باپ عطاء کیے جو سید تھے ماں باپ دادا کے حسنی حسینی سید ہونے میں مجھے شک نہیں۔ میرے اعمال تو برے ہو سکتے ہیں لیکن میں حلالی ہوں اور میری رگوں میں حسنی حسینی خون دوڑ رہا ہے میں انہی کے نقشِ قدم پر ہوں۔ قرآن وحدیث، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ ازواج واصحاب رسول علیہم الرضوان ہی میرے لیے توشۂ آخرت ہے۔

اقتباسِ خطاب جامع مسجد عثمان محلہ رحیم آباد خانپور ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ ۲۷ نومبر ۱۹۸۵ء

فیضانِ نظر

اجازت بیعت و عطاء خلافت از خانقاہ رائے پور

قطب الارشاد، مرشد احرار حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے جانشینِ امیر شریعت حضرت سید عطاء المنعم بخاری رحمہ اللہ کو اجازت بیعت اور خلافت عطاء فرمائی۔

حضرت اقدس کا ارشاد گرامی، حضرت مولانا انیس الرحمن لدھیانوی رحمہ اللہ کے ایک خط کے ذریعے موصول ہوا۔ یہ خط حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے نام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

از رائے پور، ضلع سہارنپور ۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء

مخدومی و مکرمی زادت مکارمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آں جناب بخیریت ہوں گے۔ احقر ۳ ستمبر ۱۹۶۱ء کو رائے پور حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت اقدس نے تمام حالات پوچھے۔ خصوصیت سے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال و جنازہ کی تفصیل دریافت فرمائی۔ میں نے تمام واقعات عرض کیے اور صاحبزادہ حضرت سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری کی دستار بندی کا ذکر بھی کیا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ غالباً ذیقعد ۱۳۸۰ھ کی بات ہے کہ میں رحیم یار خان سے واپسی پر ملتان حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت شاہ صاحب بے تکلف بات کر سکتے تھے۔ میں نے امیر شریعت سے عرض کیا تھا کہ آپ اپنی جگہ صاحبزادہ عطاء المنعم صاحب کو اجازت دیں، وہ آپ کے خلیفہ ہونا چاہیئں تو حضرت امیر شریعت نے بے تکلف فرمایا کہ یہ اجازت رائے پور سے ہونی چاہیئے۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ تو حافظ عطاء المنعم صاحب سے مطمئن ہیں؟ تو حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ "ہاں"...... میری اس ساری گزارش اور تفصیل کو سن کر حضرت اقدس نے ۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء اور یکم اکتوبر کی درمیانی رات کو نماز عشاء کے بعد فرمایا کہ ہماری طرف سے بھی سید عطاء المنعم کو اجازت ہے اور دو تین بار فرمایا۔

یہ عریضہ اسلئے لکھ رہا ہوں تاکہ اکابر و احباب کو اطمینان ہو جائے۔

حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ سید عطاء المنعم شاہ صاحب کو چاہیئے کہ وہ پابندی سے ذکر کرے، غفلت نہ کرے، میری طرف سے پھوپھی صاحبہ، حافظ عطاء المحسن شاہ، عطاء المومن شاہ، حافظ عطاء المہیمن شاہ صاحب کو سلام مسنون کہہ دیں اور یہ عریضہ دکھا دیں۔

والسلام انیس الرحمن لدھیانوی، حال وارد رائے پور ضلع سہارنپور

بخدمت گرامی: حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری

(ماہنامہ تبصرہ، لاہور، نومبر ۱۹۶۱ء)

منظور احمد بھٹی مرحوم

حافظ عطاء المنعم بخاری

ایک تعارف:

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے) کی شادی ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت شاہ جی کی سحربیانی مسجد کے وعظ تک محدود تھی۔ ۱۹۱۹ء میں خلافت کے دنوں میں انھوں نے عملی سیاسیات میں قدم رکھا اور پھر آفتاب کی ہر کرن ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ ۱۹۲۱ء میں حضرت شاہ جی (بہ سلسلہ تحریک خلافت، میانوالی جیل میں) اپنی پہلی اسیری سے لطف اندوز ہو رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلی لڑکی سے نوازا، گھر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔
شاہ جی جیل کی چار دیواری میں اللہ کی نوازش و عنایت کا شکر ادا کرنے کے لئے سر بہ سجود ہو گئے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔
شاہ جی خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ جس انسان سے کام لینا چاہتا ہے اس کو امتحان کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنایا کرتا ہے چنانچہ یہی ہوا، باپ کو بیٹی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور شاہ جی نے جیل میں ہی موت کی باد سموم سے اس نوخیز کلی کے مرجھانے کی خبر سن لی۔ شاہ جی نے ایک صابر و شاکر انسان کی طرح اپنے مولا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور شکوہ و شکایت کا ایک لفظ بھی ان کی گفتار کو آلودہ نہ کر سکا۔
اس کے بعد شاہ جی کے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں لیکن وہ بھی یکے بعد دیگرے اللہ کو پیاری ہو گئیں۔
۱۹۲۶ء میں جب ملک میں راجپال کی دریدہ دہنی کے چرچے تھے اور حضرت شاہ جی دن رات ناموسِ رسالت کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ اور تڑپ پیدا کر رہے تھے، حکومت نے ملک بھر میں جلسوں کے انعقاد کو جبراً بند کر دیا تھا، شاہ جی کے شب و روز عجیب جدوجہد میں گزر رہے تھے۔ حکومت ان کو گرفتار کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔ انہی دنوں اللہ تعالیٰ نے عطاء المنعم کے روپ میں شاہ جی کے گھر میں ایک چراغ روشن کیا جس سے شاہ جی کے قلب و نظر جگمگا اٹھے۔
حضرت شاہ جی انگریزی تعلیم و تہذیب کے سخت خلاف تھے۔ وہ انگریز کی ہر چیز سے متشددانہ نفرت کرتے تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت سے ان کی بغاوت اس لئے بھی تھی کہ یہ نبوت انگریز کی مصلحتوں کی پیداوار تھی۔ شاہ جی جو بات کہتے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ عطاء المنعم جب چلنے پھرنے اور بات کرنے کے قابل ہوئے تو انہیں خود دینی امور سے واقف کرایا، والدہ نے قرآنی آیات سے روشناس کرایا۔ اور پھر انہیں خیر المدارس جالندھر میں تحصیل علم کے لئے داخل کر دیا۔ باپ عاشق رسول ﷺ اور وقت کا سب سے بڑا خطیب، ماں قرآن شناس اور اسلامی تعلیمات میں ڈھلی ہوئی۔ اور مدرسہ خیر المدارس کے پیکر علم

و عمل اساتذہ کرام کی مشفقانہ درس و تدریس نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ عطاء المنعم حافظِ قرآن، فقہ، حدیث تفسیر اور فلسفہ کے بحرِ ذخار میں ڈوب کر ابھرے اور کندن بن کر نکلے۔

عطاء المنعم کی شکل و صورت کے اعتبار سے تو حضرت امیر شریعت کی تصویر ہیں ہی لیکن علم و عمل کے میدان میں بھی شاہ جی کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں۔ شاہ جی تو خیر مسلمانانِ عالم کے لئے ہی سرمایہ افتخار تھے لیکن حافظ عطاء المنعم خوش قسمت ہیں کہ شاہ جی کو حافظ جی پر ہمیشہ نازرہا ہے۔

حافظ عطاء المنعم کو شروع سے ہی علم و ادب سے والہانہ عشق رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ملتان میں "نادیۃ الادب الاسلامی" کے نام سے ایک ادبی ادارہ کی تشکیل کی اور اس ادارہ کے زیر اہتمام سہ ماہی "مستقبل" جاری کیا۔ مستقبل کی تحریروں میں ابو الکلام آزاد کا بانکپن۔ ظفر علی خاں کی شاعری، مولانا محمد علی جوہر کا جذبہ اور حضرت امیر شریعت کا عشق جھلکتا تھا۔ لیکن افسوس کہ مالی مشکلات نے اس قیمتی جریدہ کی جان لے لی۔

اس کے باوجود حافظ صاحب کا جذبہ سرد نہیں ہوا۔ انہوں نے ختم نبوت اور دیگر مسائل پر بعض قیمتی کتابچے تحریر کئے اور اس طرح اس مشن کی تکمیل میں حصہ لیا جس نے امیر شریعت کی زندگی کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

حافظ عطاء المنعم ایک سلجھے ہوئے شاعر اور ایک منجھے ہوئے اہلِ قلم ہیں۔ ان کے شعروں میں ایک مقصد، ایک تڑپ اور ایک جذبہ رقص کرتا ہے اور ان کی تحریروں میں شگفتگی اور پاکیزگی جھلکتی ہے۔ تقریر کے میدان میں بھی حافظ جی بڑے بڑوں کے کان کترتے ہیں۔ وہ گھنٹوں بے تکان بولتے چلے جاتے ہیں اور سامعین کو بیان کی شگفتگی سے مسحور کئے رکھتے ہیں۔

آجکل حافظ صاحب مدرسہ خیر المدارس ملتان میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ شاہ جی کی وفات کے بعد ان کے مرشدِ طریقت حضرت رائے پوری مدظلہ العالی نے حافظ عطاء المنعم صاحب کو بیعت لینے کی اجازت عطاء کر دی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ جی کو یہ بارگراں اٹھانے کا اہل بنائے اور وہ اس مشن کو پورا کر سکیں جس کے لئے حضرت امیر شریعت عمر بھر جدوجہد کرتے رہے۔

(بشکریہ ماہنامہ تبصرہ لاہور نومبر ۱۹۶۱ء)

سید عطاء المحسن بخاری

سید ابوذر بخاری ...... اک ضربِ ید اللّٰهی!

۲۴ اکتوبر کو سورج گرہن تھا۔ "جدید دانش" والے دور دور سے سورج کا مجروح چہرہ دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو رہے تھے لیکن کچھ دل افسردہ، چہرے پژمردہ آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ترشِ خاک پر گرا رہے تھے، سسکیاں لے رہے تھے، غم واندوہ سے نڈھال ہو رہے تھے، رنج و حزن کی مجسم تصویر بنے ہوئے تھے۔ دیکھنے والوں نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ غم میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی چیخیں ہی تو نکل گئیں۔ فقط بات سے رندھی ہوئی آواز میں کہا...... آج رات ہمارا چاند گہنا گیا ہے۔ اسکا روشن چہرہ دیکھنے کے لیے ہم غم کے مارے آگئے ہیں۔ آج مجلس احرار کے سرخ پھریرے کی سرخی بجھی بجھی ہے۔ آج امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے جانشین، فکر صحابہ کے امین و وارث، ہم سب کو چھوڑ کر ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر اللہ سے جا ملے ہیں۔ آج سید ابو معاویہ ابوذر بخاری (نور اللہ مرقدہ) اپنے اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ آج حضرت بخاری (رحمہ اللہ) اپنی اصل (مٹی) کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ آج "شاہ جی" امر ہو گئے ہیں۔ آج "حافظ جی" اللہ جل شانہ کی رضا پر راضی ہو گئے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کو مقام صحابہ، قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں سمجھانے والا خود ایک سمجھ نہ آنے والی دنیا میں چلا گیا ہے۔ وہ وہاں چلا گیا ہے جہاں سے لوٹ کر کبھی کوئی نہیں آیا۔ وہ امرتسر (کٹڑہ مہاسنگھ) میں ۱۳ دسمبر ۱۹۲۶ء میں وہیں سے آئے تھے اور ۲۴ اکتوبر ۹۵ء میں پھر وہاں جا پہنچے ہیں۔ بہت لمبا سفر کیا۔ بہت منزلیں طے کیں۔ حضرت قاری کریم بخش رحمہ اللہ سے امرتسر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ اور ۱۹۴۰ء میں نو [redacted] کی عمر میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں چلے گئے۔ استاذ گرامی حضرت مولانا خیر محمد نے استقبال کیا۔ اور ان کے والد سے فرمایا

"ہم میاں بیوی نے تو اللہ سے مانگ کر آپ کا یہ بیٹا لیا ہے، یہ اور کہیں نہیں جا سکتا"

تقسیم کے بعد جب خیر المدارس جالندھر سے ملتان منتقل ہوا تو اس نقل مکانی اور افراتفری کی ملکی تقسیم نے ان کا ایک تعلیمی سال ضائع کر دیا۔ چنانچہ ۴۸ء میں سندِ حدیث ملی۔ آپ نے علم وادب اور تاریخ کو اپنا پسندیدہ موضوع بنایا اور عمر بھر مطالعۂ کتب میں غوطہ زن رہے۔ صحافت، شاعری، افسانہ، مطالعۂ مذاہب، تقریر، بیان، تفسیر، علم لغت، علم الانساب ...... سروادیٔ سخن اور ہر میدان علم میں جوہر دکھائے اور ہمعصروں سے داد پائی۔ سہ ماہی مستقبل، سہ روزہ مزدور، روزنامہ آزاد، روزنامہ نوائے پاکستان اور پندرہ روزہ الاحرار کی فائلوں میں ان کی تلخ نوائی دیکھی جا سکتی ہے اور ان کے بانکے قلم کی پھبن دیکھی جا سکتی ہے

مدرسہ حریت اسلامیہ، مدرسہ احرار الاسلام اور مدرسہ خیر المدارس ملتان میں تدریس کی۔ ان کے شاگردوں میں بہت سے نامور علماء ہیں۔ جو مختلف مدارس میں تدریس میں مصروف ہیں۔ دینی مدارس کے نصاب تعلیم

کے بارے میں جس تبدیلی کے لئے انہوں نے ۱۹۵۶ء میں کوششوں کا آغاز کیا تھا وفاق المدارس اب اس نہج پر سوچ رہا ہے۔ مدارس عربیہ کی نشاۃِ ثانیہ شاہ ولی اللہ کی فکر کی روشنی میں...... انکی زبردست خواہش تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے......

"شاہ ولی اللہ سے عطاء اللہ شاہ رحمہما اللہ تک مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے جدوجہد کرنے والوں کا ایک عظیم سلسلہ ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نقش اول کی اساس پر قائم ہے۔ اگر ہم لوگ اس سلسلے کو بقا وارتقاء کی منزلوں تک پہنچائیں تو اس عہد میں یہ نقشِ ثانی ہوگا۔"

کاش ہماری یہ حسین تمنا بر آئے اور ہم تمناؤں کے اس شاہکار کو دیکھ پائیں۔

مگر، ام للانسان ماتمنیٰ (کیا انسان کی تمنائیں بھی پوری ہوئی ہیں؟) پاکستان کی تاریخ میں وہ پہلے آدمی تھے جنھوں نے جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنے والے علماء کی سیاسی رائے سے بھرپور اختلاف کیا اور فتنۂ جمہوریت کے مشرکانہ برگ و بار سے قوم کو خوب خوب آگاہ کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"بعض فریب خوردہ علماء اور جماعتیں برسوں تک ہماری غریب جماعت مجلس احرار اسلام کا حسبِ سابق مذاق اڑاتے رہے اور ہمارے ساتھ اس بحث میں مصروف رہے کہ آپ پہلے جمہوریت بحال کرالیں پھر اسلام آجائے گا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ اسلام کو جمہوریت کی چادر میں لپیٹ کر لانے والو! تم نے دس سال تک جمہوریت کے نام پر اسلام کو رسوا کیا، اسلام نہیں آیا۔ پھر دس سال تک جمہوریت کو ڈکٹیٹر شپ کی گود میں پالنے والوں نے ڈکٹیٹری کا بیوپار کیا۔ جمہوریت تو نہ آئی مگر ڈکٹیٹر شپ آگئی۔ پھر ڈکٹیٹر شپ کو ہٹانے کے لئے ایک اور ڈکٹیٹر آگیا۔ صدارت بھی گئی اور جمہوریت بھی......! اسلام پھر یتیم اور مظلوم......!

بد نصیب ہیں وہ علماء، وہ دینی جماعتیں اور انکے سیاسی لیڈر جو اسلام کی بجائے جمہوریت کا پرچم اٹھاتے پھرے، قیادت کا راگ الاپتے رہے لیکن مسلمانوں کی قدر مشترک، اجتماعیت کے نشان اور مرکزیت کی علامت "ختم نبوت" کے لئے ان کو اکٹھا ہونا یاد نہ رہا۔ آج وہ اپنی آنکھوں سے جمہوریت کا حشر دیکھ چکے۔ انہوں نے پہلے جمہوریت کے نام پر اسلام کو برباد کیا۔ پھر ڈکٹیٹر شپ آئی اور ڈکٹیٹر شپ کے بعد اب پھر جمہوریت کا راگ الاپا جارہا ہے۔

آج سن لو! جب تک اسلام کو اسلام کے نام سے نہیں لایا جائے گا۔ اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں، کوئی کافرانہ جمہوریت، امریکی صدارتی نظام، برطانوی پارلیمانی نظام، کسی ماؤ، لینن وسٹالن کا کفریہ نظام سوشلزم اور کمیونزم، اسلام کو نہیں لاسکتا۔ اسلام اپنے نام سے آئے گا اور کفر اپنے نام سے۔ جب تک اس سیاسی ناٹک اور فریب کا پردہ چاک نہیں کیا جائے گا، یہ مغالطہ ختم نہیں کیا جائے گا، مداریوں کی ان پٹاریوں کو کھول کر عوام کے سامنے عریاں نہیں کیا جائے گا، جب تک آپ کی قوتِ فکر و عمل ایک نہیں ہوگی، تمام مکاتبِ فکر اسلام کے دستور پر اکٹھے نہیں ہوں گے، اسلام نہیں آئے گا۔

جب تک آپ ختم نبوت کے بین الافاقی و بین الاقوامی مشترکہ مقصد کے تحت متحد ہو کر کفر پر

ضرب کاری نہیں لگائیں گے، اس ملک میں کیا دنیا میں کسی بھی جگہ اسلامی انقلاب نہیں آسکتا۔ آپ لکھ رکھیں، آپکی مساجد باقی نہیں چھوڑی جائیں گی، مدارس چھین لئے جائیں گے۔ بخارا اور تاشقند کی یاد تازہ کرنے کا پروگرام آؤٹ ہو چکا ہے۔ مولویوں کی لاشیں حجروں سے برآمد کی جائیں گی۔ سب کچھ دھیرے دھیرے لایا جا رہا ہے۔ جنہوں نے انہیں سنا وہ سن لیں اور جو سن کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہیں وہ سوچ لیں۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ کل اگر تم پر کوئی مصیبت اور عتاب آیا تو ہم جس طرح پہلے اس مسئلہ میں پاک دامن تھے آئندہ بھی ہمارا دامن ان اعتراضات سے پاک ہوگا۔"

(خطاب شرکاء جلوس، احرار کانفرنس چنیوٹ، ۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء)

آپ پاکستان کو پنجابی، سندھی، بلوچی اور سرحدی انگریزوں اور جاگیردار اشرافیہ سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ آپ نے اس عظیم کام کے لئے ۱۹۶۹ء میں "عوامی اسلامی متحدہ محاذ" بنایا اور خود کوئی عہدہ لینے سے انکار کر دیا۔ آپ کی جدوجہد تھی کہ پاکستان یورپ کے اندھے مقلدوں کے نرغے سے نکل جائے۔ ان کے نزدیک یہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک دینی قوتیں متحد ہو کر ضرب یداللّٰہی نہیں بن جاتیں!"

حضرت سید ابوذر بخاری آج ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا پڑھایا ہوا سبق...... جو جذبہ صدیقی، درۂ فاروقی، انفاقِ عثمانی، قضاء علی، تدبر حسنی، غیرتِ حسینی اور حلمِ معاویہ رضی اللہ عنھم سے عبارت ہے..... ہم میں موجود ہے، یہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

✪

مجلس احرار اسلام پاکستان

پس منظر۔ پیش منظر

مجلس احرار اسلام کے تعارف، عزائم اور مقاصد پر مشتمل اہم پمفلٹ رکنیت سازی مہم کے موقع پر نئے احباب کو پیش کرنے کے لئے ایک خوبصورت تحفہ

قیمت -/300 روپے فی سینکڑہ

ملنے کا پتہ: دفتر مجلس احرار اسلام

بیت التعیق، 27 سلطان احمد روڈ، اچھرہ، لاہور۔ فون: 7560450

مولانا عبدالحق چوہانؒ

حمیّت اسلامی کا پیکر

جس بستی اور ماحول میں ہم نے حیات شعور میں قدم رکھا وہ زمانہ قدیم سے ایک علمی خاندان کا مسکن اور گہوارہ تھا۔ جسکی بنیاد ہمارے مورث اعلیٰ مولانا علی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکھی۔ جس وقت ہم نے ہوش سنبھالا اس وقت امتداد زمانہ اور مرور ایام کے باعث علمی آثار رو بہ زوال تھے۔ البتہ تصلب دینی کی گرفت قدرے موجود تھی۔ ہمارے اس خاندان میں مولانا صالح محمد صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ دو ایسی شخصیات تھیں کہ جنکو حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا انہی حضرات کے باعث حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بستی کو اپنے قدوم میمونہ سے نوازا تھا۔ حضرت امیر شریعت کی وفات کے بعد ان حضرات نے آپ کی باقیات صالحہ اولاد سے بھی بدستور تعلق قائم رکھا۔

مولانا صالح محمد صاحب نے جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ الباری کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو دعوت پیش کی۔ جانشین امیر شریعت نے اپنے مشاغل اور قلت وقت کی بنا پر دعوت کی قبولیت سے معذرت کا اظہار کیا۔ لیکن وہ اپنے اصرار پر بدستور قائم رہے۔ ایک دفعہ مولانا صالح محمد صاحب نے آپ کی خدمت میں احقر کو خط تحریر کرنے کا حکم دیا اور خط کے سرنامہ پر خواجہ شیراز کا یہ شعر تحریر کرایا

دست از طلب نہ دارم تاکام من برآید
تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

۱۹۶۵ء میں رحیم یار خان میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جسکے مہمان خصوصی جانشین امیر شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ آپ کے قیام کا انتظام جامعہ قادریہ میں تھا اور جلسہ کا انتظام غلہ منڈی میں۔ آپ جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور مسلسل پانچ گھنٹے تقریر کی۔ تقریر کیا تھی ایک علمی سیل رواں تھا۔ میں نے پہلی دفعہ آپ کا مفصل خطاب سنا۔ اسی خطاب سے ہمیں اس حقیقت کا علم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عم محترم کا نام زبیر تھا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی تھی۔ اور ساتھ ہی زبیر بن عبدالمطلب کا یہ شعر بھی آپ نے پڑھا

"محمد بن عبدم عشت بعیش انعم"

قرآن مجید میں محارم عورتوں کا بیان ہے۔ اس کے پس منظر کی وضاحت میں آپ نے "مزدک ایرانی" کی الحاد انگیز تحریک کا تذکرہ کیا اور ایرانی معاشرہ پر اس تحریک کے اثرات کی وضاحت کی۔ اختتام تقریر پر مولانا صالح محمد صاحب نے اپنا دیرینہ مطالبہ دہرایا۔ اس کے بعد رحیم یار خان میں مجلس احرار کے قیام کی تحریک کا آغاز ہوا۔ حافظ محمد اکبر نے آپ کے ساتھ رابطہ قائم کیا تو آپ نے انہیں خان پور میں نور احمد

باغی مرحوم اور بستی مولویان میں مولانا صالح محمد صاحب سے رابطہ قائم کرنے کا حکم دیا - حافظ صاحب نے باغی صاحب اور مولانا صالح محمد صاحب سے رابطہ کیا - اس کے بعد ہماری بستی مولویان میں جماعت کی تشکیل ہوئی - جماعت کی تشکیل کے اس موقعہ پر یہ حضرات تشریف لائے - حافظ محمد اکبر اعوان ، مستری محمد صدیق صادق آبادی اور مولوی برکت اللہ جالندھری - علاقہ میں جماعت کا تعارف کرایا گیا اور باضابطہ جماعت کے فارم پر کرائے گئے - جماعت کی اس تحریک سے بعض مدعیان وارث منبر ومحراب متقشع جبہ پوشوں کو پریشانی لاحق ہوئی ، انہوں نے سازش کے دو دھارا خنجر کو اس طرح چلایا کہ جانشین امیر شریعت کی خدمت میں جا کر اپنے جذبہ خیر خواہی کا اظہار اس انداز میں کیا کہ جو لوگ آپ کی جماعت کے فارم پر کرانے کی تحریک چلا رہے ہیں یہ بریلوی مسلک سے منسلک ہیں اور علاقہ میں خلاف حقیقت مبنی بر کذب و افتراء اس بات کی تشہیر کی کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کی اولاد باپ کی نافرمان اور عاق تھی - لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ کذب و افتراء کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی - اس لئے حاسدین کی یہ دروغ بیانی غیر مؤثر ثابت ہوئی - علاقہ میں جماعت کا تعارف ہوا اور فارم پری ہوئی اور ان پر شدہ فارموں کو ملتان پہنچانا میرے ذمہ لگا - جس دن یہ فارم لے کر میں ملتان حاضر ہوا ، جمعہ کا دن تھا اور صوفی نذیر احمد (سٹینڈرڈ بیکری والے) کی دکان پر شام کو ملاقات ہوئی - اس وقت ان کی دکان سابق "مشرقی دواخانہ" کے مقابل واقع تھی - میں نے فارم پیش کئے اور ساتھ ہی صحابہ کے موضوع پر گفتگو ہوئی - آپ نے مجھ سے پہلا سوال یہ کیا کہ تو پڑھا ہوا ہے کہ نہیں ؟ میں نے عرض کیا زیادہ تو نہیں البتہ اتنی تعلیم ضرور ہے کہ آپ کی بات سمجھ جاؤں گا - آپ نے مختصر اور جامع گفتگو فرمائی اور ساتھ ہی "تذکرہ یاران" اور "براءت عثمان" دو رسالے عنایت کئے کہ ان کا مطالعہ کرو - رات کو میں اپنی قیام گاہ پر چلا گیا - میرا قیام اس وقت مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس مولانا عزیز اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا - جو میرے مربی و محسن اور رشتہ میں حقیقی ماموں تھے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا عبد الخالق رحمہ اللہ تعالیٰ (بانی دار العلوم کبیر والہ) کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے - اور صبح کو پھر حاضری دی اور دو تین دن مسلسل صوفی نذیر احمد صاحب کی دکان پر شبینہ مجلس میں حاضر ہوتا رہا - اس مجلس میں چودھری نواب علی صاحب مرحوم خاص طور پر موجود ہوتے تھے - میں نے علاقہ میں دورہ کرنے کے لئے عرض کیا - آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں ضرور ہی آؤنگا ، پھر ۱۹۶۷ء میں پہلی دفعہ آپ بستی مولویاں میں تشریف لائے - اس وقت آپ کے ساتھ مرزا جانباز مرحوم اور مولوی غلام مصطفیٰ بہاولپوری تھے - ۱۹۶۷ سے ۱۹۹۵ء تک اس ذات منبع علم و عرفان سے تعلق رہا - جلوت و خلوت میں یکسانیت ، میں نے ان کی خصوصیت دیکھی - ان کی محفل ہائے علم سے ہمیں مقام صحابہ کی آئینی حیثیت معلوم ہوئی - فضائل صحابہ ایک عام موضوع ہے - لیکن شریعت مطہرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آئینی حیثیت کیا ہے ؟ اس کا بیان جانشین امیر شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوا - حمیت اسلامی کا جذبہ ان کے ضمیر اور روح میں بدرجہ اتم موجود تھا - علماء وقت کی سیاست سے حضرت شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اسی بنا پر اختلاف تھا - ہمارے علماء کی سیاست کا محور و مرکز جمہوری اقدار

کا احیاء ہے اور سیاست کے اس لادین اصول کی آمیزش کی بناء پر وہ ایک حیا باختہ عورت کی قیادت کو تسلیم کرتے ہوئے حکومتی مناصب پر متمکن ہیں۔(۱) حالانکہ نظام جمہوریہ ایک کافرانہ نظام حکومت ہے۔ جسکو شرعی سیاست سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ حضرت شاہ جی کو علماء کے اس قول و عمل کے تضاد سے اختلاف تھا۔ ۱۹۷۳ء میں جب جمہوری محاذ کی تشکیل عمل میں آئی تو مجلس احرار اسلام نے بھی ابتداء میں اس میں شرکت قبول کی۔ چنانچہ ۲۶ مارچ کو جمہوری محاذ کے نائب صدر نواب زادہ نصر اللہ خان کی زیر صدارت اجلاس ہوا جس میں مسلم لیگ، جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی، خاکسار تحریک اور مجلس احرار اسلام کے نمائندے شریک ہوئے۔ اور صوبائی تنظیم کے عہدیداروں کا انتخاب متفقہ طور پر عمل میں آیا۔ خواجہ صفدر صدر، صاحبزادہ سید محمود گجراتی اور مولانا عبید اللہ انور نائب صدر، پیر محمد اشرف جنرل سیکرٹری، رانا نذر الرحمن سیکرٹری رابطہ کمیٹی اور مخدوم زادہ سید حسن محمود چیئرمین مالی کمیٹی منتخب کیے گئے۔ مجلس عمل ڈاکٹر محمد باقر، چودھری ثناء اللہ

بھٹہ اور سید گردیزی پر مشتمل ہوئی۔ مجلس احرار اسلام نے اس محاذ میں اپنی شرکت اس شرط پر مشروط رکھی کہ اس تحریک میں مسئلہ ختم نبوت کو پروگرام میں شامل کیا جائے۔ لیکن لادین سیاست دان اور ان کے پیروکار مشیر علماء کے نزدیک یہ عائد کردہ شرط چونکہ نظام جمہوریہ کے نفاذ کے خلاف تھی اس لئے لادین سیاست دانوں اور ان کے ہمنوا علماء نے اس شرط کی مخالفت کی۔ اس بناء پر مجلس احرار اسلام جمہوری محاذ سے علیحدہ ہو گئی۔ چنانچہ روزنامہ امروز لاہور شمارہ نمبر ۴۶ بروز منگل ۳۱ جولائی ۱۹۷۳ء میں خبر شائع ہوئی۔

''مجلس احرار اسلام کی پریس ریلیز کے مطابق مجلس احرار کے صدر مولانا عبید اللہ احرار نے اپنے بیان میں کہا کہ مجلس احرار اسلام نے وسیع تر ملکی مفادات کے پیش نظر متحدہ جمہوری محاذ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ مگر متحدہ محاذ نے پچھلے کچھ عرصہ سے مرزائیوں کی مبینہ طور پر بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا اور مسئلہ ختم نبوت کو اپنے پروگرام میں شامل کرنے میں ناکام رہا۔ اس لئے مجلس احرار نے متحدہ جمہوری محاذ سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی جماعت کی شاخوں اور کارکنوں کو ہدایت کی ہے کہ متحدہ جمہوری محاذ کی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیں۔ اور اپنے جماعتی منشور کے مطابق عمل کرتے رہیں۔''

متحدہ جمہوری محاذ سے مسئلہ ختم نبوت اور مرزائیت کی بنیاد پر مجلس احرار اسلام کی علیحدگی، جمہوری محاذ میں شامل مذہبی عنصر کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ثابت ہوئی۔ ان مذہبی عناصر میں سے ایک قد آور شخصیت نے جماعت سے اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کے لئے جماعت کو دولخت کرنے کی مذموم کوشش کی۔ شاہ جی کے تدبر کے باعث اس کی سازش سے چند منفعل ذہنوں کے سواء کوئی بھی معتد بہ شخصیت متاثر نہ ہوئی۔

---

(۱) یہ مضمون جنوری ۱۹۹۶ء میں تحریر کیا گیا۔ تب پیپلز پارٹی کی حکومت تھی اور بھٹو کی بیٹی وزیرِ عظمیٰ تھی جب کہ ''علماء حق'' کی جماعت جمعیت علماء اسلام جمہوری سیاست کی وجہ سے حکومت کی حلیف تھی۔ (مدیر)

اسی حمیت اسلامی کا اظہار آپ نے اس تاریخی جلسہ کے خطاب میں بھی کیا جو کہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مدرسہ مخزن العلوم خان پور کے فضلاء کرام کی دستار بندی کے لئے منعقد کیا تھا۔ یہ تاریخی اجتماع ۲۔۳۔۴۔ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ کو منعقد ہوا۔ اس خطاب میں بھی آپ نے اسی جمہوری محاذ کے حوالہ سے یہ بات فرمائی۔

"میں لاہور کی وہ سیاسی میٹنگ نہیں بھول سکتا جس میں جمہوریت کے علم برداروں نے ہمارے علماء کی موجودگی میں ہماری غریب جماعت کے ایک نمائندہ کو یہ جواب دیا تھا "کہ ختم نبوت کا مسئلہ بیان کرنا ہے تو لاؤ میں موچی گیٹ میں تمہیں ایک اسٹیج بنا دیتا ہوں۔" اس بدھو کو معلوم نہیں تھا کہ اسٹیج تو ہم نے ہی تمہیں اتمان زئی تک بنا کر دیئے تھے۔ تم کون ہو ہمیں اسٹیج بخشنے والے، کیا پدی کیا پدی کا شوربا؟ اور ساتھ یہ خرافات بھی بولی تھی کہ "ہم تو جمہوریت کی بحالی کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ہم یہاں پر لوگوں کو ختم نبوت کے نام پر کافر بنانے کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے۔" بات سمجھئے دوست اور دشمن میں امتیاز ضروری ہے۔"

اس جلسہ کے بعد حضرت شاہ جی کو کندھ کوٹ سندھ کے مولوی عبدالعزیز نامی نے اپنے مدرسہ کے جلسہ کی دعوت دی۔ حضرت شاہ جی نے ہم رحیم یار خان کے علاقائی ساتھیوں کو حکم دیا کہ فلاں تاریخ کو کندھ کوٹ میں جلسہ ہے جس میں مجھے شرکت کی دعوت دی گئی ہے تم نے وہاں ضرور پہنچنا ہے چنانچہ مقررہ تاریخ پر میں مولوی بلال احمد چوہان، برادرم اللہ بخش، علی محمد اور فقیر اللہ وہاں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر ہم نے تعصب کا ایک عجیب منظر دیکھا۔ شاہ جی کی شرکت کے باعث جمعیت کے بعض علماء نے جلسہ کا بائیکاٹ کیا۔ نصراللہ لغاری توحید آباد والے کو سب سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس شاہ کو تم نے کیوں بلایا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ اللہ کی زمین نصراللہ کی ذاتی جاگیر ہے۔

شاہ جی نے اسی حمیت اسلامی کی بنیاد پر مقام صحابہ کے بیان کو اپنے تبلیغی مشن کا محور و مرکز قرار دیا تھا۔ قرآن، حدیث، اور سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہوں نے تعمق و دقت نظر سے مطالعہ کیا۔ ان کے نزدیک صحابہ کے معیار حق ہونے کا ماخذ یہی اصول ثلاثہ تھے۔ ان ہی اصول سے مستنبط اور اخذ کردہ مقام صحابہ کی نشر و اشاعت میں انہوں نے اپنی حیات مستعار کے لمحات طیبات کو صرف کر دیا۔ سنی معاشرہ پر سبائیت کے لاشعوری اثرات کے باعث بعض جلیل القدر صحابہ کے اسماء گرامی ان کی اسلامی خدمات اور اشاعت دین میں ان کے مجاہدانہ کارناموں کو تقریر و تحریر سے کلیتہً غائب کر دیا گیا ہے۔ ان جلیل القدر صحابہ میں سے خاص طور پر سیدنا ابو عبدالرحمن، ابو یزید، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ذات ستودہ صفات کو پس پردہ کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ حضرت شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اہل سنت کی اس غفلت شعاری کا پوری طرح احساس تھا۔ اس لئے آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور ان کی مدبرانہ سیاست کے بیان کو تبلیغ دین میں ایک خاص اہمیت دی اور اس دھرتی پر سب سے پہلے "یوم معاویہ" منانے کی داغ بیل

ڈالی۔ اہل سنت کی اس غفلت پر "الاحرار" کے ایک اداریہ میں اپنے افسوس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔
"حقانیت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حقیقتاً قدیم بنیادی اسلامی عقیدہ ہے۔ مگر رافضیت و سبائیت کی سازش تخریبی، تبلیغ اور جبری تسلط اور اہل سنت کی صدیوں پرانی غفلت، فرقہ بندی اور مرعوبیت و مغلوبیت کے باعث یہ بنیادی اسلامی عقیدہ اور اہم ترین قومی موضوع و معاملہ قوم کی تعلیم و تبلیغ اور تقریر و تحریر سے غائب ہو گیا۔ اس کا انتہائی باعث حیرت اور موجب و تشویش پہلو یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے خاندان اور صحیح پیرو کار و جانشین اکابر دیوبند جو برصغیر میں اہل حق کے سب سے بڑے نمائندہ سمجھے اور تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کے حلقہ ہائے تقریر و خطابت اور ذخیرۂ تحریر و اشاعت میں بہت سے موضوعات پر اور بہت کچھ شائع ہے۔ لیکن حقانیت امیر شام رضی اللہ عنہ جیسے ذریعہ دفاع و تحفظ ناموس ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے متعلق قریباً سوا سو سال تک چند صفحات پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ بھی زیر تالیف اور منظر عام پر نہیں آیا۔ اس سلسلہ میں اختلافات صحابہ کے مسئلہ پر قطعی بے ضرورت، وقتی احتیاط۔ حق کے اظہار سے ایک مستقل اجتناب و احتراز کی شکل اختیار کر گئی اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے دین سے علمی ناوابستگی اور عملی انحطاط کے ایک مستقل سبب کے تحت اسے فکری و عملی لحاظ سے معاذ اللہ دین سے ہی بے تعلق اور ناقابل توجہ مسئلہ سمجھ کر متروک بنایا نتیجتاً سبائیوں رافضیوں کے پرانے اسلام دشمن منصوبہ اور ان کے یہودیت آمیز دلی منشاء کے عین مطابق اصحاب و ازواج رسول علیہم السلام کے اسماء گرامی عموماً اور خصوصاً سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نامی و ذکر سامی مسلمانوں کے گھروں، ان کی گفتگوؤں، تقاریر و خطبات، اکثر مروجہ تحریرات و تالیفات سے اور اسی کے زیر اثر مسلمانوں کی معاشرۃ سے نکل گئے اور عرصہ دراز سے جاری اس سراپا جرم و عذاب و غفلت اور مداہنت کے باعث لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان چند مشہور نامور ترین اکابر اسلام کو چھوڑ کر اکثر صحابہ کے حالات تو کجا ان کے نام تک سے بالکل ناآشنا، ان کے شرعی منصب و حیثیت سے بے خبر اور ان کے ناقابل فراموش اور لائق تقلید کارناموں سے غافل اور اجنبی ہو کر رہ گئے۔ حد یہ ہے کہ حالیہ تہائی صدی میں تحقیق و تبلیغ مقام صحابہ اور بیان و تشریح سیرۃ صحابہ خصوصاً سیرۃ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرنے پر دیوبندی و بریلوی سنیوں حنفیوں کے مدارس سے وابستہ اکثر مبتدی اور بہت سے منتہی طلبہ تک مجھ سے اکثر یہ پوچھا کرتے تھے کیا امیر معاویہ فی الواقعی صحابی اور کاتب وحی تھے؟ آپ جو کچھ ان کے حالات بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہاں اور کس کتاب میں لکھا ہوا ہے؟ وغیرہ خرافات۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق خاص اور ان کے خصوصی فضل کرم کے ساتھ جب میں نے کئی چھوٹے اور غیر اہم بلکہ مسلسل تجربہ و مشاہدہ کے مطابق نتیجتاً غلط اور نقصان دہ ثابت ہونے والے موضوعات کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور توحید و ختم نبوت کے بعد تحفظ ناموس ازواج و اصحاب رسول خصوصاً بیان و تحفظ مقام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دین کے حقیقی موروثی اور اجماعی مفہوم کے مطابق زندگی کا اصل مقصد و مدعیٰ بنایا اور زبان و قلم کی امکانی بھرپور کوشش کے ساتھ شب و روز اس کی تبلیغ و تشریح شروع کی تو بالکل فطری و طبعی رد عمل کے طور پر شیعہ سے زیادہ دینی علم سے بے بہرہ اور رافضیت کے گیارہ سو سالہ

شیطانی پروپیگنڈے کے شکار نام نہاد سنیوں میں بڑا ہیجان پیدا ہوا تب بڑے حسن تدبر اور احتیاط و اعتدال کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کا امتحان دینا پڑا۔" (الاحرار شمارہ ۳/۱۴ج نمبر ۱۹۔ ۲۴ تا ۲۵ شوال ۱۴۰۹ھ)

حضرت شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اہل سنت کی اس غفلت شعاری پر اظہار تاسف اور غم بلاوجہ نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے حلقہ میں بعض جبہ پوش علماء سبائی روایات سے اس قدر بری طرح متاثر ہیں کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تو کجا محض خلیفہ تسلیم کرنے پر بھی راضی نہیں جمعیت اشاعت التوحید کے رکن سید لعل شاہ بخاری اپنی مذموم کتاب "استخلاف یزید" میں تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا اور جملہ صحابہ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔ لیکن حضرت معاویہ کی خلافت میں تلوار دخیل تھی۔ حضرت صدیق اکبر کی خلافت۔ خلافت راشدہ اکمل ترین قسم تھی۔ اور حضرت معاویہ کی خلافت از قسم ملک غصوص تھی۔ (ص ۵۱۷ بحوالہ تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ از پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ص ۴۱۴) انتہائی حیرت و افسوس ہے کہ اس طرح کی کتاب جو کہ سبائیت و رافضیت کے لئے موید ہے اس کو جمعیت اشاعۃ التوحید والسنہ کے سرپرست اعلیٰ مولانا سید عنایت اللہ گجراتی کی تائید حاصل ہے۔ لیکن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے نعرہ حق بلند کرتے ہوئے فرمایا۔

ایک کتاب "استخلاف یزید" تصنیف مولوی لال شاہ خطیب واہ کینٹ کی مولانا سید نورالحسن کو دی ہے۔ تاکہ اس کی تردید لکھیں اس نے حضرت امام معاویہ کے متعلق بکواس کئے ہیں۔ (القول السدید ص ۲۹ بحوالہ تذکرہ خلیفہ راشد ص ۴۷۹) ایک جماعت سے منسلک دو جلیل القدر علماء کا ایک کتاب کے متعلق دو متضاد آراء کا اظہار "من چہ سرایم و طنبور من چہ سراید" کا مصداق ہے۔ اسی لعل شاہ بخاری کا تلمیذ مہر حسین بخاری اپنی کتاب "جواز الصلوۃ والتسلیم علیٰ ذریۃ النبی الکریم" میں رقمطراز ہے

معاویہ متعصب تھا جائر خلیفہ یا حکمران نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام حسنین علیہم السلام اور اس دور کے تمام صحابہ معاویہ سے تبرا کرتے تھے۔ اور دوستی نہیں رکھتے تھے۔ (ص ۷۳ بحوالہ تذکرہ خلیفہ راشد ص ۴۱۵)

ایک اور کتاب میں یہی مہر صاحب نامہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"جنگ صفین کے مقتولین کا خون بھی یوں تو معاویہ کے سر پر ہے لیکن حضرت حجر کا قتل بغیر جنگ کے جبراً ہوا ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ کربناک ہے یوں معاویہ فرمان باری تعالیٰ

و من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ (الایہ)

کا صحیح مصداق بنا ہے اب اگر قرآن کے فیصلے کے بعد معاویہ کے پجاری اسے رضی اللہ پڑھیں تو یہ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے کلام سے مقابلہ ہے۔ ان کے کہنے سے معاویہ اللہ کا پسندیدہ نہیں بن سکتا۔"

(سیاست معاویہ ص ۸۸ بحوالہ تذکرہ خلیفہ راشد ص ۴۱۹)

تنظیم حق چار یار کے بانی قاضی مظہر حسین چکوالی صاحب فرماتے ہیں۔

"بہر حال از روئے نص قرآنی حضرت علی کی پیروی حضرت معاویہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے انہوں نے قتال کیا خواہ دفاعی ہو۔ تو اس صورت میں حضرت معاویہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے۔" (خارجی فتنہ ص ۴۷۶ بحوالہ تذکرہ خلیفہ راشد ۴۲۵)

یہ اقوال ہم نے بطور "مشت نمونہ از خروارے" کے طریق پر پیش کئے ہیں۔ کیا اس انداز تحریر کے بعد بھی کوئی باحمیت عالم خاموش ہوسکتا ہے؟ کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع نہ کرے۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

و عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذَا ظَہرت الفتن اَوقَالَ البدعُ و سُبّ اَصحابی فَلِلعالِم ان یظہر فیہ علمہ و من لم یفعل ذالک فعلیہ لعنتہ اللہ و الملائکتہ و الناس اجمین لایقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب فتن یا بدعات عام طور پر ظاہر جائیں اور میرے صحابہ کو گالیاں دی جانے لگیں تو پھر ہر دین کا علم رکھنے والے کے لئے فرض ہے کہ وہ صحابہ کے (برحق و مقتدیٰ ہونے کے) متعلق اپنا علم ظاہر کرے اور جس نے ایسا نہ کیا تو ایسے (حق پوش اور بے غیرۃ) عالم پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، اور تمام انسانوں کی لعنت، قیامت کے دن اللہ تعالی نہ اس کے فرائض قبول کریں گے۔ اور نہ نوافل منظور کریں گے۔

حضرت شاہ جی رحمہ اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان واجب الاذعان کے پیش نظر جہد پیہم اور عمل مسلسل کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دفاع کیا اور ان کے معیار حق ہونے کی آئینی حیثیت کو واضح کیا۔ خصوصاً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدبرانہ سیاست اور ان کے مؤقف کی وضاحت کا فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت شاہ جی رحمہ اللہ تعالی کو اس مظلوم صحابی کے دفاع کرنے پر اہل سنت کی جانب سے کیا صلہ ملا؟ اسکے متعلق قاضی محمد طاہر علی الہاشمی مصنف "تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" زیر عنوان "انتساب" تحریر کرتے ہیں۔

"اس کتاب کو ابنائے امیر شریعت خصوصاً مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری جنہوں نے رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۱ء میں اس دھرتی پر سب سے پہلے "یوم معاویہ" منانے کی داغ بیل ڈالی نتیجتاً پابندیاں عائد ہوئیں، جیل گئے، طعن و تشنیع کے تیر برسے، اپنوں اور بیگانوں سے گالیاں کھائیں، قاتلانہ حملے ہوئے، گھروں پر گولیاں برسائی گئیں، ہم مسلک حلقوں نے سماجی بائیکاٹ کیا، چوریاں ہوئیں۔

مگر ان کے پائے استقلال میں کوئی لرزش واقع نہ ہوئی اور انہوں نے دفاع صحابہ کی جدوجہد جاری رکھی۔"

اللہ تعالی کی مغفرت و رحمت بے پایاں ہو اس شخصیت پر جس نے اپنے علم و عمل کے ذریعہ دین حق کی بلندی اور اعلاء کلمتہ اللہ تعالی کی کوشش کو جاری رکھا۔ اور جمہوریت کے اس تاریک تر دور میں خالص اسلامی شورائی نظام کا داعی بنا۔ اور جس کا وجود سبائیت ورافضیت کے اس تحریفی تاریک تر دور میں مینارہ نور ثابت ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ و اسعۃ بردالله مضجعه و نور الله مرقده۔ آمین۔

عبدالحق ۲۷ شعبان ۱۴۱۶ھ

کامیاب کون ہے؟

کامیاب وہ ہے جس نے اپنا مشن نہیں چھوڑا، جو مقصد کے لئے جان دے دے، جو غداروں سے رُوشناسی کے لئے قوم کو بروقت بیدار کردے، جو نونہالانِ وطن کو حقیقت کا راستہ بتائے، جو قومی معاشرہ کو تباہی سے بچانے کے لئے خون کا آخری قطرہ نچوڑ دے، جو محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت یعنی اسلامی آئین بہ تشریح ختم نبوت، آخری قانون، بین الاقوامی، بین العالمی اور بین الافاقی قانون، اسلام کے تحفظ کے لئے مرتے دم تک اس کے ساتھ وابستہ رہے وہ کامیاب ہے۔

وہ کامیاب نہیں جو قوم کا خون بہادے، جو قوم کی عزتیں لٹوا دے، جو قوم کے اموال کو تباہی سے دوچار کردے، جو اسلامی آئین میں تحریف و منافقت کے دروازے کھول دے اور جو اسلامی آئین میں اسلام کا نام لے لے کر لادین جمہوریت، اشتراکیت، مارکس ازم، فاشزم، یہودیت، مرزائیت اور سبائیت کے چور دروازے کھولے ہمارے نزدیک وہ کائنات کا، مسلمانوں کا، اسلام کا اور اس ملک وملت کا بدترین دشمن ہے۔

جانشین امیر شریعت

حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

مولانا زاہد الراشدی
مدیر "الشریعۃ" گوجرانوالہ

آہ! مولانا سید ابوذر بخاری

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سب سے بڑے فرزند اور جانشین مولانا سید ابوذر عطاء المنعم شاہ بخاری طویل علالت کے بعد ۲۴- اکتوبر ۹۵ء کو ملتان میں انتقال کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون وہ کئی برسوں سے بستر علالت پر تھے پہلے ایک حادثہ میں زخمی ہوئے اور طویل عرصہ بستر علالت پر رہے پھر فالج کے حملہ کا شکار ہوئے اور بالآخر دنیا میں اپنا مقررہ وقت پورا کرنے کے بعد خالق حقیقی سے جاملے، مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری جو سید ابوذر بخاری اور حافظ جی کے نام سے معروف تھے اپنے وقت کے جید اور وسیع المطالعہ علماء میں شمار ہوتے تھے، خطابت انہیں اپنے والد مرحوم سے ورثہ میں ملی تھی، کتاب بینی کا ذوق جنون کی حد تک رکھتے تھے، سخن فہمی اور شعر و ادب کا ذوق اعلیٰ درجے کا تھا اور گفتگو کے سلیقہ سے بھی بہرہ ور تھے اس لیے جو کسی موضوع پر گفتگو کرتے تو گھنٹوں بے تکان بولتے چلے جاتے اور مستند معلومات کے ساتھ ساتھ کتابوں کے حوالوں کا انبار لگادیتے بلاشبہ ان کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی بڑی لائبریری میں وقت گزار کر آئے ہیں۔ وہ سیاست میں اپنے مرحوم والد گرامی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے افکار و نظریات ان کی وضعداری اور حق گوئی کی روایات کے امین تھے۔ مجلس احرار اسلام کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام نے انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور اپنی سرگرمیاں تحفظ ختم نبوت کے شعبہ تک محدود کر کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے خواہشمند احرار کارکنوں کو دوسری سیاسی جماعتوں میں جانے کی اجازت دے دی تھی، اس سلسلہ میں حافظ جی مرحوم کا موقف یہ تھا کہ "حضرت امیر شریعت اور قائدین احرار نے جنوری ۱۹۴۹ء میں معروضی حالات کے تحت مروجہ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ اور قادیانیوں اور دیگر لادین قوتوں کی طرف سے پاکستان اور پاکستان کی دینی قوتوں کے خلاف وسیع سازش اور منصوبہ بندی کو ناکام بنانے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی۔ مجلس احرار کے نزدیک انتخابات ملکی و قومی مسائل کا حل نہیں بلکہ ملک و دین دشمن قوتوں کو عوامی محاذ پر شکست دینا تھی۔ مرزائی پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت برپا کی گئی اور مرزائیوں کو سیاسی و دینی محاذ پر تاریخ ساز شکست سے دوچار کیا۔ مجلس احرار اسلام آج بھی اسی مؤقف پر قائم ہے اور انتخابی سیاست کو دینی قوتوں کی تباہی و انتشار کا سب سے بڑا سبب سمجھتی ہے۔ مجلس احرار کے نزدیک جمہوریت عصر حاضر میں اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وہ بعض حضرات کے اس مؤقف کو سراسر غلط قرار دیتے کہ امیر شریعت نے مجلس احرار کو ختم کر دیا تھا۔ ان کا مؤقف تھا کہ جماعت ختم نہیں کیا تھا بلکہ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی

اختیار کی تھی۔"

وہ علالت کے ہاتھوں بے بس ہو جانے سے پہلے ساری زندگی احرار کارکنوں کو منظم کرنے اور احرار اسلام کو ایک متحرک سیاسی قوت کے طور پر سامنے لانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ ۶۲ء میں مارشل لاء کے خاتمہ کے بعد سیاسی جماعتوں کی بحالی کا اعلان ہواء مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری نے مجلس احرار اسلام کو از سر نو منظم کرنے کے لیے ملک گیر دورہ کیا اور متعدد شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا۔ اس وقت ان کی پرجوش خطابت کی گھن گرج اور عوامی جلسوں میں پزیرائی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجلس احرار اسلام کو ایک بار پھر قومی سیاست کے دھارے میں شامل کرنے کی کوششوں میں شاید کامیاب ہو جائیں لیکن وقت اور اس کے تقاضے خاصا سفر طے کر چکے تھے اور اس فاصلے کو کم کرنے میں کامیابی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ مولانا سید ابوذر بخاری دراصل علم و مطالعہ کے شعبہ کے آدمی تھے، لیکن بے رحم سیاست نے ان کے اور ان کے معاصرین کے درمیاں حجابات اور ترجیحات کی ایسی لکیریں کھینچ دیں کہ ان کی علمی و دینی شخصیت سے وہ فائدہ نہ اٹھایا جاسکا جو ان کا اور ان سے زیادہ ان کے اہل زمانہ کا حق تھا اور نہ وہ اگر عملی سیاست کے جھمیلوں میں الجھ کر نہ رہ جاتے تو علمی و فکری محاذ پر اہل علم و دانش کے لیے رہ نمائی اور استفادہ کا ایک مضبوط مرکز اور مرجع ہوتے۔

حافظ جی مرحوم ایک اچھے ادیب اور شاعر تھے ان کی متعدد نگارشات مختلف جرائد اور کتابچوں کی شکل میں چھپ چکی ہیں جو ان کے علمی و ادبی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔ انہیں اردو کے علاوہ عربی اور فارسی پر بھی قدرت حاصل تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے والد مرحوم کی طرح مجلسی ذوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ مجلس آرائی کے فن سے آشنا تھے اور ان کی مجلس میں ہر ذوق کے لوگوں کو اپنا حصہ مل جاتا تھا۔

موت ہر ذی روح کے لیے مقدر ہے اور ہر شخص نے اپنے وقت پر اس دنیا سے بہر حال چلے جانا ہے لیکن بعض اموات کی کسک حساس دلوں کو بہت دیر تک اپنے وجود کا احساس دلاتی رہتی ہیں اور سید ابوذر بخاری جیسے عالم دین، دانش ور، ادیب، شاعر، خطیب اور وضعدار رہ نما کی یاد بھی ان کی موت کے بعد ایک عرصہ تک ان کے دوستوں کے دلوں میں تازہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور پسماندگان و احباب کو صبر جمیل کی توفیق دیں۔ آمین یارب العالمین

❖ ✲ ✲

مولانا زاہد الراشدی:

علم و عمل کا سچا کردار

جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام تو سن رکھا تھا کہ "شاہ جی" امیرِ شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بیٹے ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں لیکن دیکھنے کا موقع اس وقت ملا جب ایوب خان مرحوم نے ۱۹۶۲ء میں مارشل لاء ختم کر کے ملک میں سیاسی سرگرمیاں بحال کیں اور مجلس احرار اسلام نے ملک کے مختلف شہروں میں جلسے منعقد کر کے جماعتی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ انہی دنوں گوجرانوالہ کے شیرانوالہ باغ میں مجلس احرار اسلام کا جلسہ تھا اور مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس جلسہ کے مرکزی مقرر تھے۔

میرا طالب علمی کا دور تھا، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں پڑھتا تھا اور جمعیت علماء اسلام کے ساتھ ذہنی وابستگی ہو چکی تھی لیکن مجلس احرار اسلام کے ماضی اور کارناموں سے بھی بے خبر نہ تھا۔ اس لئے کہ چودھری افضل حق مرحوم کی "تاریخ احرار" مولانا مظہر علی اظہر مرحوم کی "دنیا کی بساط سیاست" اور "تحریک مدح صحا اور آغا شورش کاشمیری مرحوم کی "خطبات احرار" نظر سے گزر چکی تھیں؛ بلکہ سیاسیات کے حوالہ سے میں نے زندگی میں سب سے پہلے جن کتابوں کا مطالعہ کیا وہ یہی چار کتابیں ہیں۔ انہیں میں نے نہ صرف پڑھا بلکہ بار بار پڑھا اور اپنے ذہن و فکر پر ان کے اثرات ابھی تک محسوس کر رہا ہوں۔ اس لئے "جماعتی معاصرت کے فطری جذبے کے باوجود احرار رہنماؤں کے ساتھ قلبی تعلق قائم رہا اور اب بھی بحمداللہ قائم ہے۔ "حافظ جی" رحمہ اللہ تعالیٰ کو سب سے پہلے اس جلسہ میں دیکھا اور سنا، سرخ کرتا پہنے، ہاتھ میں کلہاڑی پکڑے ہزاروں کے اجتماع میں وہ ملک کے مسائل پر پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنے بےباک خیالات کا اظہار کر رہے تھے، علم اور خطابت کا حسین امتزاج تھا اور اس پر جرأت و بےباکی اور خلوص و وفا کے جذبات کا اضافہ بھی۔ اس لئے متاثر نہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ چنانچہ جلسہ کے بعد اپنے طالب علم ساتھیوں کے سامنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے میں نے کہا کہ "یہ شخص اگر اسی طرح پورے ملک میں چلتا رہا تو اس کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکے گا۔" لیکن مجلس احرار اسلام قیادت کی صف بندی اور اس کی ترجیحات کے تعین میں ایسی الجھی کہ وقت اس کے فیصلے کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ گیا اور پھر اس خلاء کو پر کرنے کے لیے جمعیت علماء اسلام آگے بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔

"حافظ جی" رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بعد بے شمار ملاقاتیں ہوئیں۔ عام جلسوں میں ان کے طویل خطابات سننے اور نجی محفلوں کی بے تکلفانہ گپ شپ کا حظ بھی اٹھایا۔ مجھے ان کے مطالعہ کی وسعت اور معلومات کے استحضار نے سب سے زیادہ متاثر کیا حتیٰ کہ بسا اوقات صرف اس لیے ان سے ملاقات و مجلس کے مواقع تلاش کرتا تھا کہ بہت سی مستند معلومات کسی لمبے چوڑے مطالعہ کی کلفت اٹھائے بغیر ان کے ہاں مل جایا کرتی تھیں۔

انہیں جمعیت علماء اسلام کی سیاسی پالیسیوں سے ہمیشہ اختلاف رہا اور مجھے ایک عرصہ تک سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے جمعیت کے ترجمان کی حیثیت حاصل رہی، حافظ جی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے اختلاف کا مکمل کر اظہار کرتے تھے اور لگی لپٹی رکھے بغیر کرتے تھے اور میں ایک صاحب علم اور صاحب رائے کے طور پر ان کا یہ حق سمجھتا تھا اس لئے اختلافات اور ان کے اظہار میں ایک گونہ شدت کے باوجود میری عقیدت اور ان کی شفقت کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ بھی ریکارڈ میں آ جائے تو شاید نا مناسب نہ ہو۔ ایک دور میں جمعیت علماء اسلام کے امیر حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نوراللہ مرقدہ نے دیو بندی مکتب فکر کے سرکردہ علماء کو جامعہ مخزن العلوم خانپور میں جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ عمومی جلسہ بھی تھا اور مختلف دیو بندی جماعتوں کے رہنماؤں کے مشترکہ خصوصی اجلاس کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، اور حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ سمیت بیشتر دیو بندی علماء جمع تھے۔ مولانا ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ظہر کے بعد کی نشست میں تھا، جبکہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ نے رات کی نشست میں خطاب کرنا تھا۔ معاملہ خاصا نازک تھا، حافظ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تفصیلی خطاب میں روئے سخن مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رکھا اور اپنے مخصوص انداز خطابت کے دائرہ میں وہ جو کچھ کہ سکتے تھے کہہ گئے۔ سٹیج پر میں بھی موجود تھا بلکہ حافظ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرسی کے بالکل ساتھ فرشی نشست پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اور اپنی جماعت کی پالیسیوں کے خلاف ان کی خطیبانہ گھن گرج سے محظوظ ہو رہا تھا۔ نشست ختم ہوئی تو پتہ چلا کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لے آئے ہیں۔ ان کی قیام گاہ پر ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو انہیں حافظ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کی رپورٹ مل چکی تھی، صورت حال کی نزاکت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جمعیت علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل تھے اور میں سیکرٹری اطلاعات، جبکہ جمعیت ہی کے امیر کے طلب کردہ جلسہ میں جمعیت کی پالیسیوں اور قیادت کے خلاف ٹھیک ٹھاک قسم کی تقریر ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے پوچھا "تم نے تقریر سنی؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں!" پھر پوچھا "تم کہاں تھے؟" میں نے جواب دیا کہ سٹیج پر! پھر دریافت کیا "سن لی؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں سن لی! اس کے بعد مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا "پھر کیا خیال ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "میرا خیال ہے کہ یہ تقریر یہاں نہیں بلکہ کل کے مشترکہ اجلاس میں ہونی چاہیئے تھی"۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے چہرے پر کچھ برہمی سی نمودار ہوئی اور فرمایا "کیا مطلب؟ تمہیں باتوں سے اختلاف نہیں صرف جگہ سے اختلاف ہے؟" میں نے گزارش کی کہ "ہاں! مجھے جگہ سے اختلاف ہے اس لیے کہ اس قسم کی باتیں آمنے سامنے ہو جائیں تو زیادہ بہتر رہتی ہیں" مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟" میں نے عرض کیا کہ "میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے خطاب میں اس بات کا اشارہ بھی نہ دیں کہ آپ کے خلاف اس اسٹیج پر کوئی تقریر ہوئی ہے"۔ یہی بات بعد میں حضرت درخواستی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے فرمائی چنانچہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور ایک نیا محاذ گرم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

ایک دفعہ جمعہ کے روز ایسا ہوا کہ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں جمعہ کی نماز پڑھا کر مسجد کے ہال سے باہر نکلا تو اچانک دیکھا کہ دیوار کی اوٹ میں مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرماہیں۔ اللہ اکبر..... یہ کیا ہوا؟ آگے بڑھا اور مصافحہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ "حضرت" آپ نے یہ کیا ظلم کیا؟" فرمایا میں جمعہ کے آغاز میں ہی آگیا تھا مگر جان بوجھ کر چھپا رہا کہ تم نے دیکھ لیا تو پیچھا نہیں چھوڑو گے۔ سچی بات ہے بہت صدمہ ہوا کہ میں اور جامع مسجد کے نمازی ان کے خطاب سے محروم رہ گئے۔ فرمانے لگے گکھڑ جانے کے ارادہ سے آیا ہوں، حضرت شیخ الحدیث صاحب (میرے والد محترم مولانا سرفراز خان صفدر) سے ملنے کی خواہش ہے اور آپ کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں عرض کیا کہ چائے وغیرہ ہو جائے پھر چلتے ہیں، فرمایا کہ نہیں سب کچھ وہیں ہو گا آپ ساتھ چلیں۔ میں ساتھ ہو لیا، گکھڑ پہنچے، حضرت والد صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی، کچھ دیر گفتگو رہی، تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو کہنے لگے کہ صرف ملاقات وزیارت کے لئے آیا ہوں۔ چائے سے فارغ ہوئے، رخصت ہونے لگے تو پلیٹوں میں بچی ہوئی مٹھائی کی طرف دیکھ کر حضرت والد صاحب سے کہا کہ "حضرت! اگر اجازت ہو تو یہ تبرک ساتھ رکھ لوں" اور پھر وہ تبرک سنبھالے جس محبت کی فضا میں رخصت ہوئے اس کا منظر ابھی تک نگاہوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔

حضرت حافظ جی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ بستر علالت پر تھے۔ میں ملتان گیا ہوا تھا، بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت والد صاحب کی صحت کے بارے میں بار بار پوچھتے رہے۔ میرے حوالہ سے کوئی بات سن رکھی تھی اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تم سے براہ راست سننا چاہتا ہوں تاکہ سند متصل ہو جائے اور "رواہ البخاری" کہہ سکوں۔ بات اب مجھے یاد نہیں مگر اتنا نقشہ ضرور ذھن میں ہے کہ انہیں بات جس انداز سے پہنچی اس میں کچھ مبالغہ آمیزی بھی شامل تھی میں نے اصل بات عرض کی تو شکریہ ادا کیا اور دعا دی۔

مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند تھے مگر ان کا صرف یہی تعارف نہیں تھا بلکہ وہ اپنے علم و فضل، وضعداری، وسعت مطالعہ اور بہت سے معاملات میں اپنی مستقل رائے۔ کے حوالہ سے جداگانہ تشخص بھی رکھتے تھے اے کاش یہ "تشخص" حالات کی نا مساعدت کی نذر نہ ہو جاتا اور اہلِ حق کا قافلہ وسیع تر دائرے اور تناظر میں ان کی صلاحیتوں اور علم و فضل سے فائدہ اٹھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دیں، ان کی حسنات کو قبولیت سے نوازیں۔ سیئات سے درگزر فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، (آمین ثم آمین)

❋

مولانا عزیز الرحمٰن خورشید

فقیرِ عالی وقار

۲۳ اکتوبر رات تقریباً پونے بارہ بجے پرانی انار کلی کے خطیب مولانا عبدالحی کے ہاں میرے محترم دوست حافظ غلام مرتضیٰ صاحب نے اطلاع دی کہ ابن امیر شریعت حافظ سید عطاء المنعم شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ مولانا نے مجھے بیدار کر کے یہ افسوس ناک خبر سنائی۔ میں اسی وقت تیار ہو کر عازم ملتان ہو گیا۔ سو یرے نو بجے کاشانۂ امیر شریعت پر پہنچ گیا۔ یہ کاشانہ ملتان کی تنگ و تاریک گلیوں میں واقع ہے مگر حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے اس کو چار دانگ عالم میں شہرت نصیب ہوئی۔ آج ایک مرتبہ پھر اس گھر کے در و دیوار پر اداسی چھائی ہوئی تھی اس لئے کہ علم و عمل کا پیکر آج یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوچ کر رہا تھا سب کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ .... باقی رہے نام اللہ کا

میری سب سے پہلے ملاقات حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نسبتی سید وکیل شاہ صاحب سے ہوئی۔ بعد ازاں حافظ جی کے بھانجے سید کفیل شاہ صاحب اور ذوالکفل سے ملاقات ہوئی آپ کے برادران اس سانحہ کی وجہ سے نڈھال تھے۔ تھوڑی دیر بعد ابن امیر شریعت کے برادر عزیز نے اعلان کیا کہ "آؤ....... صحابہ کی ناموس کے لئے لڑنے والے مجاہد کی زیارت کر لو" مکان کے وسیع ہال میں بخاری کا لاڈلا سفید پوشاک پہن کر ابدی نیند سویا ہوا تھا۔ چہرہ گلاب کی مانند کھلا ہوا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ، یوں محسوس ہو رہا تھا جس طرح کوئی مسافر طویل سفر کے بعد تھک ہار کر سستانے کے لئے گہری نیند سو رہا ہو۔ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو آپ کے فرزند سید محمد معاویہ مجھ سے بغل گیر ہو گئے اور کہنے لگے بھائی خورشید ابھی، مولانا کے پاس چلے گئے، مولانا سے مراد میرے عزیز بھائی قاری سعید الرحمٰن علوی مرحوم تھے۔ یوں تو سید ابوذر صاحب ہم سب بھائیوں سے بہت زیادہ پیار فرماتے تھے مگر علوی مرحوم سے انکو زیادہ ہی پیار تھا۔ عزیزی کے انتقال کے بعد گزشتہ سال جب میں شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سخت افسردہ خاطر تھے۔ عزیزی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔

دس بجے کے بعد عقیدت مند دور دراز سے آنا شروع ہو گئے جن میں مشائخ، علماء، تجار، وکلاء اور طلباء کے علاوہ عوام کی کثیر تعداد تھی۔ آہوں اور سسکیوں کے ساتھ چار بجے سہ پہر جنازہ اٹھایا گیا۔ یہ جنازہ کسی سیاستدان یا کسی سرمایہ دار کا نہیں بلکہ ایک فقیر منش انسان کا تھا۔ حد نگاہ تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، کیوں نہ ہوتا۔ سید ابوذر بخاری اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے تھے کہ جو مخلوق کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں........ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

وہ عشق مجازی کا قائل نہیں تھا بلکہ حقیقی عشق اس کے دل میں تھا۔ اللہ کا ڈر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ

کرام سے محبت اس کی زندگی کی متاع عزیز تھی۔
سید ابوذر نے قرآن کا سہارا لے کر حضرات صحابہ کرام خصوصاً بنوامیہ کی وہ مقدس ہستیاں جن کو صحابیت کا شرف حاصل ہے پر کیچڑ اچھالنے والوں کی بیخ کنی کی۔ جبکہ اس جہاد کے سلسلہ میں بعض اپنے بھی ان کے مخالف تھے۔ مگر وہی بات کہی جس کو انہوں نے سچ جانا۔ عظمت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں سب سے پہلے پاکستان میں یوم معاویہ کی ابتداء کرنے والے آپ ہی ہیں۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرات صحابہ کرام میں سے وہ حضرات جن کے نام سننا رافضی تو درکنار بعض نام نہاد سنّی بھی گوارا نہیں کرتے، ان ناموں کو عام کیا۔ پورے ملک میں ایک تحریک چلائی کہ لوگ صحابہ کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ نے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی بھی اپنے بیٹوں کو "صاحبزادہ" کے لفظ سے نہیں بلایا۔ جب بھی بلاتے یا تو نام لیکر یا حافظ جی کہہ کر بلاتے۔
سید ابوذر کو سب سے پہلے مری کے قریب گھوڑا گلی میں اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میرے والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی رحمۃ اللہ علیہ مری میں خطیب تھے اور ہم دونوں بھائی (بندہ اور برادر عزیز علوی مرحوم) رمضان کے مہینہ میں والد صاحب کے پاس قرآن کریم کا دور کرنے جاتے تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں جب والد ماجد رحمۃ اللہ نے ہمیں حاضر کیا تو آپ نے ڈھیروں دعائیں دیں۔
سید ابوذر بخاری نے علوم دینیہ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ خیر المدارس میں حاصل کئے اور پھر استاذ کے حکم کے مطابق اس مدرسہ میں کچھ عرصہ تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۴۲ء میں مرشد العلماء حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔
ایک مجلس میں حافظ جی مرحوم نے آبدیدہ ہو کر یہ واقعہ بیان کیا کہ "
بیعت کے بعد حضرت اقدس نے تلاوت کلام مجید کا حکم دیا۔ اسوقت جوانی تھی، صحت تھی اور حسن الفاظ سے آواز بھی اچھی تھی۔ میں نے سورۂ فرقان کا آخری رکوع تلاوت کیا۔ حضرت نے خوب توجہ سے سنا اور دعائیں دیں۔"
گھوڑا گلی کے قیام کے دوران سینکڑوں جید علماء اور قراء کی موجودگی میں حضرت رائے پوری رحمہ اللہ نے سید ابوذر بخاری کو تراویح میں قرآنکریم سنانے کا حکم دیا۔ ع......... یہ نصیب اللہ اکبر

سید ابوذر بخاری نے اپنی زندگی دینِ حقہ کی خدمت میں کھپادی۔ مرزائیت اور سبائیت کے خلاف لسانی اور قلمی جہاد کیا۔ ہمارے ملک میں یوم صدیق اور یوم علی کا انعقاد تو ہوتا ہے مگر کسی رجل رشید نے سیدنا امیر معاویہ کا یوم نہیں منایا یہ اعزاز صرف سید ابوذر کو حاصل ہے کہ انہوں نے پاکستان میں سب سے پہلے یوم معاویہ منایا۔ یہ انہی کی تحریک کا اثر ہے کہ آج کوئی شخص بھی اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھنے سے نہیں ہچکچاتا اللہ رحیم و کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے مشن پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین بحرمتہ سید المرسلین

سید ابوذر بخاری

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ان کی چشمِ عنایت ہوئی ملتفت
مجھ سے عاصی کو ان کا پیام آگیا

عمر بھر کے ترستے ہوئے رند کو
بادۂ عشق و مستی کا جام آگیا

مدتوں بعد اذنِ حضوری ملا
میری قسمت کا تارا گیا اوج پر

کچھ گناہوں کو آنسو بہا لے گئے
کچھ میرا جذبِ صادق بھی کام آگیا

صحنِ مسجد بنا جلوہ گاہِ نبی
دست بوسی کا اعزاز بخشا گیا

ایک ذرہ بنا رشکِ شمس و قمر
بادشاہوں کی صف میں غلام آگیا

مُہر بہ لب، دل پر جنوں
اور آنکھیں بھی حیرت کی تصویر تھیں

یوں ہوئے محوِ دیدار ہم دوستو
راہ الفت میں یہ بھی مقام آگیا

میرے کام و دہن کو حلاوۃ ملی
آنکھیں روشن ہوئیں، دل مسرور ہے

روح مخمور ہے، بخت بیدار ہے
میرے لب پہ محمد کا نام آگیا

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعی بخت بیدار ہے کہ آخری وقت آپ کی زبان پر اللہ کا مقدس نام جاری تھا۔ واقعی وہ رشک شمس و قمر بنے کہ ان کا چہرہ چاند کی طرح دمک رہا تھا۔

حافظ عبدالرشید ارشد (لاہور)

واردات و مشاہدات

حضرت مولانا سید عطاء المنعم بخاری، حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے امیر شریعت بڑے ذکی اور مردم شناس تھے ان کی اپنی زندگی تو ریل اور جیل میں کٹی۔ اپنے بیٹے کی ذہانت و ذکاوت کو دیکھتے ہوئے دینی تعلیم کے لئے خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر میں داخل کرایا۔ قرآن مجید غالباً امرتسر میں حفظ کرلیا تھا۔ اس کی تفصیل ان کے اپنے جاری کردہ ''الاحرار'' اور چھوٹے بھائی مولانا سید عطاء المحسن بخاری سلمہ اللہ تعالیٰ کے ماہ نامہ ''نقیب ختم نبوت'' میں آئے گی۔ راقم کو تو اپنی یاداشتیں اور مشاہدات قارئین کے سامنے پیش کرنا ہیں......

اب یہ کہنا اور بتانا مشکل ہے کہ احقر نے سب سے پہلے حضرت ابوذر بخاری (مرحوم اپنا نام زیادہ یہی لکھا کرتے تھے) کو کہاں دیکھا تھا۔ میں انتہائی کتب کے لئے ایک دفعہ ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عربی خیر المدارس میں داخل ہوا پھر درمیان میں ہی میاں چنوں اپنے گھر آکر حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانوی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ دھرمکوٹی سے پڑھنے لگا۔ یہی وہ سال تھا کہ جب بھی مجھے موقعہ ملتا میں امیر شریعت کے در دولت پر حاضری دیتا۔ ظاہر ہے کہ انہی دنوں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ مرحوم کبھی کبھار اپنی مادر علمی خیر المدارس میں حاضری دیتے۔ کپڑے کی اونچی باڑ کی ٹوپی، شرعی شلوار کرتہ اور رنگ روپ سبحان اللہ......... مثالی مردانہ وجاہت کے حامل تھے۔ موٹی شربتی آنکھیں، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، رخسار سرخ و سپید اور پُر گوشت۔ میانہ قد، مائل بہ فربہی بلکہ فربہ ہی کہیے۔ دیکھتے طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ ان دنوں کسی مجلس میں ان کی گفتگو سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دور ہی سے درشن ہوتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی اپنے اساتذہ کے پاس بہت مؤدب بیٹھے دیکھا کہ جس کو دیکھ کر پہلے دور کے استاد شاگرد کے رشتے کا احساس ہوتا تھا۔ چلتے ہوئے نگاہ سامنے نیچی رکھتے۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی خاص یادداشت ایسی نہیں جو لکھی جاسکے۔ دورہ حدیث شریف ملتان میں آکر مکمل کیا۔ استاذی حضرت مولانا محمد صدیق (شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس) آپ کے دورہ کے ساتھی ہیں۔

مرحوم نے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد ''نادیتہ الادب الاسلامی'' کی بنیاد رکھی۔ جس کے سرپرست علامہ طالوت (مولانا عبدلرشید نسیم) تھے۔ جنہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال کے درمیان واسطہ بن کر ''نظریہ قومیت'' پر خط و کتابت کرائی تھی۔ یہیں ان کے متعلق یہ ذکر کر دیا جائے کہ علامہ طالوت بہت بڑی علمی ادبی شخصیت تھے۔ ان کی بعض نظمیں مولانا ظفر علی خان کے رنگ میں

"زمیندار" میں قلمی نام سے شائع ہوئیں جو بعد میں مولانا ظفر علی خان کے مجموعہ کلام میں شائع ہو گئیں۔ لیکن مرحوم قلندرانہ طبیعت کے مالک تھے، ان کی نشاندہی نہیں کی۔ حضرت امیر شریعت سے بہت ربط ضبط تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے مجموعۂ کلام "سواطع الالہام" کے شروع میں ان کا ایک بہت علمی مضمون ہے جس سے ان کی علمی وجاہت و ثقاہت کا پتہ چلتا ہے۔ میں نے بیس بڑے مسلمان میں حضرت شاہ صاحب پر مضمون لکھنے کی انہی سے درخواست کی تھی۔ آپ اس کو لکھ رہے تھے کہ مجھے حرمین کی حاضری کا بلاوا آ گیا اور مجھے وہیں ان کی وفات کی اطلاع ملی۔ اگر وہ زندہ رہتے اور ان کا مضمون شامل کتاب ہوتا تو بہت وقیع ہوتا لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا۔ آپ کی ایک حمدیہ غزل جو انہوں نے میرے مجوزہ ماہنامہ "عمران" میاں چنوں کے لیے لکھی تھی چند ماہ قبل "الرشید" میں قارئین نے مطالعہ کی ہو گی اور گزشتہ ایک شمارے میں ان کی ایک نعت بھی شائع ہوئی ہے۔ ان کی تاریخی حیثیت اس حوالے سے ہمیشہ رہے گی کہ انہوں نے برصغیر کے دو عبقری انسانوں کے درمیان واسطہ بن کر خط و کتابت کی اور بڑھتے ہوئے معاملے کو سنبھالا دیا۔ لو، یار لوگ اس کو گاہے ہوا دیتے رہتے ہیں، جملہ معترضہ طویل ہو گیا۔ "نادیۃ الادب الاسلامی" کے علامہ طالوت مرحوم سرپرست تھے اور ہمارے ممدوح مرحوم مولانا سید ابوذر بخاری اس کے بانی تھے اور یہ وہ دور ہے کہ جب بڑے بڑے دانش ور ابھی منقار زیر پر تھے لیکن اس نوجوان نے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ اس مجلس کے زیر اہتمام کئی ایک کتابچے شائع ہوئے اور اس کے ساتھ ہی اس نوجوان نے جو درس نظامی سے فارغ ہوا تھا، ملتان سے "سہ ماہی مستقبل" شائع کرنا شروع کیا۔ جن لوگوں نے پاکستان بنایا تھا وہ اقتدار کی جنگ میں مصروف تھے اور جس کے والد مرحوم نے پاکستان سے نظریاتی اختلاف کیا تھا وہ پاکستان کے مستقبل کے لئے کام کا بیڑا اٹھا رہا تھا۔ سی آئی ڈی کے کاغذات میں تو اب بھی شاید مجلس احرار اسلام اور اس کا نام لینے والوں کا نام بلیک لسٹ میں ہو گا۔ ان دنوں تو پاکستان نیا نیا بنا تھا اور احرار اسلام کا نام لینا اپنے آپ کو گردن زدنی قرار دینا تھا۔ تو پھر بانیٔ احرار کے بیٹے کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان ایک ماہ نامے کا ڈیکلریشن کیوں دیتا۔ حضرت امیر شریعت کراچی تشریف لے گئے۔ سید عطاء المنعم بھی ساتھ تھے اور مولانا مجاہد الحسینی بھی، کہ بیٹے نے والد سے کہا کہ سردار عبدالرب نشتر وزیر اطلاعات و نشریات ہیں۔ ان سے کہیئے کہ مجھے یہ ڈیکلریشن مل جائے۔ حاجی مولا بخش سومرو کے گھر قیام تھا........ سومرو صاحب نے بھی کہا تو حضرت امیر شریعت آمادہ ہو گئے اور یوں کار میں بیٹھ کر کراچی کے سیکر ٹریٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت امیر شریعت نے سردار صاحب کے نام اپنے نام کی چٹ بھیجی تو سردار صاحب پاؤں سے ننگے سر پر پگڑی رکھے فوراً باہر آئے اور مصافحہ، معانقہ کے بعد عرض کیا کہ مجھے چٹ بھیج کر اقامت گاہ پر بلا لیا ہوتا تو امیر شریعت نے فرمایا کہ میں تو نہ آتا لیکن تمہارے بھتیجے کا اصرار تھا۔ حاجی صاحب نے بھی کہا کہ جانے اور کہنے میں کیا حرج ہے؟ اس پر سردار صاحب نے کہا کہ میں صوبائی حکومت یا متعلقہ دفتر کو کہہ دوں گا ان شاء اللہ کام ہو جائے گا۔ سردار نشتر مسلم لیگ کے ان سربرآوردہ زعماء سے تھے جو اپنی خاندانی شرافت و نجابت اور ادبی ذوق کے لحاظ سے بہت نمایاں تھے۔ عبوری حکومت میں انڈیا میں مسلم لیگ کی جانب سے وزیر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد

پنجاب کے انگریز گورنر کے بعد پنجاب کے پہلے مسلمان گورنر تھے اور مسلمانوں کے سابق حکمرانوں کی طرح وضعدار اور دیانتدار۔ آپ کے لڑکے سائیکل پر سکول جایا کرتے اور سردار صاحب تقریباً باقاعدہ نیلا گنبد کی مسجد میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ کے ہاں جمعہ پڑھنے آتے لیکن بغیر کسی کرّوفر اور سرکاری پروٹوکول کے۔ آپ کا انتقال شب جمعہ کو ہوا۔ اس جمعہ یا اگلے جمعہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے جمعہ کی تقریر میں فرمایا کہ ان ان اوقات میں مرنے والوں کا بمصداق حدیث شریف، حساب کتاب نہیں ہوگا اور پھر اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائیں اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شب جمعہ کو وفات ہی اس مسلمان کو دیتا ہے کہ جس کی کسی خوبی کی وجہ سے حساب کتاب لینا منظور نہ ہو اور پھر اپنا ایک قصہ سنایا کہ میں جب دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا تو شہرت ہوئی کہ ایک سن رسیدہ عورت مرض الموت میں ایک شعر پڑھ رہی ہے میں بھی اسے دیکھنے چلا گیا دیکھا اور سنا تو وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی:-

خالی ہاتھ میں چلی دربار میں

کون پوچھے گا مجھے سرکار میں

میں نے یہ شعر سن کر پہلے مصرعہ کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسرے کو محمل بناتے ہوئے کہا کہ اس کا شب جمعہ کو انتقال ہوگا تو صاحبو اس مستورہ کا انتقال شب جمعہ کو ہوا۔ میں نے اس کے دوسرے مصرعے سے تفاؤل لیا تھا اور اس حدیث شریف پر میری نظر گئی تھی۔ تو ہمیں اپنے اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ سردار صاحب کی موت شب جمعہ کو ہونے کے سبب ان کا قبر میں حساب کتاب نہیں ہوگا اور سردار مرحوم کے متعلق ویسے بھی مشہور ہے کہ نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے...... میں میاں چنوں سے اگر لاہور آتا تو جمعہ شیرانوالہ گیٹ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے یا پھر نیلا گنبد میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں جمعہ کی چھٹی نہیں ہوتی تھی۔ لاہور کھلا ہوتا تھا اور چھوٹے شہروں کے لوگ عام طور پر جمعہ کو مال لینے آتے تھے کہ چھوٹے شہروں میں جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی...... گزشتہ دنوں میں ایک کتاب سکندر مرزا کے متعلق پڑھ رہا تھا اس میں ان کے متعلق لکھا تھا کہ سکندر مرزا کے بقول "سردار اورنگزیب اب میرے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے وزارت سازی کے متعلق امداد کی درخواست کی تھی۔ میری نظر سردار عبدالرب نشتر پر تھی وہ ایک انتہا پسند مسلم تنظیم احرار کے راہنما تھے۔ احراری مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے اور بوجوہ کانگریس کے حلیف تھے۔ نشتر مسٹر جناح کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے گزشتہ سال ہی مسجد مہابت خاں میں ان کے خلاف ایک تند و تیز اور توہین آمیز تقریر کی تھی" (سکندر مرزا، احمد سلیم صفحہ ۶۹)

جب مسلم لیگ میں جنگ اقتدار اور زور پکڑ گئی تو کچھ دیر کے لئے سردار عبدالرب نشتر کو مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا تھا تو اس لحاظ سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجلس احرار اسلام کا ایک سابق سرحدی رکن ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کی جانب سے بحیثیت مسلم لیگی وزیر، قیام پاکستان کے بعد مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات، پنجاب کا گورنر اور آل پاکستان مسلم لیگ کا صدر بھی بن گیا تھا۔ تو اس طرح اگر شاہ صاحب نے سردار

عبدالرب نشتر سے ایک سفارش کی تو اپنے سابقہ احرار رضاکار سے سفارش کی۔

پاکستان میں مزدور کے متعلق بہت شور اور واویلا کیا جاتا ہے کہ غربت اور افلاس زیادہ ہے۔ پاکستان کے مالدار ارب پتی سیاستدان غریبوں کا استحصال کر کے اپنی لیڈری چمکاتے آئے ہیں۔ جبکہ ان کو گرانی یا سٹیٹ بنک کے زرمبادلہ میں کمی اور غیر ملکی قرضوں سے نہ کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی ان کے دھن دولت میں کوئی کمی ہوتی ہے۔ اور لوگ ہیں کہ ان کو بیساکھیوں کا کام دیتے ہیں۔ اسی نئی صورت حال میں دیکھئے مہنگائی اور گرانی کا سب سے زیادہ شور سرمایہ دار، پیران کرام، وہ علمائے کرام اور تاجر شور مچا رہے ہیں جن کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ ان پجارو اور ہوائی جہازوں میں سفر کرنے والوں کو کہ جن کی کوٹھیاں، دربار، ڈیرے، ایکڑوں میں ہیں کوئی تکلیف نہیں۔ اگر تکلیف ہے تو اپنی قیمتی موٹروں میں سفر چھوڑ کر ویگنوں بسوں یا ریل گاڑی کے نچلے درجے میں سفر کریں تاکہ پتہ چلے کہ غریب عوام کس بھاؤ تلتے ہیں۔ میں آج ہی ایک دوست سے کہہ رہا تھا کہ تمام تاجروں کا سٹاک گوداموں میں پڑا پڑا سو گنا ہو گیا اور اکثر لیڈروں کا بنک بیلنس یا تو اپنے ہی ملک میں ڈالروں میں ہے یا پھر غیر ملکوں میں ان کے اکاؤنٹ ہیں جواز خود بڑھ گئے۔ سوال تو غریب کا ہے...... میرا موضوع سخن غریب کی طرف اس طرح چلا گیا کہ میں جن افراد یا جماعت کا ذکر کر رہا ہوں یہ برصغیر کی سب سے غریب جماعت تھی، جس کو آج کے سیاست کے اجارہ داروں کے بڑوں نے پنجاب میں آگے نہیں آنے دیا ورنہ ایک زمانہ آ گیا تھا کہ اس جماعت کی پنجاب میں وزارت بن جاتی گو عام بالغ حضرات کا ووٹ نہ تھا۔ ان پر مسجد شہید گنج گرا دی گئی اور شہید گنج کے ملبے کے نیچے یہ لوگ اس طرح دب گئے کہ پھر اوپر نہ اٹھ سکے۔ سر فضل حسین نے شہید گنج گرنے یا گرانے کے بعد کہا تھا کہ میں نے احرار کے لئے ایسا گڑھا کھودا ہے کہ جس سے وہ قیامت تک نہیں نکل سکتے لیکن اللہ کا اپنا بیان ایک قانون ہے۔ اسی شہید گنج کے واقعے سے آغا شورش کاشمیری کو احرار میں لا ملایا جو قیام پاکستان سے قبل اور بعد جب تک زندہ رہا حکمرانوں پر کابوس بن کر سوار رہا اور احرار آج بھی زندہ ہیں اور ان شاء اللہ زندہ رہیں گے...... ہمارے ممدوح ابوذر بخاری نے ملتان ہی سے "مزدور" کے نام سے ایک سہ روزہ اخبار جاری کیا جو اگرچہ زیادہ دیر جاری نہ رہا لیکن نوجوان نے بتا دیا کہ ملک میں مزدور کے حامی اگر کوئی ہیں تو وہ احرار ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے جو "مزدور" اخبار نکال کر مزدور کی نمائندگی اور ترجمانی کرتا ہے...... سرمایہ نہ ہو، وسائل نہ ہوں، اشتہارات نہ ہوں اور بڑی بات یہ ہے کہ خود عوام اور غریب ہی اپنے حامیوں کے طرفدار نہ ہوں بلکہ جاگیردار کے نعروں میں آ جائیں جو اپنی سیاست چمکانے کے لئے روپے کے بل بوتے پر لگائیں تو ایسا اخبار کتنی دیر چل سکتا ہے اور بمصداق...... ع

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

"مزدور" توانا اور پھول بننے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ لیکن "مستقبل" "مزدور" اور نادیۃ الادب الاسلامی سے بخاری سید زادے کے جوانی کے ارادوں اور امنگوں کا پتہ چلتا ہے۔ ترقی پسند ادب، ادب برائے ادب،

ادب برائے زندگی یا اسلامی ادب بہت بعد کے نعرے ہیں اس سید زادے نے اپنی زندگی کی ابتداء ہی میں مستقبل، مزدور اور نادیتہ الادب الاسلامی سے کی۔

اور آغاز ہی سے مرحوم نے اردو کی عبارت لکھنے اور چھپوانے میں ایک خاص ذوق اور مزاج کو سامنے رکھا کہ عربی اور فارسی کے جو الفاظ اردو میں آتے ہیں ان پر "اعراب" زیر زبر پیش شد مد سکون کی علامت دی جائے کہ عام پڑھنے والے عربی اور اردو سے خاصے دور جا رہے ہیں (اور اب تو بہت دور جا چکے ہیں) چند دن قبل ایک تقریب میں ایک صاحب "بدرجہ اَتَم" کو بدرجہ اُتم کہہ رہے تھے۔ حالانکہ خاصے پڑھے لکھے ہیں۔ تو مرحوم نے اس طرز نگارش کی ابتداء کی تاکہ ہر کوئی الفاظ کو صحیح پڑھ سکے۔ مثلاً مہتمم کو اس طرح لکھتے تھے اور ایسے بہیمیت کو زیر زبر سے واضح کر دیتے تھے۔ حُسام الدین لکھیں گے تو ح پر ضمہ یعنی پیش ضرور ڈالیں گے۔ افق عالم" کو اُفقِ عالَم" مہیب کو مُہیب" علیٰ ھذا القیاس اور دوسرے یہ کہ عربی میں جہاں کہیں تا (اردو میں ت) استعمال ہوتی ہے وہ گول "ۃ" استعمال ہوتی ہے۔ جبکہ اردو میں "ت" جیسے "جماعت" اور "رحمت" استعمال کرتے ہیں لیکن ابوذر بخاری مرحوم "جماعۃ" اور "رحمۃ" لکھتے اور چھپواتے تھے۔ ہاں اگر فارسی کا لفظ ہے تو وہاں اردو والی "ت" استعمال کرتے تھے۔ مثلاً راست اقدام دست خط لیکن یہ چلن ان کے اپنے اشاعتی کاموں میں رہا۔ کسی اور نے اس کو رواج دینے یا اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ اب خواجہ عابد نظامی صاحب نے خواجہ حسن نظامی مرحوم کا قرآن مجید مترجم شائع کیا ہے اس میں اس کا اہتمام کیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ کیا کہ ترجمے کے ہر لفظ پر اعراب ڈال دیئے جو بہت عجیب لگتے ہیں۔ موصوف اگر رنج نہ فرمائیں تو یہ بھی ہے کہ یہ اعراب کسی مبتدی خوشنویس سے ڈلوائے کہ جن کی وجہ سے ایک اچھا کام بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ یہیں ایک بات عرض کرتا چلوں اگر ہمارے ملک کے ارباب حل و عقد ابتدا ہی سے پاکستان میں عربی زبان کو لازمی قرار دے دیتے۔ تو آج پورے ملک کی زبان عربی ہوتی اور ہم عرب برادری میں شامل ہوتے اور ہمارے فرقہ وارانہ مسائل کسی حد تک حل ہو چکے ہوتے کہ عوام جب اسلام کے اصل ماخذ کتاب اللہ، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے تو علماء حضرات کی دراز دستیوں سے محفوظ ہو جاتے....... بہر حال یہ دو ایک باتیں ضمناً آ گئیں۔ حضرت ابوذر بخاری تلفظ کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ چند سال قبل مجھے عبدالعزیز خالد زید لطفکم نے بھی یہ کہا کہ تم ناشر ہو جو کتابیں شائع کرو انہیں اعراب سے مزین کیا کرو تاکہ عوام کو صحیح تلفظ کا پتہ چل سکے اور میں کئی دفعہ اس کو کرنے کا اہتمام وداعیہ کرنے کے باوجود نہ کر سکا اور یہ بھاری پتھر نہ اٹھا سکا۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے۔ خدا کرے کہ یہ تحریک عام ہو کہ ہمارے نوجوان جو "علماء" کے انگریزی تلفظ پر ہنستے ہیں وہ خود عربی اور فارسی الفاظ کا درست تلفظ کر سکیں۔

حضرت مولانا سید ابوذر بخاری (جنہیں رحمہ اللہ لکھتے قلم کانپتا اور دل لرزتا ہے) ملک کے معدودے ان چند افراد سے تھے کہ جن کے علم کی گہرائی، گیرائی اتنی تھی کہ جس پر بجا طور پر کوئی قوم یا ملت ناز کر سکتی ہے۔ دین و دانش، فلسفہ و منطق، عروض و قوافی، نحو و صرف، عربی و فارسی اور علم و ادب پر اتنا گہرا عبور تھا کہ جو ان سے مل کر کسی بھی مسئلے پر کچھ دریافت کرتا تو اس کے سامنے ایک دبستان کھل جاتا۔ کسی بھی عنوان و

موضوع پر ان کا دماغ بند نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ ان کی اس ذہانت و فقاہت سے زمانہ کام نہ لے سکا۔ اب صحیح سن یاد نہیں۔ انیس سو پچاس کے لگ بھگ کی بات ہے کہ عام خاص باغ ملتان کے ایک رات کے جلسے کی نشست میں انہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے موضوع پر تقریباً تین گھنٹے خطاب کیا۔ (ان دنوں مدرسہ عربی خیر المدارس) اب جامعہ خیر المدارس کے جلسے اسی باغ میں ہوا کرتے تھے) لیکن یہ جلسہ نادیۃ الادب الاسلامی کے زیرِ اہتمام ہوا تھا اور مولانا مجاہد الحسینی اس جلسہ کے سٹیج سیکرٹری تھے۔ تقریر کیا تھی علم و ادب اور خطابت کا ایک ایسا بحر ذخار تھا کہ جس کو سن کر ان کے عظیم والد امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ برصغیر کے سب سے بڑے خطیب، محاورے کی زبان میں انگشت بدنداں تھے اور اپنے نوجوان بیٹے کی اس علمی حیثیت و وجاہت کو دیکھ کر، سن کر خوشگوار حیرت میں مبتلا تھے۔ میں پوری تقریر میں باپ بیٹے کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ چونکہ یہ تقریر بیٹے کی تھی لہٰذا باپ کے چہرے کی تمتماہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔ اگر یہ تقریر ان کے فرزند دلبند کی نہ ہوتی تو حضرت شاہ صاحب تقریر کے بعد ایسے الفاظ میں تعریف کرتے کہ جن کی اپنی ایک شان ہوتی۔ پوری تقریر ہی آب زر سے لکھنے کے قابل تھی۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے دو چار رسمی فقرے کہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ "در مدح پسر خود می گوید" اگر کسی اور کی تقریر ہوتی تو حضرت شاہ صاحب پورے ملک کی اپنی آئندہ تقریروں میں اس کی تعریف کرتے۔ بلکہ چھوٹی منہ بڑی بات اپنے قیافے کی بات کر رہا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب اپنی تقریروں میں اس کے حوالے دے کر مزید اپنے انداز میں تشریح کیا کرتے۔ وہ تقریر ایسی زوردار تھی کہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی دو چار چند اہم سنی ہوئی علمی تقریروں میں سے ایک تھی۔ میں اب لکھنے کے وقت خیال کرتا ہوں کہ تحریک بالا کوٹ اور اس کے نامور قائدین و شہداء کے خون کی خوشبو سید زادے کو آ رہی تھی اور امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کے علم و عمل اور اخلاص کی برکت اور اپنے مجاہد والد کی توجہ کام کر رہی تھی۔ بعض اہل علم کے قول کے مطابق لیلۃ القدر پورے سال کی راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو ممکن ہے یہ لیلۃ القدر ہی ہو۔ اور روح الامین جبریل علیہ السلام اپنے جلو میں فرشتوں کو لئے سید زادے کی تائید کر رہے ہوں۔ اب نہ اس جہاں میں باپ نہ بیٹا اور مجھے کسی کی خوشامد مطلوب ہے اور نہ اس کی ضرورت۔ اچانک لکھتے ہوئے یہ الفاظ دل و دماغ سے نکل کر نوکِ قلم سے حوالۂ قرطاس ہو گئے۔

واردات و مشاہدات کے کالم میں میری یہ عادت ہے کہ عام سادہ زبانوں میں کچھ باتیں لکھ دیتا ہوں۔ ویسے یہ بھی خوب بات قلم سے نکل گئی کہ عام سادہ زبان میں، گویا علمی زبان میں بھی لکھ سکتا ہوں۔ ایسا نہیں ہے علم اور اس کے ساتھ عمل ان دونوں میں سے اپنے دامن میں کچھ نہیں ہے۔ اللہ کے نیک بندوں سے محبت ہے۔ وہ محبت قلم کو چلوا دیتی ہے اور میں لشتم پشتم کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہوں اور ویسے بھی ایک رسالہ کے مدیر کو کچھ نہ کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے۔ احباب ان ٹیڑھی ترچھی لکیروں کو پڑھ لیتے ہیں۔ شاید کبھی کوئی لکھی ہوئی بات اللہ تعالیٰ کو منظور ہو جائے اور اپنا بیڑا پار ہو جائے...... تو آج کی اس محفل میں ابن امیر شریعت کی یاد

میں اپنی یادداشتیں لکھ رہا ہوں۔ ویسے یہ عجیب بات ہے کہ آج کے مخدوم زادوں کے سبھی عظیم آباء سے نیازمندانہ تعلقات تھے اور یہ میرے لئے فخر کی پونجی ہے کہ سبھی اکابر رحمہم اللہ نے اس حقیر کو اپنی شفقت سے محروم نہ کیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس گنہگار کو بس اتنی ہی نسبت رہی اور کچھ حاصل نہ کر سکا۔ اور یہ نسبت اگر کسی کام آ جائے تو وما ذلک علی اللہ بعزیز اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اور الحمدللہ، حضرت ابوذر بخاری سے بعض اوقات میں نے شیخ چلی کی طرح کسی منصوبہ کا ذکر کیا تو ہر دفعہ یہ فرمایا کہ دامے درمے سخنے ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن اس منصوبہ کا خاکہ تو ذہن میں ہمیشہ رہا لیکن عملی قدم اٹھانے کا موقعہ نہ مل سکا اور منصوبہ ابھی تک دل و دماغ سے نکلا نہیں تھا۔ کیا عجب کہ زندگی کی کئی ایک آرزوؤں کی طرح یہ بھی عملی شکل اختیار کر لے یا اس کی ابتدا ہی ہو جائے۔ منہ سے نکلی ہوئی بات کوٹھے چڑھ جاتی ہے۔ جب کوئی آثار پیدا ہوں گے اور زندگی نے مہلت دی اور اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم کیا تو بات سامنے آ جائے گی۔

میں نے "بیس بڑے مسلمان" کی ترتیب کا آغاز ۱۹۶۲ء کے آخر میں کر دیا تھا اور میاں چنوں سے مکتبہ رشیدیہ کی جانب سے شائع ہونے والے مختلف کتابچوں میں اس کا اشتہار دینا شروع کر دیا تھا۔ جس سے اس کتاب کی شہرت ہونا شروع ہوئی لیکن یہ کتاب اپریل ۱۹۶۷ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے حوالے سے مجھے لوگ جاننے پہچاننے لگے۔ الحمدللہ یہ کتاب مقبول ہوئی۔ ایک غیر معروف اور گمنام شخص اب لاہور آ گیا تھا۔ اور یہاں زیادہ آمد و رفت حضرت سید نفیس رقم مدظلہ کے ہاں رہتی جو ۸۸ء میکلوڈ روڈ "چٹان" بلڈنگ میں اپنا دفتر بنائے ہوئے تھے۔ یہاں آغا شورش کاشمیری اور حضرت سید نفیس رقم مدظلہ کی وجہ سے مختلف حضرات آتے۔ حضرت ~~ابوذر~~ بخاری بھی تشریف لائے ان کا قیام دہلی دروازے کے باہر دفتر مجلس احرار اسلام میں ہوتا۔ ان کی تشریف آوری ہمیشہ ہفتہ عشرہ کے لئے ہوتی اور اگر کبھی دفتر [redacted] میکلوڈ تشریف لاتے تو گھنٹوں نشست رہتی۔ ان مجالس سے مرحوم کی بے پناہ علمی صلاحیتوں کا مزید علم ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ طویل نشستیں گویا چند منٹوں پر محیط ہیں۔ وقت گزرنے کا پتہ اس وقت چلتا جب سید نفیس الحسینی مدظلہ کسی کو مخاطب کر کے اپنے مخصوص لہجے میں فرماتے کہ بھئی دیکھو نماز ظہر یا عصر کی اذان میں کتنا وقت رہ گیا۔ حضرت ابوذر بخاری کا دماغ لطائف و ظرائف اور واقعاتی حکایات کا خزانہ تھا۔ کبھی مسکراتے، قہقہہ لگاتے لیکن جب سنجیدہ علمی گفتگو فرماتے تو جس موضوع پر بھی گفتگو فرماتے، سیر حاصل تبصرہ فرماتے۔ بات علمی ہوتی یا سیاسی، کسی فن پر ہوتی یا ادب پر، کوئی تشنگی باقی نہ رہتی۔ میدانی دریا کی طرح ہموار گفتگو ہوتی لیکن اگر کبھی سیاسی موضوع چھڑ جاتا تو پھر پہاڑی ندی نالوں کی طرح اتار چڑھاؤ ہوتا۔ ہر کوئی محظوظ ہوتا۔ عربی اور فارسی پر گہرا عبور تھا اور اس پر ابتدائی دو تین کتابیں بھی لکھیں.........(۱)

ایک دفعہ آنجہانی ظفر اللہ خان نے ایک بیان میں کہا کہ "عطاء اللہ شاہ بخاری مر گیا ہے"۔ گویا اب ہم کو زیادہ خطرہ نہیں۔ آغا شورش کاشمیری مرزائیت کے معاملے اور حضرت شاہ صاحب کے بارے میں بہت

---

(۱) مجمع المصادر العربیہ، کان پارسی

حساس تھے۔ آئندہ "چٹان" کے ٹائیٹل پر مولانا سید ابوذر بخاری کی پورے صفحہ پر تصویر شائع کی اور نیچے لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ ہے" اور واقعہ یہ ہے کہ جب تک مجلس احرار اسلام کے بانیان کی اولاد اور متبعین خصوصاً اور امت مسلمہ عموماً زندہ و بیدار ہے۔ اور مجلس احرار اسلام کی کوکھ سے نکلی ہوئی مجلس تحفظ ختم نبوت موجود ہے۔ مرزائیت کا تعاقب اور محاسبہ جاری رہے گا۔ کیا ہوا کہ مرزائیوں نے اپنی دولت کے بل بوتے پر سیٹلائیٹ کا انتظام کر کے اپنے غلط اور باطل خیالات کو پھیلانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ الحمدللہ ختم نبوت کے پروانے کل بھی مفلوک الحال ہونے کے باوجود برطانیہ کے خود کاشتہ پودے (بقول مرزا غلام احمد قادیانی) کو جب کہ برطانوی استعمار کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا مقابلہ کرتے رہے اور اب جب کہ برطانیہ کی حکومت سمٹ سمٹا کر اپنے ملک یا دنیا کے کسی تھوڑے حصہ پر رہ گئی ہے تو یہ لوگ بھی مرغی کے بچوں کی طرح دوڑ کر برطانیہ کی چھتری یا پروں کے نیچے پناہ لئے ہوئے ہیں۔ مرزا تو جب تھا کہ مرزا صاحب کے مدفن قادیان کی طرف رجوع کرتے۔ بہرحال اب پوری دنیا میں ان کا تعاقب ہوگا اور ہو رہا ہے۔ جہاں جہاں وہ جائیں گے، بخاری کے شیدائی و فدائی وہاں پہنچیں گے۔ چند سال پہلے کیمبرج یونیورسٹی میں ابنِ امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری کی سرکردگی میں وہاں کے طلبہ نے جو کارنامہ سر انجام دیا تھا۔(۲) اس کی تفصیل راقم کے ذمہ ہے اور لندن کے "اسلام آباد" میں رہنے والوں کو خوب معلوم ہوگی۔ ان شاء اللہ میں بھی کسی وقت عرض کروں گا کہ "میں بھی حاضر تھا وہاں"

گزارش یہ کرنا مقصود ہے کہ:

ہوا ہے گو تند و تیز، لیکن، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

بچپن سے ایک شعر پڑھتے سنتے آئے تھے کہ:

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

یہ شعر معنوی اعتبار سے اس وقت اپنا مفہوم واضح کرتا ہے جب آپ مدتوں سے کسی بچھڑے ہوئے دوست سے ملیں اور تقریباً اکثر لوگوں کو ایسا موقعہ نصیب ہوتا ہے جب اپنے گاؤں، محلے یا سکول، کالج اور مدرسہ کے دوست سے سالوں بعد اچانک ملنا ہوتا ہے اس وقت فریقین کی مسرت دیدنی ہوتی ہے۔

---

(۲) حضرت سید عطاء المحسن بخاری نے سامعین میں سے کھڑے ہو کر حجازی لحن میں صرف قرآن کریم کی تلاوت کر کے کیمبرج یونیورسٹی میں مرزائیوں کا ایک جلسہ اُلٹ دیا تھا اور مرزائی سٹیج چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بالکل اسی طرح ۱۹۱۶ء میں بندے ماترم ہال امرتسر میں مرزا بشیر الدین کے جلسہ میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے سامعین میں سے اٹھ کر مرزا بشیر کو حدیث کی تلبیس کرنے پر ٹوکا اور مرزا سٹیج چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ (مدیر)

جالندھر خیر المدارس میں چار پانچ طالب علم اکٹھے پڑھتے تھے قیام پاکستان کے بعد ان میں سے ایک بہاولپور سے جامعہ ازہر اور وہاں سے برطانیہ برسوں رہ کر جناب مسعود کھدر پوش (اس وقت کے ناظم اعلیٰ اوقاف) سے مصر میں اور بعد میں برطانیہ میں متعارف ہوئے۔ مسعود صاحب ان صاحب (ڈاکٹر رشید احمد جالندھری حال ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) سے متاثر ہوئے اور ان کی محکمہ اوقاف میں بطور مشیر تعلیم و مطبوعات محکمہ اوقاف تقرری کر کے ان کو اطلاع دی اور ڈاکٹر صاحب لاہور آ گئے۔ دوسرے تمام احباب مولانا سید عطاء المنعم بخاری، مولانا عبد المنان شاہد، مولانا گلزار احمد مظاہری، مولانا مجاہد الحسینی یہیں پاکستان میں تھے اور ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ رائے ونڈ کے اجتماع میں برادر محترم مولانا مجاہد الحسینی نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر رشید احمد صاحب فلاں محکمہ میں ہیں ان سے ملو۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارا باہمی تعارف ہے۔ لیکن یہ تعارف یک طرفہ تھا یعنی میں تو ڈاکٹر صاحب کو جانتا تھا اور رائے پور کی تعلیم کے دوران ان سے ملا بھی تھا جب وہ دار العلوم دیوبند سے گھر آئے تھے۔ میرے ذہن پر ان کی ذہانت کا نقش مرتسم تھا بہر حال میں محکمہ اوقاف کے دفتر شاہ چراغ ہائیکورٹ ملنے گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو مجھے رسمی پوچھا کہ کیسے آئے؟ لیکن جب میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپ کے گاؤں رائے پور میں پڑھتا رہا ہوں اور قریب کے ایک گاؤں ہری پور سے ہوں، تو بے تکلفی ہو گئی کہ ڈاکٹر صاحب بھی لاہور میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہے تھے اور غالباً سوائے حکیم محمد شریف جگرانوی کے کہ جن کے ساتھ دار العلوم دیوبند پڑھتے رہے تھے کسی اور سے چنداں واقفیت نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرداً فرداً اپنے تمام احباب کے متعلق پوچھا۔ میں سب سے متعارف تھا۔ رائے پور کے دو تین خاندان میاں چنوں رہتے تھے۔ ان کا ذکر کیا اور یوں مستقل راہ و رسم ہو گئی۔ ایک دفعہ مولانا سید عطاء المنعم لاہور تشریف لائے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ کہ ان سے ملاقات کی شدید خواہش ہے۔ یہ ۱۹۷۰ء، ۷۱ء کی بات ہے لیکن ساتھ یہ کہا کہ ان کو میرا بتلانا نہیں، مولانا، حضرت سید نفیس رقم کے پاس تشریف لائے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو مال روڈ گارڈینیا میں چائے پلانا ہے۔ پہلے تو انکار کرتے رہے کہ میں ایسی جگہوں سے چائے نہیں پیتا پھر میرے اصرار پر مان گئے۔ وقت طے ہو گیا۔ میں ان کو ساتھ لے کر "گارڈینیا" گیا جو بعد میں "سلاطین" بنا اور آج کل وہاں کتابوں کی دکان ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے سے وہاں موجود تھے اُٹھ کر ملے۔ میں نے تعارف کرایا کہ یہ دوست برطانیہ سے تشریف لائے ہیں اور آپ سے ملنے کے خواہشمند تھے۔ تو شاہ صاحب نے کہا کہ رازی صاحب ہیں؟ رازی پاکستانی میاں چنوں کے عزیز دوست برطانیہ میں رہتے تھے اور دو تین دفعہ ملتان حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی میں حاضری کے لئے گئے تھے۔ ایک دفعہ میں بھی ساتھ تھا۔ شاہ صاحب یعنی ابوذر بخاری سے بھی ملاقات ہوئی لہذا شاہ صاحب کا ذہن ادھر گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے متعلق انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے خاص انداز اور تکیہ کلام میں کہا کہ حد ہو گئی شاہ صاحب آپ نے مجھے پہچانا نہیں اس پر شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بغور دیکھا اور رشید احمد ہو کہہ کر ملاقات کے لئے اٹھے، معانقہ، مصافحہ ہوا اور وفور جذبات سے دونوں آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے اور شاہ صاحب نے کہا کہ اب میں نے آپ کی کشادہ

پیشانی اور اس پر ہلکے تبسم کو دیکھا تو فوراً جالندھر کی یاد آ گئی۔ بہر حال یہ نشست بڑی طویل رہی اور پھر دوبارہ ملاقات کے وعدہ پر ختم ہوئی۔ کچھ عرصے بعد شاہ صاحب دوبارہ لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب نے شادمان اپنی قیام گاہ پر پُر تکلف دعوت دی۔ دو ایک دوستوں نے کھانا پکایا اور یہ نشست بھی گھنٹوں پر محیط تھی۔ اور شاہ صاحب نے کچھ دیر آرام بھی کیا...... یہ دونوں کی ملاقات تقریباً ۲۳ سال بعد ہوئی تھی۔ طالب علمانہ زندگی عجیب و غریب اور بہت سہانی ہوتی ہے اور سکول مدرسہ کے دوست ساری عمر یاد رہتے ہیں۔ بہر حال یہ بہت خوبصورت ملاقات تھی اس کے بعد ملتان ان حضرات کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ڈاکٹر صاحب ملتان اپنے اپٹک دوسرے ہم جماعت دوست چودھری محمد سلیم جو ہمارے علاقے کے بہت دین دار اے ڈی آئی آف سکولز چودھری عبدالخالق کے لڑکے ہیں ان کے پاس ملتان جا کر ان کو لے کر شاہ صاحب سے ملتے رہے۔ حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ، حضرت مولانا سید حامد میاں بانی جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے اصرار پر جامعہ مدنیہ اٹھ آئے اور اب مولانا سید ابوذر بخاری جامعہ مدنیہ تشریف لایا کرتے اور وہی گھنٹوں مجلس رہتی۔ اور آغا شورش کاشمیری بھی حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ سے ملنے کبھی کبھار تشریف لاتے۔

اب آخر میں ایک بہت اہم یادداشت قلم بند کر رہا ہوں جو اکثر لوگوں کو یاد ہو گی۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت چلی۔ جس کے نتیجے میں مرزائیوں کو پارلیمنٹ میں خاصے بحث و مباحثے کے بعد غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس فیصلے سے پہلے مجلس عمل کا لاہور بادشاہی مسجد میں جلسہ ہوا جس میں تقریباً تمام دینی جماعتوں کے سربراہوں اور اہم زعماء نے حصہ لیا۔ شاہی مسجد میں اتنا بڑا مذہبی جلسہ میں نے نہیں دیکھا۔ مسجد کے دالان کے آگے بلند سٹیج تھا اور تمام قائدین کے آنے کا راستہ شاہی مسجد کے جنوب مغربی دروازے سے تھا جو برآمدے سے ہو کر دالان میں آتا تھا۔ مجلس عمل کے صدر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ جو ہمارے جانے سے پہلے آ چکے تھے۔ یا پھر ان کے آنے کا ہمیں علم نہ ہوا کہ ہم سٹیج سے بہت دور تالاب کے ساتھ بیٹھے تھے جلسہ کا آغاز کافی دیر سے ہو چکا تھا۔ مختلف حضرات تقریریں کر چکے تھے کہ مولانا سید ابوذر بخاری کی تقریر کا اعلان ہوا۔ سید ابوذر بحیثیت صدر مجلس احرار اسلام، مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ایک رکن تھے۔ اتنے میں مسجد کے باہر اچھے خاصے گولے چلے یہ آواز بندوق، رائفل کے مشابہ تھی۔ بہت سے لوگوں کو اشتباہ ہوا کہ شاید باہر جنوب مغربی دروازے کے ساتھ گولی چل گئی ہے اور کوئی فساد یا پولیس سے تصادم ہو گیا ہے کہ تحریک ایسے موڑ پر پہنچ گئی تھی کہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ایسے حالات میں سامعین میں سکون نہیں رہتا اور لوگ گردنیں اٹھا کر یا کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جاتے ہیں اور صورت حال جیسا کہ عرض کیا مولانا سید ابوذر خطبہ کا آغاز کر چکے ہیں۔ اس ہٹر بونگ سے وہ خاموش ہو گئے یا شاید بیٹھ گئے ہمیں معلوم نہ ہو سکا پتہ چلا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی آئے ہیں۔ اور ان کی آمد پر اسلامی جمیعت طلبہ نے خیر مقدم یا استقبال کرتے ہوئے گولے چلائے ہیں۔ جب کہ اس سے قبل ایسا نہیں ہوا تھا۔ اگر ہوتا تو صدر مجلس عمل مولانا سید محمد یوسف بنوری کی آمد پر ہوتا...... پھر سکون ہو گیا اور مولانا سید ابوذر بخاری سے انتظامیہ نے کہا کہ آپ تقریر شروع کریں وہ مان نہیں رہے تھے کہ جلسہ میں سب مقررین کی حیثیت بحیثیت نمائندہ جماعت برابر

تھی اور پھر مولانا ابوذر بخاری تو امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے جانشین تھے کہ جن کی مساعی سے مجلس احرار اسلام کے قیام سے قبل ہی سے مرزائیت کا تعاقب جاری تھا۔ گویا مولانا سید محمد یوسف بنوری صدر مجلس عمل کے بعد اگر کسی کی حیثیت امتیازی تھی تو وہ جانشینِ امیر شریعت کی تھی کہ جن کے والد کو حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری نے شیرانوالہ انجمن خدام الدین لاہور کے جلسہ میں سیکڑوں علماء کی موجودگی میں مرزائیت کے خلاف مزید نمایاں کام کرنے کے لئے امیر شریعت قرار دے کر پہلے بیعت کی اور پھر سیکڑوں علماء نے۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری انہی محدث کشمیری کے جانشین اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ان دنوں امیر اور اپنی علمی وجاہت کی بناء پر مجلس عمل کے امیر تھے۔ مجلس احرار اسلام کے بانیاں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام کے ساتھ ساتھ مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کر کے اس کے پہلے امیر بنائے گئے اور آج اسی کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوری تھے۔ میں یہاں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک میں جماعت اسلامی نے کیا کردار ادا کیا تھا اور مولانا سید [illegible] مودودی نے انکوائری کمیشن کے سامنے کیا بیان دیا تھا۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ لاہور میں مارشل لاء لگے [illegible] دوران ایک پمفلٹ لکھنے کی پاداش میں مولانا سید ابوالاعلیٰ کو مارشل لاحکام نے سزائے موت کا حکم سنایا تھا۔ تاہم ذکر آنے پر یہاں مولانا سید ابوذر بخاری ہی کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو انہوں نے چودھری افضل حق کی تحریر کردہ "تاریخ احرار" کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۶۸ء کے شروع میں طویل مقدمہ کلمات کے ذیل میں لکھی تھی۔

"اس جماعت (جماعتہ اسلامی) نے تحریک ۱۹۵۳ء کے مدوجزر پر موقع پرستانہ نگاہ رکھی، بہ شرط کامیابی ساتھ ہونے کا دعویٰ رکھنے اور بہ صورت ناکامی ......اپنی اختلافی رائے کو دلیلِ فرار بنانے کی دوغلی پالیسی اپنائے رکھی" (تاریخ احرار ص ۱۴)

انکوائری کی یہ تفصیل طویل بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ اس جلسے کے روح رواں سید ابوذر بخاری کی تقریر اس تاریخی جلسہ میں نہ ہو سکی جو مختصر ہونے کے باوجود تاریخی ہوتی..... جب لوگوں اور نعروں کا شور کم ہوا اور جیسا کہ عرض کیا مولانا سید ابوذر سے کہا گیا اب تقریر فرمائیں لیکن وہ مان نہیں رہے تھے۔ سٹیج پر سربرآوردہ حضرات کے اصرار پر مولانا سید ابوذر بخاری نے دوبارہ تقریر شروع کی تو اب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سٹیج کے قریب پہنچ چکے تھے اس پر پھر سید مودودی، مرشد مودودی کے نعرے شروع ہو گئے۔ سید ابوذر بخاری نے سٹیج پر ہی بیٹھ گئے اور آخر وقت تک بیٹھے رہے۔ اسی شور وغل میں اس کے بعد دو تین مقررین نے تقریریں کیں علامہ احسان الٰہی ظہیر سٹیج سیکرٹری تھے وہ اپنی گرجدار آواز اور پوری کوشش کے باوجود سامعین کو خاموش رہنے پر آمادہ نہ کر سکے۔ اور پھر سید مودودی کی باری آئی اور ان کا نام پکارا گیا۔ آج کے مقرر خصوصی مولانا مفتی محمود کی آمد ابھی باقی تھی۔ نوجوان خون ہر جماعت کے کارکنوں کا ایک جیسا ہوتا ہے اور وہ جذبات سے مشتعل ہو کر ایک جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔ جمعیتہ علماء اسلام اور احرار کے کارکن مولانا سید ابوذر کی تقریر کے وقت دیکھ چکے تھے کہ کیا ہوا جیسے اسلامی جمعیت طلبہ کے

ارکان نے کیا تھا۔ اس سے سوا مولانا مفتی محمود صاحب کے مداحین نے کیا۔ اب مفتی صاحب کو تو یہ نہیں پتہ تھا کہ اصل راستہ آنے کا کون سا ہے، باہر کھڑے منتظر نوجوان ان کو مسجد کے صدر دروازے سے اندر لے آئے۔ اب درمیان میں سٹیج تک کوئی راستہ تو تھا نہیں۔ لوگوں کے جم غفیر کے درمیان میں سے گزرے تو لوگ کھڑے ہو گئے اور راستہ دینے لگے۔ مولانا مودودی تقریر شروع کر چکے تھے۔ لیکن اس شور و غل میں تقریر کرنا ممکن نہ تھا اور پھر ایسے شخص کے لئے کہ جس نے قبرستان ایسے سناٹے میں تقریریں کی ہوں کہ جماعت کے جلسوں میں کوئی اونچا سانس بھی نہ لیتا تھا اور کھانسی کو بھی روکتا تھا۔ یہاں یہ حالت ہوئی تو مولانا نے تقریر بند کر دی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوان جو اس صورت حال کو پیدا کرنے کا باعث بنے تھے انہوں نے اب اسے اپنے لیڈر کی توہین سمجھا اور مفتی محمود کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا۔ اس پر مزید شور مچا۔ اب یہ لوگ ہوش و حواس پر قابو نہ رکھ سکے اور بعض شرپسندوں نے جو ایسے واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں سٹیج سے مفتی محمود کی طرف جوتے پھینکنے شروع کر دیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی گیا گزرا مسلمان ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ یقیناً کسی خاص گروہ کے آدمی تھے۔ مفتی محمود اب سٹیج کے ساتھ تھے ان کو ہاتھوں سے کھینچ کر سٹیج پر چڑھایا گیا۔ جب شرپسندوں نے دیکھا کہ مفتی صاحب سٹیج پر پہنچ چکے ہیں تو ان شرپسندوں نے آخری راؤنڈ کھیلنا چاہا لیکن اس وقت تک احرار، خاکسار اور جمعیۃ علما۔ اسلام کے رضاکار نوجوانوں نے یکجان ہو کر شرپسند ٹولے کو جنوب مغ' دروازے تک لے جا کر کچھ پٹائی کی۔ اس دوران عوام میں سے یعنی سامعین سے لوگ مسجد سے نکلنا شروع ہو گئے۔ اس نامناسب رویہ سے لوگ ادھر ادھر ہوئے تو لاؤڈ سپیکر کا نظام بل گیا اور سپیکروں سے آواز آنا بند ہو گئی۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مظفر علی شمسی کی گرجدار آوازوں نے مجمع کو بیٹھنے اور سکون سے جلسہ سننے کی بار بار اپیل کی۔ اس شب آغا شورش کاشمیری نجانے کہاں تھے۔ شاید علیل تھے ورنہ چند منٹ میں سارے ہنگامے پر قابو پا لیتے۔ اب کچھ مائیک کا نظام درست ہوا اور مفتی صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ اس پر پھر شرپسند لوگ جنوب مغربی دروازے سے نعرے لگانے لگے لیکن کچھ نہ ہو سکا اور مفتی صاحب نے اپنے زندگی بھر کے معمول کے خلاف زور دار الفاظ میں تقریر کا آغاز کیا اور کہا کہ یہ کون لوگ ہیں جو مجلس عمل تحفظ نبوت کے جلسہ کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ اپنی اوقات میں رہیں۔ ہم تو وقت کے آمروں کے خلاف کہ جن کے پاس ملک کی تمام فورسز (طاقتیں) ہوتی ہیں ان سے نہیں ڈرے، انگریزوں سے ٹکرلی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ خبردار میں ختم نبوت کے پاکیزہ اور مقدس مقصد کے لئے ایک ادنٰی سے ادنٰی انسان کے جوتے اٹھانے کو تیار ہوں لیکن ایسی حرکات سے ہمیں خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا اور ہم اپنے موقف سے روگردانی نہیں کر سکتے اور پھر موجود ہزاروں لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ ہو یا ایسے لوگوں کے ساتھ جو ایسے مقدس کام میں رخنہ ڈال رہے ہیں ہاتھ اٹھاؤ؟۔ سب لوگوں نے ہاتھ اٹھائے اور مفتی صاحب نے اپنی مسئلہ ختم نبوت پر اسمبلی کی کارروائی سنائی اور جلسہ بخیر و خوبی دعا کے ساتھ ختم ہوا۔ مولانا مودودی نے جب شور دیکھا تو وہ اپنی مطبوعہ تقریر تقسیم کر کے سٹیج سے اٹھ کر چلے گئے۔ حالانکہ ان کو آخر تک بیٹھے رہنا چاہیئے تھا تاکہ اپنے معتقدین کو قابو میں رکھتے یہ ان کی زبردست غلطی تھی

کہ اپنے ورکروں کے شور و شرابے میں چلے گئے اگر حالات بے قابو ہو جاتے تو ان کو کون قابو میں لاتا......

انگریزوں کے زمانہ میں جلسوں میں گڑبڑ ہوتی تو احرار رضا کار کسی کو پتہ بھی نہ لگنے دیتے اور فضاء پر سکون ہو جاتی۔ احرار کے جلسوں میں عام طور پر سرکاری یا تنخواہ دار لوگ ایسا کام کیا کرتے تھے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنی آخری عمر میں اپنی جماعت کے ایسے ہی نوجوانوں اور لوگوں سے مایوس سے ہو چلے تھے۔ اس کا ایک مظاہرہ راقم نے اپنی آنکھوں سے ان کے جنازہ کے متعلق تنازعہ اور تدفین پر دیکھا......

مولانا ابوذر بخاری کی یاد میں لکھتے ہوئے انہی کی ایک تقریر کے سلسلے میں یہ ناخوش گوار تفصیل لکھنا پڑی کہ شاید مرزائیوں نے اس کو بڑھا چڑھا کر نہ لکھا ہو جیسا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ موجودہ خلیفہ نے ایک تقریر میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے متعلق عجیب و غریب معلومات فراہم کر کے ان کو مرزائیت کی مخالفت کا عتاب قرار دیا ہے۔

سردار احمد خاں پتافی نے "تنظیم اہل سنت" قائم کر کے ردّ رفض میں بڑا کام کیا تھا اور حضرت امیر شریعت سے ہر سال اوسطاً ایک ماہ (اگر آزاد ہوں) ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ کے لیے لے رکھا تھا۔ سید ابوذر بخاری نے اس کو آگے بڑھاتے ہوئے۔ یہ تحریک چلائی کہ اپنی اولاد کے نام صحابہ کرام، صحابیات اور اہل بیت کرام کے نام پر رکھے جائیں۔ چنانچہ اپنے بیٹوں کا نام محمد معاویہ اور محمد مغیرہ رکھا۔ اور اس کو بطور تحریک پورے ملک میں چلایا اور پھیلایا...... "مستقبل" اور "مزدور" نامی پرچہ و اخبار تو شروع میں نکالے لیکن اب ۲۵ سال سے پندرہ روزہ "الاحرار" نکال رہے تھے۔ جو مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ آج کل اس کا اہتمام آپ کے بیٹے سید محمد معاویہ بخاری سلمہ اللہ کر رہے ہیں۔ آپ کے قلم سے کان پارسی، مجمع المصادر (عربی) احکام عید الاضحیٰ و عید الفطر، مفکر احرار چودھری افضل حق، مقدمات امیر شریعت، شیخ حسام الدین، تکلیں جو اپنے اپنے موضوع پر بہت عمدہ ہیں۔ اس طرح حضرت امیر شریعت کا کلام بنام "سواطع الالہام" شائع کیا جس کے شروع میں طویل مقدمہ لکھا۔ ان کتب کو ملا کر پچاس کے قریب مختلف کتب و رسائل مختلف اوقات میں شائع کئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ۱۹۶۱ء میں انہوں نے یوم معاویہ منانے کی تحریک شروع کی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ اس یوم پر پابندی لگی تو حضرت مولانا محمد علی جالندھری بہت متفکر ہوئے کہ پاکستان میں کاتب الوحی، خال المسلمین اور عظیم المرتبت صحابی، ایسے صحابی کہ جن کے ہاتھ پر حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے بیعت کی ان کا یوم منانا ممنوع ہے۔ یہ میری حضرت جالندھری سے خود سنی ہوئی بات ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ضلع ملتان کی آخری حد پر جلسہ رکھا جائے۔ پورا اہتمام کر لیا جائے اور اگر پابندی لگے تو وہی جلسہ ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) کی حدود میں کر لیا جائے۔ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے ایک دفعہ جلسہ رکھا تو حکومت نے گرفتار کر لیا اور بھرے پُرے اسلامی ملک میں کسی نے ضمانت نہ دی لیکن الحمدللہ (ملتان کے ایک قدیم احرار کارکن ملک عطاء اللہ جو اس وقت کیمونسٹ پارٹی میں تھے نے ضمانت دی) ان کی مساعی بار آور ہوئیں۔ یہاں ضمناً عرض کرتا چلوں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم نے حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کی بہت شان بیان کی ہے۔ یہ ہمارے لئے حضرت معاویہ کی فضیلت وصحابیت کے لئے دلیل نہیں۔ وہ اس اور اس جیسی ہزار دلیلوں کے بغیر بھی جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اس لئے بیان کیا کہ اکثر بریلوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہ عزت نام لینے سے گھبراتے اور کتراتے ہیں.......

مولانا سید ابوذر بخاری نظم و نثر، تقریر و تحریر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چھے سات گھنٹے کسی خالص علمی موضوع پر مربوط مدلل تقریر کر لینا آپ کے لیے بہت آسان تھا۔ بوجوہ تحریری کام کم کر سکے، نظم، نعت، منقبت میں بھی کمال حاصل تھا ان کے فنی اور ادبی محاسن سے ان کی قادر الکلامی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے شہدائے بالاکوٹ پر ایک طویل نظم لکھی۔ جس میں شہدائے بالاکوٹ کو عجیب بلیغ انداز میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم اُن کی شعری کاوشوں کا شاہکار ہے

ذہن میں اور بہت سی باتیں آ رہی ہیں ان شاء اللہ پھر کسی فرصت میں عرض کروں گا۔

ماہنامہ الرشید لاہور (نومبر ۱۹۹۵ء)

سید ابوذر بخاری

لوامع الکلم

غرور عقل ہوگا اب شناسا عشق منزل سے
جہاں میں انقلاب آئے گا میرے عزم کامل سے

بجے گا ساز شوق اب زخمہ شور جلاجل سے
چمکنے کو ہے مطلع خندہ برق صیاقل سے

لپکنے کو ہے شعلہ اب فغاں قلب مسائل سے
دہکنے کو ہے فردوس بغاوت نالہ دل سے

ابل جائیں گے دریا اور گونجیں گے دمن صحراء
جبل دھکیں گے اب ہنگامہ رزم و مقاتل سے

چٹکنے کو ہے غنچہ اب تو اذعان حقائق کا
مہکنے کو ہے گلزار جہاں بوئے فضائل سے

بنے گا ذرہ ذرہ قیس عامر دست الفت کا
ابھی جھانکے گی لیلیٰ طلب گرد قوافل سے

کنارے آ لگے گی کشتی امید لمحوں میں
اگرچہ اٹھ رہی ہے موج طوفاں کنج ساحل سے

وہ ابھرا جزم راسخ عزم کامل شوق پائندہ
زمام اختیار اب چھین لی جائے گی باطل سے

فقط اب آپ کی نظر عنایت چاہیے ہم کو
بدل جائے گا نظم بزم ہستی رقص بسمل سے

دل رنگیں اداء دیوانہ خیرالبشر دارم
بیادش چشم گل فشاں شام و سحر دارم

سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نعت

کارواں لٹ گیا، دل ستاں گم ہوا، اب جو بچھڑے ہیں ساتھی کدھر جائیں گے
یا مرادِ محبت ملے گی ہمیں یا پھر ارماں لے کے ہی مر جائیں گے

ہم ہیں گل آشنا، ہم تو ہیں باغباں، ہم سے قائم ہے ساری بہارِ چمن
ہم جو خاطر میں لائے نہ صیاد کو، ہم خزاں سے بھلا کیسے ڈر جائیں گے

ہم نقیبِ خلوص و اسیرِ وفا، ہم نے معیارِ الفت دو بالا کیا
روئیں گے یاد کر کر کے اہلِ نظر، کارنامے ہم ایسے بھی کر جائیں گے

درد و غم لے کے آخر کہاں جائیں ہم، اہلِ دل کی یہاں کوئی قیمت نہیں
آپ ہی ہاتھ اپنا بڑھا دیجئے، ورنہ تنہا ہی بے راہ بر جائیں گے

راستہ ہے کٹھن، اور سفر پُرخطر، پھر بھی کچھ غم نہیں
اپنا سایہ ہی سمجھیں، گر ساتھ لیں، پھر تو ہم باخبر بے خطر جائیں گے

غنچہ ہائے تبسم، سخن کے گہر، آپ کی ہی نگاہوں کے برق و شرر
ہوش و حیرت کے دامن میں سمٹے ہوئے، ساتھ تا حدِ فکر و نظر جائیں گے

آپ کی اک تجلی کا فیضان ہے، ہیں منور مری روح و قلب و نظر
سوچتا ہوں کہ کیا حشر ہو گا بپا، چار سو جب یہ جلوے بکھر جائیں گے

آپ کی دید ہے حاصلِ زندگی، ہٹنے پائے نہ صورت کبھی آپ کی
ڈوب جائے گا ورنہ مہِ زندگی، وادیٔ موت میں ہم اتر جائیں گے

آپ کو ہے قسم آپ کے حُسن کی، آپ ہر گز نہ مستور ہوں باخدا
آپ کا روئے انور ہے قبلہ نما، سارے سجدے اسی سمت پر جائیں گے

آپ کی اِک توجہ کا اعجاز ہے، آپ کی اک نظر اپنی معراج ہے
ورنہ اس کا تصور بھی ممکن نہ تھا، یوں نگہ سے دو عالم گزر جائیں گے

عقدہ معراج سے بھی یہی حل ہوا، زد میں انساں کی افلاک و آفاق ہیں
کس کو معلوم تھا عرش سے بھی وراء یوں بشر بلکہ خیرالبشر جائیں گے

میں ہوں بیمار الفت مگر لا دوا، ہے مدینہ میں سویا مسیحا مرا
میری تسکیں نہ ہو گی جہاں میں کہیں، مجھکو لیکر کہاں چارہ گر جائیں گے

❋

محمد اسلم شیخوپوری

ایک عظیم مجاہد

جانشین امیر شریعت، قائد احرار حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری تقریباً ستر برس کی عمر میں ۲۷، ۲۸ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء پیر اور منگل کی درمیانی شب اپنے ہزاروں متعلقین و معتقدین کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اس میں شک نہیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک بہت بڑے انسان کے بیٹے تھے اور انہوں نے اپنے عظیم باپ کی عظیم روایات کو بھی خوب اچھی طرح نبھایا لیکن ان کا اعزاز و اکرام محض ایک بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے ذاتی کمالات، انسانی اخلاق، وسیع مطالعہ اور اسلامی صفات بھی ایسے تھے کہ ان کے دشمن بھی ان کے احترام پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

شعر و ادب، تصنیف و تالیف، وعظ و خطابت، درس و تدریس اور تعلیم و تربیت جیسے بظاہر متضاد شعبوں میں وہ یکساں مہارت رکھتے تھے، ان کی پچاس کے قریب تصانیف ان کے علم و قلم کی میراث کے طور پر ہمیشہ ان کی یادوں کو تازہ رکھیں گی۔

مجلس احرار اسلام کے ساتھ ان کا تعلق اتنا شدید تھا کہ بسا اوقات دوسرے تعلقات اس کے مقابلے میں ماند پڑ جاتے تھے وہ سات برس تک مجلس احرار کے امیر رہے۔ قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں پہلی بار انہوں نے جمعہ کا اجتماع منعقد کیا اور وہاں مسلمانوں کی پہلی مسجد، "جامع مسجد احرار" کی بنیاد رکھی۔

دفاع صحابہ کے سلسلے میں بھی ان کی خدمات قابل رشک ہیں صحابہ کے بارے میں وہ کسی قسم کی رواداری کے قائل نہ تھے انہیں فنافی الصحابہ کا لقب دینا یقیناً مبالغے سے خالی ہوگا۔ مذہب، تاریخ، ملک اور سیاست کے حوالے سے جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اسے ڈنکے کی چوٹ لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کر دیتے۔ اکابر کا احترام، بزرگوں کے فرمودات، معاصرین کی آراء، مخالفین کی غوغا آرائی، دشمنوں کی ژاژخائی اور قید و بند کا خوف انہیں اپنی رائے کے اظہار اور حق کے بیان سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

لاکھوں کے مجمع اور جبہ و دستار کی ہمہ گیر بہار میں بھی اگر کوئی بات خلاف حقیقت کہی جاتی تو وہ اس کی تردید میں لمحہ بھر توقف نہیں کرتے تھے، رسمی قسم کے آداب محفل اور زمانہ سازی کا خیال ان کی زبان پر قدغن نہیں لگا سکتا تھا۔ آج جب کہ "جمہوریت" کا مرض عوام تو عوام خواص تک کو لاحق ہو چکا ہے اور بڑے بڑے مدعیان دین بھی جمہوریت کی تنگنائے سے اسلامی انقلاب کی آمد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور اپنی ساری توانائیاں اسی مغرب زادی کے کاکل و رخسار کی تزئین و آرائش کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ جمہوریت زدگی کے اس ماحول میں انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں اس کی تردید کی اور برسر عام کہا کہ

"بعض فریب خوردہ علماء اور جماعتیں برسوں تک ہماری غریب جماعت مجلس احرار اسلام کا حسب

سابق مذاق اڑاتے رہے اور ہمارے ساتھ اس بحث میں مصروف رہے کہ آپ پہلے جمہوریت بحال کرالیں پھر اسلام آجائے گا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ اسلام کو جمہوریت کی چادر میں لپیٹ کر لانے والو! تم نے دس سال تک جمہوریت کے نام پر اسلام کو رسوا کیا، اسلام نہیں آیا۔ پھر دس سال تک جمہوریت کو ڈکٹیٹر شپ کی گود میں پالنے والوں نے ڈکٹیٹری کا بیوپار کیا۔ جمہوریت تو نہ آئی مگر ڈکٹیٹر شپ آگئی۔ پھر ڈکٹیٹر شپ کو ہٹانے کے لئے ایک اور ڈکٹیٹر آگیا۔ صدارت بھی گئی اور جمہوریت بھی، اسلام پھر یتیم اور مظلوم!

بد نصیب ہیں وہ علماء، وہ دینی جماعتیں اور ان کے سیاسی لیڈر جو اسلام کی بجائے جمہوریت کا پرچم اٹھائے قیادت کا راگ الاپتے رہے لیکن مسلمانوں کی قدر مشترک، اجتماع کے نشان اور مرکزیت کی علامت، ختم نبوت کے لئے ان کو اکٹھا ہونا یاد نہ رہا۔ وہ اپنی آنکھوں سے جمہوریت کا حشر دیکھ چکے۔ انھوں نے پہلے جمہوریت کے نام پر اسلام کو برباد کیا، پھر ڈکٹیٹر شپ آئی اور ڈکٹیٹر شپ کے بعد اب پھر جمہوریت کا راگ الاپا جارہا ہے۔

آج سن لو! جب تک اسلام کو اسلام کے نام سے نہیں لایا جائے گا، اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں۔ کوئی کافرانہ جمہوریت، امریکی صدارتی نظام، برطانوی پارلیمانی نظام، کسی ماؤ، لینن وسٹالن کا کفریہ نظام سوشلزم اور کمیونزم اسلام کو نہیں لاسکتا۔ اسلام اپنے نام سے آئے گا اور کفر اپنے نام سے۔ جب تک اس سیاسی ناٹک اور فریب کا پردہ چاک نہیں کیا جائے گا، مداریوں کی ان پٹاریوں کو کھول کر عوام کے سامنے عریاں نہیں کیا جائے گا، جب تک آپ کی قوت فکر و عمل ایک نہیں ہوگی، تمام مکاتب فکر اسلام کے دستور پر اکٹھے نہیں ہوں گے، اسلام نہیں آئے گا۔ (خطاب شرکاء جلوس احرار کانفرنس چنیوٹ، ۲۴ مارچ ۱۹۷۲) -

اپنے ایک دوسرے خطاب میں انہوں نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو جمہوریت اور جمہوریت کے بانی افلاطون اور ارسطو کو انسانی حقوق کا علمبردار بتاتے ہیں۔ انہوں نے حاصل پور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"آج پھر دین حق پر کفر آمیز تنقید کی وباء پھوٹ پڑی ہے۔ ازلی و ابدی سچائیوں کی تردید کا طاعون پھیل گیا ہے۔ خلاف شریعت عقائد و نظریات کی توپیں چل رہی ہیں۔ پھر وہی زبان بولی جارہی ہے، علماء کی عزت کو چیلنج ہورہا ہے۔ پھر پیغمبر کی عزت پر حرف آرہا ہے، قرآن کی غلط تفسیریں ہورہی ہیں، ناپاک جمہوریت کو اسلامی نظام پر ترجیح دی جارہی ہے، اور افلاطون کو انسانی حقوق کا علمبردار بتایا جارہا ہے۔

میں کہتا ہوں! کائنات میں اس سے بدترین جھوٹ کوئی نہیں۔ یہ پیغمبروں کی پوری جماعت پر تہمت ہے۔ وہ افلاطون جو اپنے ایمان کی ضمانت نہیں دے سکتا، وہ دنیا کو سب سے پہلے انسانی حقوق سے کیسے آشنا کرسکتا ہے؟ اگر اللہ کی مخلوق کو پہلی مرتبہ اس کے حقوق سے آشنا

کرنے والا افلاطون یا اس کا بدمعاش شاگرد ارسطو ہے تو پھر انبیاء کس لئے بھیجے گئے؟ وہ دنیا میں کیا کرنے آئے تھے، جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ساری کائنات کو اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے عوامی حقوق سے آشنا کرایا، اس وقت جمہوریت کے کسی باباجان کا عالم ارواح میں بھی وجود نہیں تھا۔ کائنات میں ایسا کوئی زمانہ نہیں گزرا کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نبی اور رسول خطۂ زمین پر بسنے والے عوام کو ان کے حقوق نہ بتارہا ہو اور انہیں ان کی پامال زندگی سے اٹھا کر انسانیت کے مرتبہ پر فائز نہ کرتا رہا ہو۔ (۲ مارچ ۱۹۸۲)

مروجہ جمہوریت کی مخالفت کرنے پر بھی کئی جمہوری علماء ان سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے مگر وہ اس باپ کے بیٹے تھے جس نے کبھی اقتدار کے ماتھے کی شکنوں کی پرواہ نہ کی تو یہ اپنے معاصرین کی خفگی کی کیسے پرواہ کرتے؟

حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ نے اپنے اس بیٹے کی خاص طور پر تربیت کی تھی اور آپ نے زمانۂ طفولیت کے بعد شباب کی دہلیز پر ان کی موجودگی میں قدم رکھا تھا، تعلیمی زندگی کے بعد عملی زندگی کا آغاز بھی اپنے عظیم المرتبت والد کی حیات میں کردیا تھا۔

انہیں اساتذہ بھی ایسے میسر آئے جو ہیرے کی تراش خراش اور اس کے حسن کو نکھارنے کے فن کے ماہر تھے۔

مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے بارے میں تو یہ ثقہ روایت ہے کہ جب حضرت بخاری رحمہ اللہ اپنے بیٹے کو تعلیم کی غرض سے ان کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ

"ہم میاں بیوی نے تو اللہ سے مانگ کر آپ کا یہ بیٹا لیا ہے یہ کہیں نہیں جاسکتا"

واقعی وہ دور ایسا تھا جب اساتذہ سکوت نیم شب میں عجز وانکساری کی تصویر بن کر اللہ سے باصلاحیت شاگرد مانگا کرتے تھے اور جب خوش قسمتی سے ایسے تلامذہ انہیں میسر آجاتے تھے تو وہ خون جگر سے ان نوخیز پودوں کو یوں سینچا کرتے تھے کہ ان کی شاخِ زندگی پر علم وعمل کے رنگا رنگ پھولوں کی پھبن دیکھنے والی آنکھوں کو خیرہ کردیتی تھی اور چمن ان کی بوئے جانفزا سے معطر ہوجاتا تھا۔ سید عطاء المنعم بخاری خوش قسمت تھے کہ انہیں ایک خدارسیدہ باپ کی محبت وشفقت بھی میسر آئی اور معرفت چشیدہ استاد کی تعلیم و تربیت بھی۔

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ علم وعمل کے کسی شعبے میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے، ان کی خدمات کا دائرہ صحافت سے خطابت تک، شاعری سے نثر نگاری تک، منبر ومحراب سے جلسہ واسٹیج تک، رد رفض سے رد قادیانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ آج جبکہ ان کے متعلقین ایک شعلہ بیان مقرر، حق گو عالم دین، بےباک صحافی، تاریخ کے مدوجزر پر گہری نظر رکھنے والے مؤرخ، شب بیدار عابد وزاہد، رفض وقادیانیت کے لئے شمشیر برہنہ کا سوگ منارہے ہیں، نہ معلوم کیوں اس ناقص کے دل میں رہ رہ کر یہ ہوک اٹھتی ہے کہ افسوس مغربی جمہوریت اور جمہوریت زدوں کے خلاف جہاد مسلسل کرنے والا ایک عظیم مجاہد نہ رہا۔

ماہنامہ الاشرف کراچی دسمبر ۱۹۹۵ء

حفیظ رضا پسروری

سید ابوذر بخاری

اکابر احرار کی روایات کا امیں

ہمارے اکابر کے کارنامے تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں صف اوّل کے رہنماؤں کی قربانیاں اوران کی تفصیلات توہمارے ایمان کا جزو بن چکی ہیں۔

ہمارے حضرت امیر شریعت کی رہنمائی میں احرار رضا کاروں نے کتنے بڑے بڑے کام کئے اگران کی تفصیلات اکٹھی کر لی جائیں تو تاریخ حریت کے نئے باب کھل سکتے ہیں (مثال کے طور پر) آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں ۱۹۴۶ء میں نواکھالی (بہار) میں فسادات ہو رہے تھے تو مجلس احرار اسلام نے اپنے بہادر رضا کاروں کا ایک جتھہ جس میں غازی محمد حسین مرحوم، سید مخدوم شاہ بنوری مرحوم، سالار معراج الدین مرحوم، اور چند دوسرے رضا کار شامل تھے، بہار گئے۔ ان فسادات کو روکنے کیلئے مرکزی سطح پر شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین انصاری وہاں جاتے رہے جبکہ کانگریس کی طرف سے مہاتما گاندھی اور خان عبدالغفار خان وہاں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر رہے تھے۔ غازی محمد حسین مرحوم اور ان کے ساتھیوں کو چند مسلمان خواتین کے اغواء کا پتہ چلا تو ان مقامات پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے جہاں وہ خواتین محبوس تھیں۔ غازی محمد حسین نے اپنے پاؤں کے ٹھڈوں سے دروازے توڑے اور خواتین کو بازیاب کیا۔ ان چند احرار رضا کاروں نے بہار کے فسادات میں جو کام کیا اس پر وہاں کے وزیر اعلیٰ سری کرشن سنہا نے مہاتما گاندھی اور خان بادشاہ مرحوم کے ذریعہ ان کا شکریہ اکابر احرار تک پہنچایا۔ غازی مرحوم مجھے بتایا کرتے تھےاور فخر سے کہا کرتے تھے کہ انہوں نے اوران کے ساتھیوں نے بہار میں جو مسلمانوں کی خدمت کی ان کی مغفرت کیلئے کافی ہے۔ اور یہ بات بیان کرتے ہوئے غازی کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو جایا کرتا اور ان کا اظہارِ فخر و انبساط گفتنی نہیں دیدنی تھا۔ الحمدللہ میں نے دیکھا اور ایسے کئی واقعات سے محظوظ ہوا۔

ان رضا کاروں کے واپس آنے پر حضرت امیر شریعتؒ نے انہیں اپنے گلے لگایا، پیار کیا اور دعائیں دیں۔ اسکی ساری تفصیل آغا شورش کاشمیری مرحوم نے نہایت زوردار اظہار میں روزنامہ "آزاد" میں شائع کی۔

جب ہم چلے تو نبض زمانہ ہی رک گئی
دنیا نے دیکھ لی ہے ہمارے چلن کی بات

ہماری جدوجہد کا تمام عرصہ اور اسکا ایک ،ایک لمحہ خود تاریخ ساز ہے۔ کوئی بھی داستان ہمارے بغیر مکمل نہیں رہ سکتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح "مصلحت پسند علماء" کے جلسے حضرت امیر شریعت زندہ باد کے نعروں کے بغیر سنے نہیں جاسکتے۔

رات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم! تہ خاک تماشہ کیا ہے

قائد احرار، جانشین امیر شریعتؒ حضرت سید ابوذر بخاری کی وفات حسرت آیات کی خبر سے دل پر قیامت گزر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ۷/۲/۲۸ جمادی الاولیٰ سے لیکر اب تک سنبھل جانے کی کوئی صورت نہیں ہوسکی۔ دل و دماغ جو پہلے ہی حالات و واقعات کی بے رحمانہ سنگینی کے سبب ہر وقت متاثر رہتے ہیں۔ اس جان کاہ صدمہ سے اور نڈھال ہو گئے ہیں۔

سید ابوذر بخاری کا وجود گرامی .... وابستگان احرار کیلئے باعث رحمت اور ذریعہ تشفی تھا ان کی صورت دیکھ کر ہم بلا کشانِ محبت امیر شریعتؒ کو دیکھ لیا کرتے۔ (بیٹا باپ کی تصویر ہوتا ہے۔ الحدیث) افسوس، صد افسوس کہ ہم اس رحمت و برکت سے محروم ہو گئے۔ حضرت سید ابوذر بخاری کو اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی اور فیاضی سے تبحر علمی کے خمیر سے اٹھایا تھا وہ حضرت امیر شریعت کے صحیح جانشین تھے۔ ان کی عطاہم پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ ان کے ساتھ میرا تعلق "احرار سٹوڈنٹس فیڈریشن" کے زمانے سے تھا۔ پہلی بار میری دعوت پر ۱۹۴۲ء میں اور پھر ۱۹۴۵ء میں پسرور تشریف لائے تھے۔ ایک بار ان کے ساتھ خاقان بابر ایڈووکیٹ (فرزند مولانا مظہر علی اظہر مرحوم) اور دوسری بار مرحوم منظور احمد بھٹی (سیالکوٹ) تھے۔ اس سے قبل ۹/۸ اپریل ۱۹۴۴ء کو فیروز پور پراونشل احرار کانفرنس کے موقع پر ملاقات ہوئی جہاں احرار بینڈ نے ان کو سلامی دی تھی اور "جیوش طلباء احرار" میں وہ خالد حسن مرحوم کے ساتھ سٹیج پر سلامی لے رہے تھے۔ ۴۲ میں جب ہم چند طالب علم دہلی گئے تو وہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی احرار سٹوڈنس فیڈریشن کے زمانہ میں طلباء احرار کے لئے ان کی قیادت و سیادت حد درجہ باعث کشش اور رحمت و برکت تھی۔ بچپن میں "نونہالانِ احرار" بنا کر جہادِ آزادی میں شریک رہے اور جواں ہوئے تو "احرار سٹوڈنس فیڈریشن" میں سرگرم ہوگئے نوجوانوں کے اس قافلہ میں ان کی قیادت میں منظور احمد بھٹی، احمد سعید اختر، صاحبزادہ خالد حسن مرحومین اور چودھری شمس الحق اور راقم حفیظ رضا قدم بہ قدم چل رہے تھے۔ ابوذر، ہر وقت احرار وردی (سرخ قمیص) پہنے ہوتے۔ جب حضرت امیر شریعت ان کو "حافظ جی" اور وہ ان کو "اباجی" کہہ کر پکارتے تو دیکھنے اور سننے والوں میں محبت و شفقت کا عجیب تاثر پیدا ہو جاتا۔ آزادی کے بعد اکثر ملتان اور دیگر مقامات گوجرانوالہ، سیالکوٹ، لاہور میں ملاقاتیں رہیں۔ دو ایک بار غریب خانہ پر بھی تشریف لائے اور ماضی کے حوالے سے خوب باتیں ہوتی رہیں۔

خط و کتابت بھی کبھی کبھار ہو جاتی۔ ۱۹۸۷ء میں میں نے ان کو لاہور آنے کی دعوت دی تو جواب میں لکھا.......

"میں لاہور میں پہلے بھی مہینوں کے بعد کسی نہ کسی ذاتی اشاعتی یا جماعت کے تنظیمی یا تحریکی کام کی غرض سے ہی آیا کرتا تھا اور اب عرصہ سے چونکہ جماعت اغیار سے بڑھ کر یار مار قسم کے اپنوں کی ستم رانیوں اور جفا کاریوں کی صید زبوں بنی ہوئی ہے اس لئے بقدر ضرورت کام پیش آنے پر کافی وقفہ کے بعد ہی کبھی معشوق فرنگ کی شعبدہ بازیوں کے نقال و پیروکار شہر پر آشوب و سراپا فتنہ پرور لاہور میں ایک اجنبی اور مسافر کی طرح چند گھنٹوں اور دنوں کیلئے وارد ہوا کرتا ہوں اور دور سے

چاند کی طرح وہاں کے مذہبی و سیاسی ماہ و نجوم کا نظارہ کر کے اجنبیوں اور نا آشنائے گلی کی طرح ہی جان اور آبرو بچا کر اپنی "جھگی اور کٹیا میں واپس آجاتا ہوں۔ آپ نے مجھے خدا جانے کس خیال سے؟ کیا کیا سمجھ کر مجھے بلانے کی ضرورت محسوس کی ہے اور اسکی زحمت اٹھائی ہے۔ باطن کا معاملہ چونکہ عالم الغیب سے متعلق ہے اس لئے حسن ظن کی بناء پر آپ کے اس اظہار حسن ظن کو آپ کے خلوص پر مبنی قرار دیتا ہوں ورنہ بھائی.... میں تو...... ناگواری محسوس نہ کریں...... آپ کی طرح بہت سے اظہار حسن ظن و جذبات محبت کرنے والوں کی طبائع کی دگر گونی اور جدت و بدعت پسندی کے باعث کب کا مہجور و متروک ہو چکا ہوں۔(مکتوب ۱۷ مارچ ۱۹۸۷ء)

میں نے حضرت ابوذر بخاری کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مقام و منصب اور اعلائے کلمۃ الحق کے اوصاف جلیلہ عطا فرمائے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ملک و ملت زیادہ سے زیادہ ان کے بیانات و تقاریر سے مستفید ہوں اور کئی مقامات پر ان کی غیر حاضری پر مؤدبانہ احتجاج کرتے ہوئے میں نے انہیں حضرت امیر شریعت کی طرح قریہ قریہ، بستی بستی ایک بار پھر اپنی نوائے گرم سے مردہ دلوں میں ایمانی حرارت پیدا کرنے کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں حضرت نے لکھا......

"بھائی میں تو اپنے تمام انسانی نقائص اور فطری اور طبعی عیوب کا مرقع ہونے کا اقراری مجرم ہوں اور یقیناً بہت بھاری مجرم ہوں؟ لیکن دعویٰ داران عشق اور پاکبازان وفا بھی اگر کسی دن نیں؟ پوری زندگی کے کسی ایک لمحہ گزراوں میں بھی محاسبۂ نفس اور مراقبۂ اعمال کا تکلف روا رکھتے تو انہیں بھی اپنے ادعاء و عمل کے مابین ناقابل عبور بعد المشرقین کا بحر ناپیدا کنار چشم ظاہر و باطن کے ساتھ ہمیشہ کے لئے زیر مشاہدہ آجاتا لیکن "مرے کو مارے شاہ مدار" کا مصداق بننا مقدر اور عمل کی دنیا میں تحفۂ زندگی کے طور پر ساتھ لے کر آیا ہوں اس لئے خون دو عالم ہر حال میں میری ہی گردن پر سوار ہے تو اسی میں بہتوں کا بھلا ہے اور اب باقی بھی کیا رہ گیا ہے اس امت کی، حدیث مبارک وارد تصریح اور انتہائی اوسط زندگی کے مطابق عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں اور "ساٹھا باٹھا" بن کر بقیہ مختصر گھڑیوں کو دانائے تسبیح کی طرح شمار کرتے ہوئے توبہ و استغفار اور دعائے استقامت و حسن خاتمہ میں مصروف ہوں۔ لہٰذا "وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا" کے مذہب و مسلک کے خوگر و محافظ آزاد ہیں اور میرے جیسے ناہنجار و نابکار مزاج یار کے ہر رخ کا استقبال کرتے ہوئے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہر حکم کی تعمیل کے منتظر ہیں کہ....ع

"چہ کند بینوا ہمی دارد"

میری غیر حاضری تہائی صدی تک حاضریاں لگوانے کے بعد بھی اگر آپ جیسے ادیب مزاج کے احساس اور انداز بیان و تعبیر میں غیر حاضری کے نام و مفہوم سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ تو یہ بھی تسلیم ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ میں قریبی برسوں میں بھی لاہور کے گلی کوچوں اور اطراف میں جنوں بازی اور آوارہ گردی کا فریضہ انجام دیتا رہا ہوں لیکن نگار خانۂ دنیا میں "ہر اک مال دو آنے"

کے طلبگار جب ہر روز نئی دکان اور نئے سامان کی خریداری کو مقصد حیات قرار دے کر قسمت آزمائی میں منہمک بلکہ غرق ہو جائیں تو پھر میرے جیسا حقیقت پسندی کی روایات کا امیں اور کشتۂ وفا اگر اغیار کے محلات کے نظارہ سے خیرہ ہو کر اپنی جھگی کو ڈھانے کی نسب و نسبت کو ہمیشہ کیلئے داغدار و مجروح بلکہ پامال و معدوم کر دینے والی جدید سیاست ماب حماقت کے ارتکاب پر آمادہ نہ ہونے کا عہد نبھاتا رہے؟ تو آخر پھر اور کون سا گناہ بے لذت ذریعۂ عیش بنائے؟ بہر کیف فقیر زندہ محفل و کلام باقی"........(مکتوب)

میں نے حضرت ابو معاویہؒ سے ان کی صحت سے متعلق بھی استفسار کیا تو فرمایا:

"میں کئی برسوں سے خون میں شوگر کے اضافہ اور دوسرے کئی اسباب کے تحت مستقل مریض بن گیا ہوں اسی محرم کے بعد دونوں آنکھوں میں مجموعی ضعف نظر کے ساتھ بائیں میں غالباً موتیے کے حملے کا بھی شکار ہوں۔ اور پچھلے پانچ چھے برسوں میں بائیں گردے میں ایک ایک پتھری نکلنے کے بعد اب کے دونوں گردوں میں تین دن کے وقفہ یکے بعد دیگرے ایک ایک پتھری نکلنے کہ اذیت سے بہت ہی زائد مستفید ہو چکا ہوں۔ شوگر کچھ کم تو ہوئی ہے لیکن خون میں زندگی بھر کی عدم احتیاط اور بد پرہیزیوں کے اثرات ایک مستقل مواد کی صورت میں رواں داوں ہیں (مکتوب حضرت ابوذر بخاریؒ)

حضرت ابوذر بخاری کی وفات سے ہمارا ایک عہد ختم ہو گیا ہے۔ ان کی ہمت و جرأت ان کے علم و فضل سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ان کی شخصیت کی ہر جہت اعلیٰ اور ارفع تھی۔ وہ ایک بہترین مقرر اور بڑے عالم تھے۔ تصنیف و تالیف، شعر و ادب اور علمی کاموں میں ان کا شغف اپنی مثال آپ تھا۔ اپنے اکابر سے ان کی محبت بے پناہ تھی اور وہ علماء حق کے محبوب تھے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے ایمان پرور دفاع اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت و عصمت کی حفاظت کی خاطر انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے اس سے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی روحیں یقیناً خوش ہوئی ہوں گی۔

موت اور زندگی کا نظام روز ازل سے لیکر اب تک اور آج سے لیکر روز آخر تک اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں رہا ہے اور رہے گا۔ موت مشیت الٰہی کا ناگزیر تقاضا ہے اور ہر انسان جو اس دنیا میں آیا بالآخر اپنے اپنے وقت پر موت کی نذر ہوا اور ہوتا رہے گا۔ موت نے آج تک نہ تو کسی کی خواہشوں کا احترام کیا ہے اور نہ ضرورتوں کا احساس! حضرت ابوذر بخاری بھی بالآخر مشیت الٰہی کے اس تقاضےکے سامنے سر تسلیم خم کر گئے۔ اس احساس کے باوجود کہ ان کے چاہنے والوں پر کیا گزرے گی؟ اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے دعا گو ہوں کہ وہ حضرت کے مراتب میں برکت و رحمت اور عظمت کے ساتھ مغفرت عطاء فرمائیں اور جنت الفردوس میں انہیں اعلیٰ مقام عطاء ہو۔ (آمین)

شیخ عبدالمجید احرار امرتسری

بقاء احرار کی علامت

ابن امیر شریعت حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کو مجلس احرار اسلام کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ وہ عالم با عمل اور اسلاف کی سچی تصویر تھے چہرہ مہرہ میں حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے مشابہ اور بلا کے مقرر تھے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے خاص موضوع تھے۔ دفاع صحابہ پر گھنٹوں بولتے اور دلائل کا انبار لگا دیتے۔

انہوں نے پاکستان میں پہلی مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یوم منایا اور پھر زندگی بھر اسکو حرز جاں بنائے رکھا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ میں مظلوم ترین شخصیت ہیں۔ اس لیے ان کا دفاع ہم پر واجب ہے۔

حضرت جانشین امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کافی عرصہ سے بیمار تھے جب کبھی حاضر ہوتا تو ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے۔ گوجرانوالا کے احرار کارکنوں کی خیریت دریافت کرتے اور سلام کہتے

اتفاقاً میں ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۵ء کی شام ملتان گیا۔ رات دار بنی ہاشم مہربان کالونی میں سید عطاء المحسن بخاری صاحب کے ہاں بسر کی۔ صبح عزیزم سید محمد کفیل بخاری کی معیت میں حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کیلئے آستانہ بخاری پر حاضری دی۔ اجازت ملنے پر اندر گئے۔ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ برآمدہ میں چارپائی پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے تو دیکھتے ہی جھٹکا سا لگا۔ اللہ اللہ، صحت مند و توانا وجود سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔ زبان ساتھ نہ دے رہی تھی۔ لیکن چہرہ روشن اور نور ایمان سے منور جس پر مایوسی بالکل نہ تھی میں نے سلام عرض کیا، آنکھ کے اشارہ سے جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ تو گیا لیکن گم سم کیا بات کرتا اور کیسے کرتا؟ حافظ جی نے کچھ اور اشارے کیئے جنکا مطلب میں نہ سمجھ سکا۔ سید محمد کفیل بخاری نے بتایا کہ فرما رہے ہیں گوجرانوالا کے احرار کارکنوں کو میرا اسلام کہ دیں اور دعا کیلئے کہیں میں نے محسوس کیا کہ حافظ جی مسلسل اللہ اللہ کا ذکر سانس کے ذریعہ کر رہے ہیں، سبحان اللہ۔ یہ صرف توفیق الہیٰ ہے۔

یہ مختصر سی ملاقات حافظ جی سے آخری ثابت ہوئی۔ یعنی اگلے پیر منگل کی درمیانی شب حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۹۶۲ء میں جب حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ مجلس احرار کی تنظیم نو کیلئے ملک گیر دورہ پر نکلے تو میری پہلی ملاقات ان سے "عالم کافی ہاؤس" فیصل آباد میں ہوئی۔ یوں تو حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ پہلے بھی لائل پور (اب فیصل آباد) آتے جاتے رہتے تھے لیکن نجی طور پر اور زیادہ تر کپڑے کے مشہور تاجر حاجی گلزار احمد (آگرہ والے، پروپرائیٹر انصاف ٹریڈنگ کمپنی) کے پاس ٹھہرتے اور واپس چلے جاتے۔ حاجی گلزار احمد مرحوم حافظ جی کے ہم مکتب بھی تھے اور آگرہ (انڈیا) میں مجلس احرار اسلام کے سالار بھی رہ چکے تھے۔ میں عالم کافی ہاؤس سے چائے پی کر باہر نکلا تو فٹ پاتھ پر میری ملاقات حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ سے ہو گئی۔ علیک سلیک کے بعد میں بھی اُن کے ساتھ ہی دوبارہ عالم کافی ہاؤس میں آ گیا۔

چائے وغیرہ کا پوچھا تو انہوں نے بڑی بے اعتنائی سے انکار کر دیا اور میاں محمد عالم سے ملنے پر اصرار کیا۔ میرا چونکہ حافظ جی سے رسمی تعارف نہ تھا لہٰذا میں نے بات کو سمجھتے ہوئے اپنا تعارف خود ہی کرایا تو مسکرا دیئے اور اٹھ کر معانقہ کیا۔ پھر بڑی بے تکلفی سے فرمایا اب جو دل چاہے پلا دو۔ میاں عالم سے مل کر بھی میں نے تم سے ضرور ملنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میاں عالم صاحب بھی آ گئے اور بھی بہت سے احرار کارکنوں کو بلا لیا گیا۔ رات کو بھرپور میٹنگ ہوئی۔ احرار کی تنظیم نو کیلئے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ولولۂ تازہ دیا۔ کارکن نئی امنگوں کے ساتھ تنظیم نو کی تگ و دو میں منہمک ہو گئے۔ انہوں نے ملک کا طوفانی دورہ کیا۔ جگہ جگہ جماعتیں قائم ہو گئیں۔ سرخ پھریرا فضاؤں میں پھر لہرانے لگا۔

۱۹۷۰ء میں حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ نے "الاحرار" جاری کیا وہ تقریر اور تحریر کے میدانوں کے جری شہسوار تھے جب تک صحت رہی لکھنے لکھانے میں مصروف رہے۔ کئی ایک کتابیں زیور طباعت سے مزین ہوئیں۔

ملتان میں ایک مرتبہ تانگہ پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ تانگہ کا پہیہ ایک گڑھے میں جا گرا۔ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ نیچے گر گئے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر گھر کے ہی ہو کے رہ گئے۔ کئی بیماریوں نے آ لیا۔ بلڈ پریشر، شوگر، فالج اور بڑھاپا، ایسا بستر پکڑا کہ پھر نہ اٹھ سکے۔ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ان اشعار میں، جماعت کے کارکنوں اور تمام مسلمانوں کو یہ پیغام دے گئے!

جو قصدِ منزلِ حق ہے تو پھر کتابِ مُبیں کو
ہجومِ تیرہ شبی میں چراغِ راہ بناؤ
یہی ہے درسِ اخوت، یہی پیامِ بقا ہے
کہ آدمی کے ستم سے تم آدمی کو چھڑاؤ

حافظ جی رحمہ اللہ مجلس احرار اسلام کے باہر کچھ سوچنا جانتے ہی نہیں تھے مصلحت انکے نزدیک عذر لنگ تھا۔ اصولوں پر سمجھوتہ ناممکن بلکہ گناہ کبیرہ جانتے۔ خانپور کے ایک جلسۂ عام میں مجلس احرار اسلام کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں!

مجلس احرار اسلام کا مقصد مجاور پیدا کرنا نہیں مجاہد تیار کرنا ہے۔ یہ ہمارا کردار ہے اور ہمارے اس کردار پر تریسٹھ برس کی تاریخ شاہد عدل ہے۔ ہم نے طوفانوں کا رخ موڑا اور حوادث کا منہ توڑا ہے۔ ہم نے سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی وراثت سنبھالی ہے۔ ہم نے دشمن کے خرمن کو آگ لگائی ہے، ہم سیل بے پناہ بن کر نکلے اور فرنگی سامراج کے اقتدار کو بہا کر لے گئے۔ احرار کے مجاہد شریعت مطہرہ کی خاطر پھانسیوں پر جھول گئے۔ گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، سنت یوسفی ادا

کرتے کرتے جانیں وار گئے۔ حضرت خبیب ابن عدی، عاصم قاری، طلحہ اور ابودجانہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع میں حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کے تحفظ کا فرض ادا کرتے کرتے قربان ہو گئے۔ ہم نے کبھی اعدا یار سے مفاہمت نہیں کی، ہم نے سیاسی مفادات کی رزّہ ربائی میں حق اور اہل حق کو کبھی قربان نہیں کیا، ہم نے دینی مفاد پر مجلس احرار اسلام کے سیاسی مفادات کو ہمیشہ قربان کیا ہے۔

ہم حکومت الٰہیہ کی منزل کے راہی ہیں اور اس راہ میں قربانی ہی قربانی ہے۔ احرار قربانیاں دیتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں گے۔

آخر وہ وقت ضرور آئے گا جب منزل خود احرار کا استقبال کریگی (ان شاء اللہ)

(۲۸ مارچ ۱۹۸۰ء خانپور)

یہ تھے جانشین امیر شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ جنہیں ہم "حافظ جی" کے نام سے پکارتے۔

سید ابوذر بخاری

روداد

وفورِ سوزِ فرقت سے ہوئی ہے خستہ جاں میری — ذرہ نظر کرم، للہ سن لو داستاں میری
مجھے حکمِ بیاں مل جائے سرکارِ نبوت میں — مرے بس میں نہیں ہے قوتِ ضبطِ فغاں میری
کہاں "حم و مزمل"، کہاں اک بندہ احقر — قیاسِ مدحِ "احمد" سے لرزتی ہے زباں میری
دلِ صد چاک کے ٹکڑے بطورِ نذر لایا ہوں — قبول آستاں ہو جائے جنسِ رائیگاں میری
میں وہ بلبل ہوں جس کے دم سے تھی سب رونقِ گلشن — "چمن والوں نے لوٹی ہے متاعِ آشیاں میری"
وہ اپنا دورِ رنگیں یاد کر کے غم میں گھلتا ہوں — فزوں تر تھی نظر جب، از حدِ سود و زیاں میری
بہارِ خلد کا منظر کبھی تھی زندگی اپنی — اور اب رہتی ہے محوِ گریہ چشمِ خونفشاں میری
میری بربادیاں تم سے طلب گارِ عنایت ہیں — ہے محتاجِ کرم حالت شہنشاہِ زماں میری
دلِ مجروح کو اب چاہیئے مرہم تلطف کا — فسردہ ہو رہی ہے، غم سے پھر روحِ جواں میری

کرم فرما بسوزِ دل اثر از من نمی آید
بجز در ماندگی چیزے دگر از من نمی آید

حکیم حافظ ارشاد احمد (ظاہر پیر)

کل من علیہا فان

حضرت سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ عرصہ چالیس سال سے اس بندۂ عاجز کی شناسائی تھی آپ کے متعدد واقعات اور کئی واجب التقلید عظیم الشان کارنامے جو دل و دماغ میں چھپے ہوئے تھے آج ایک واضح نقشہ کی مانند آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہے ہیں، حضرت ممدوح رحمتہ اللہ علیہ ہمارے قائد و رہبر تھے مگر بے حجابی ایسی تھی کہ اگر بیان کی جائے تو افسانہ معلوم ہوگا آہ صد آہ!

کون ہے جو تقدیر سے پوچھے کہ کیوں مرجاتے ہیں ایسے لوگ

جنکی باتیں جنکی یادیں بن جاتی ہیں دل کا روگ

قرب قیامت ہے۔فتنے کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں ایسے قدسی صفات برگزیدہ حضرات کا دنیا سے رخصت ہو جانا ہمارے لئے یقیناً غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ خطابت کے بادشاہ تھے مؤرخ محقق عظمت صحابہ کی مظلومیت کی حقیقی وکالت کرنے والے اور تحفظ عقیدۂ ختم نبوت کے علمبردار تھے۔وہ آج ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے ہیں آہ!

وما کان قیس هلکه هلک واحدِ

ولکنّه بُنْیانُ قوم تهدّما

یعنی قیس کی موت کسی ایک شخص کی موت نہیں بلکہ وہ تو پوری قوم کی بنیاد تھا جو گر کر پاش پاش ہو گئی۔ عصر حاضر میں حضرت ممدوح رحمتہ اللہ علیہ کے علم و عمل کی نظیر تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ میں قیادت کے جملہ اوصاف موجود تھے مجھے یاد آ رہا ہے کہ آپ نے جب جریدہ "مستقبل" کا اجراء فرمایا تو حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے دورہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے لئے راقم کو تقریباً ایک سو نسخہ برائے فروخت دیا۔ مگر میری طبیعت راستے میں خراب ہو گئی اس لئے میں یہ جریدہ فروخت نہ کر سکا۔ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا آخری خطاب کوٹ مٹھن تھا تو میں نے عرض کی کہ حضرت میرے پاس حضرت حافظ جی! کا جریدہ "مستقبل" برائے فروخت موجود ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اب آپ اپنے خطاب کے دوران اس کا تعارف کرادیں تاکہ یہ رسالہ فروخت ہو جائے۔ حضرت شاہ جی مسکرا کر خاموش ہو گئے مگر جب آپ کا خطاب شروع ہوا تو آپ نے "مستقبل" کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"حضرات! میرے بیٹے سید ابوذر بخاری کا ایک علمی جریدہ "مستقبل" ملتان، برائے فروخت جلسہ گاہ میں ان کے ایک ساتھی کے پاس ہے۔ سید ابوذر بخاری جو اس رسالے کے مدیر ہیں عالم دین ہیں، حافظ قرآن ہیں شاعر و ادیب ہیں، مدرس و محقق ہیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ ہیں اور میں کچھ نہیں ہوں"

تقریباً ۱۰۰ اعدد رسالہ آدھ گھنٹے میں فروخت ہو گیا۔ میں نے واپسی حضرت ابوذر بخاری کو حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ جملے سنائے تو فرمایا "شفقت پدری نے یہ الفاظ استعمال کرائے ہیں۔" آپ نے کئی

بار میرے ذمہ لگایا کہ تم نے ابا جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کئی دوروں میں شرکت کی ہے ان کے فرمودات اپنی روایت کے ساتھ قلم بند کردو میں وہ سب تمہاری روایت کے ساتھ شائع کردوں گا۔ مگر وائے افسوس کہ میں حضرت ممدوح علیہ الرحمتہ کی زندگی میں اس کی بھی تکمیل نہ کرسکا۔ حضرت ابوذر بخاری کی موت نے آج پھر سے پورے قافلہ اور کاروان کی یاد تازہ کردی ہے۔ مفکر احرار چودھری افضل حق، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد گل شیر شہید، قائد احرار شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا عبدالرحمن میانوی، آغا شورش کاشمیری، اور جانباز مرزا رحمھم اللہ اجمعین اور ہزاروں رضاکاران احرار آج میرے سامنے ہیں اور میری یادیں ان کے کارناموں اور تقریروں سے منور ہیں۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

سنتے تھے کہ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری کسی کی اختلافی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے مگر قریب ہوئے تو پتا چلا یہ سب ان کے خلاف بعض مذہبی اجارہ داروں کا پروپیگنڈہ تھا۔ ہم نے کئی بار حضرت ممدوح علیہ الرحمتہ سے اختلاف کیا اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے نہ صرف سنا بلکہ خود ان اختلافی نوٹس کو لکھتے رہے غور فرمایا اور اس بارے میں بڑے پیار حوصلہ اور دلائل سے ہمیں اچھی طرح سمجھایا۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لیکر

آپ بحیثیت انسان ناراض بھی ہو جاتے اور اس ناراضی کی بھی کوئی معقول وجہ ہوتی تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد بڑی شفقت و محبت سے مہربان ہو کر منا لیتے۔ آپکی وفات کا یقین بھی نہیں آرہا مگر کب تک؟ منقول ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے برادر محترم سیدنا حضرت عبدالرحمن بن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے وقت بڑی اندوہناک حالت میں یہ شعر پڑھے

وکنا کند مانی جذیمہ حقبہ — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کاٰء لی ومالکا — اجتماع لم نسبت لیل معا

اور ہم جذیمہ کے دو ہم نشینوں کی طرح کافی زمانہ اکٹھے رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب وہ جدا نہ ہوں گے لیکن جب موت نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی تو ایسے معلوم ہونے لگا کہ اس طویل اجتماع کے باوجود گویا کہ میں نے اور مالک نے ایک رات بھی اکٹھے بسر نہیں کی..............

جذیمہ ابرش ایک بادشاہ تھا اس کے ہمنشین مالک اور عقیل تھے۔

رات دن لوگ زیر زمین چلے جاتے ہیں
نہ جانے تہہ خاک تماشا کیا ہے

پروفیسر تاثیر وجدان (ملتان)

تحریک حُرّیت کی روحِ حارہ

۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو سیال ہسپتال میں رات کے دس بجکر چالیس منٹ پر سید ابو معاویہ ابوذر (عطاء المنعم) بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی تقریباً ستر سالہ زندگی (۱۹۲۶ء تا ۱۹۹۵ء) اپنی قسمت ازلی میں لکھی آخری سانس پوری کر چکی تھی۔ سفینہ بحر بیکراں کے متلاطم پانیوں کو اپنے پیچھے چھوڑتا ہوا ایک المناک سناٹے کے ساتھ افق کے اس پار اتر گیا تھا۔ کہانی اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی تھی۔----- مسافرِ آخرت کی آخری زیارت کے لئے موجود ہر آنکھ فرطِ غم واندوہ سے اشکبار تھی اور زبان خاموشی میں جانے والے سے پوچھ رہی تھی۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشامی روی؟

(ترجمہ) ایک دنیا ہے جو آج تیرے روئے زیبا پر نظریں جمائے کھڑی ہے۔ لیکن وہ کون ہے جس کے دیدار کے لئے تو ساری دنیا کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہے۔ رب کریم کا لاکھ بار شکر کہ موجودات کے چار سو پھیلے ہوئے صنم کدہ کثرت میں ہم صرف ایک کے پجاری ہیں اور ایک ہی کی طرف انجام کار مراجعت کرنے والے بھی (والیہ راجعون) ہماری فنا پذیر ارضی زندگیاں مالک الملک کی ملکیت ہیں۔ مالک کو اپنی ملکیت پر تصرف کا بھی پورا پورا حق ہے۔ وہ جب چاہے یہ امانت ہم سے واپس لے لے ہمارا تسلیم ورضا کا یہی رویہ درست ہے اور یہی فطرتاً ہونا بھی چاہیئے لیکن مرحوم کے سانحہ مفارقت نے دل و دماغ کو جس شدید احساس زیاں سے دوچار کر رکھا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک ہی تلخ اور حوصلہ شکن سوال بار بار ابھر کر سامنے آتا ہے کہ قحط الرجال کے اس دور سیاہ نصیب میں جب نوحہ بلب پریشاں حال زندگی قدیم یونانی حکیم کے روپ میں بقول رومیؒ "انسانم آرزو ست" کی ماتمی صدا لگا رہی ہے اور لگائے ہی چلی جا رہی ہے کہ اس کے چاروں طرف افق تک عام طور پر صرف حیوان ہیں سچے انسان کہیں نہیں اب مرحوم کی جگہ کون لے گا؟ اس کا ثانی کہاں سے آئیگا؟ اقبال علیہ الرحمتہ کا فارسی کا ایک شعر ہم پر واضح کرتا ہے کہ دنیا میں کامل ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ ان کی ولادت کو صدیاں لگ جاتی ہیں۔ شعر کا ترجمہ مع ترجمانی یوں ہے۔ زندگی دیرو حرم کی عبادت گاہوں میں کسی انسان کامل کے ظہور کے لئے عمروں تک نالہ وفغاں کرتی ہوئی اپنے خالق کے حضور دست بہ دعاء رہتی ہے، تب کہیں محفل عشق وجنوں سے (یعنی برگزیدہ و برتر زندگی کی مجلس سے) کوئی ایک ایسا انسان صورت پذیر ہو کر باہر آتا ہے جو صحیح معنوں میں عارف راز یا محرم سرِ وجود ہوتا ہے۔ میرے ممدوح سید ابوذر بخاری مرحوم اس سطح اور صنف کے انسان کامل نہ سہی پھر بھی ان کی غیر معمولی منفرد صلاحیتوں کو اور خصوصاً دور حاضر میں عظیم انسانوں کے قحط کے المیئے کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ انہیں عصر رواں کے اہم تاریخی اکابر میں ضرور شمار کیا جا سکتا ہے۔

ہمہ گیر دینی اور قومی انحطاط کے موجودہ دور میں جب عام آدمی تو درکنار بعض نام نہاد داعیانِ اسلام تک اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ ہر قدم پر بزدلانہ مفاہمتوں اور ناروا صلح کوشیوں کا رویہ اپنا چکے ہوں اور خصوصاً مقتدر سیاسی طاقتوں کے ساتھ دُنیوی مفاد اور مطلب براری کے لئے اپنے ضمیر کا سودا کرنے میں بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور رکاوٹ محسوس نہ کر رہے ہوں اور وہ اس شعر کی زندہ اور جیتی جاگتی تصویر بن گئے ہوں کہ

دل و جاں کردہ ام نذرِ بتاں اکنوں ہمی خواہم

اگر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را

(ترجمہ) میں اپنے دل و جان تو بتوں کی نذر کر چکا ہوں اور اب یہ خواہش ہے کہ کوئی نفع بخش خریدار مل جائے تو اپنے دین و ایمان کو بھی فروخت کر دوں۔

اس قسم کے سیاہ اخلاقی زوال کے موجودہ دور میں جب اہلِ حق اپنے مقام سے گر کر تنزّل کے اس نقطے اور احساس کمتری کی اس حد تک پہنچ گئے ہوں کہ مارے شرم کے مغربی جمہوریت کے سامنے مغربی اور مشرقی کی حدود قیود سے آزاد، ہمہ جہتی، ہمہ گیر اسلام کو چھپاتے پھر رہے ہوں اور ان میں گواہیٔ حق کا یارا تک نہ ہو یا اگر وہ چاروناچار حق کی گواہی دے بھی رہے ہوں تو اپنے حق کے ساتھ از راہ مصلحت جھوٹ کی ملاوٹ کو بھی ضروری خیال کرتے ہوں تاکہ ان کا رواداری اور صلح پسند حق اپنے دھیمے پن کی وجہ سے مقتدر باطل قوتوں کے مزاجِ قیصری کو گوارا ہو سکے اور ان کی جبینِ خسروی پر ... اری کی شکن نہ پڑے اس وضع کی افسوسناک ضمیر فروش مفاہمتوں کے انحطاطی موسموں میں کون سید ابوذر مرحوم کی طرح کونوا قوامین لله شهداء بالقسط اور اس کے ساتھ ساتھ ولا تلبسو الحق باالباطل وتكتموالحق وانتم تعلمون کی عظیم آسمانی پکار پر لبیک کہتے ہوئے محض اللہ کی خاطر اٹھ کھڑا ہو گا اور حق کی گواہی چھپانے والوں اور حق کی خوشبودار سفیدی کے ساتھ باطل کی بدبودار سیاہی کو شامل کر دینے والے بزدلوں اور روباہ مزاج حیلہ گروں کو مردانہ وار للکارے گا اور پھر برچھا بادا بادکہکر تحریر و خطابت اور زبان و قلم کے کوہ شگاف اسلحہ سے مسلح ہو کر حق کی بیباک اور دو ٹوک ترجمانی کے لئے آگے بڑھے گا یہاں تک کہ شہادتِ حق کے دینی فرض کے دیرینہ قرض کی پائی پائی کا حساب چکا دے گا بقول غالب

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب

خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

شاہ جی مرحوم جیسے تیز ذہانت و قابلیت کے آدمی کے لئے سیاسی درباروں میں باریابی حاصل کرنا اور ان ... سے دھن دولت کے انبار جمع کر لینا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ اگر دنیادار چرب زبان پیروں کی طرح مرقہ و سجادہ لے بھروپ کی مادی اہمیت کو زندگی کے کسی مرحلے پر بھی مان لیتے اور اس سے نفع اندوزی کے مخصوص شاطرانہ ڈھب کو تسلیم کر لیتے تو مرسڈیز اور پجارو جیسی چمکیلی گاڑیوں کی ریل پیل اور گھما گھمی ان کے آستانے پر بھی پوری ارادتمندی کے ساتھ آ کر اپنا سر جھکا دیتی۔

.......لیکن آفرین اس سید پر کہ اس نے اپنے والد گرامی کی طرح ہر قسم کی زرق برق سراب آسا دنیا داری پر لعنت بھیج کر سچے سادگی پسند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کھرے حق کی لاج رکھ لی اور عمر بھر کے لئے گواہیِ حق کے عظیم اصول پر عمل پیرا رہ کر انہوں نے حفظِ صدق و حق کی سعی و جہد میں اپنے لئے حفظِ معاش کو بھی پس پشت ڈال دیا اور ان سچے صحابہ رضی اللہ عنھم کی سی قناعت و استغناء، فقر و فاقہ اور درویشی و قلندری کو ہمیشہ کے لئے سینے سے لگا لیا- جن کی عزت و ناموس کے لئے انہوں نے عمر بھر دشمن سے محاذ آرائی جاری رکھی- یوں ابوذر بخاریؒ ایک فطری مناسبت اور گہری عقیدت مندی کے زیر اثر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل پڑے اور ان کے نقوشِ پا کی ٹھنڈی حیات بخش روشنی کو اپنے دیدہ و دل میں سمو کر قلندری میں ہی سکندری کے مزے لوٹتے ہوئے ہمیشہ کے لئے شاد و بامراد ہو گئے- "خدا رحمت کند ایں عاشقِ پاکیزہ طینت را"، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان کے اس سرمایہ سیرت و کردار کی گرانبار اور بوجھل امانت کو اب اپنے کندھے پر کون لے گا؟ مرحوم کا ثانی کہاں سے آئیگا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے علم یا عمل میں اپنے ہم عقیدہ اکابر و اسلاف حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ یا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہم کے ہمسر و ہم پلہ تھے- اس بات کا دعویٰ تو نہ خود انہیں تھا اور نہ ہی میں یہ ہر حال میں ثابت کرنے کے لئے نکلا ہوں- لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اسی سلسلۂ منوّر کی ایک انتہائی روشن کڑی ضرور تھے اور ان کے معاصرین میں ان کے علمی مقام و مرتبے، ان کے استقلال کردار، ان کے ہمہ گیر مطالعہ، انکی تیز استدلالی ذہانت، ان کے قوی حافظے اور اس حافظے کی غیر معمولی انداز کی استحضاری صلاحیت، ان کی صاف صاف حق گوئی و بیباکی، ان کی غیر معمولی خطابت و شعلہ بیانی اور ان کے اردو فارسی اور عربی کے اعلیٰ جوہرِ شاعری وغیرہ کے بیک وقت مجموعے کی صورت میں مجھے ایک شخص بھی دور دور تک کہیں دکھائی نہیں دیتا- میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ دین حق کے عاشق بالکل ناپید نہیں- یہ یقیناً آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی موجود رہینگے- لیکن ان عشاق میں مجنوں ہمیشہ ہر مقام پر کہیں نہیں ہو گا کہ مجنوں ہر روز پیدا نہیں ہوتے-

شبے مجنوں بہ لیلیٰ گفت کاے محبوب بے ہمتا

ترا عاشق شود پیدا و لے مجنوں نخواھد شد

ترجمہ- ایک رات مجنوں نے لیلیٰ سے کہا کہ اے میرے بے مثال محبوب تیرے عاشق تو یقیناً آئندہ بھی پیدا ہوں گے لیکن ان میں مجنوں کوئی نہ ہو گا- (کہ جس طرح تو اپنے حسن میں بے مثال ہے یونہی میں اپنے عشق میں بے مثال ہوں) وہ لوگ جنہیں سید ابوذر مرحوم کی زندگی کا دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقی شعور حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ قدرت نے انہیں غیر معمولی قسم کی داعیانہ اور مبلغانہ استعداد سے نوازا تھا اور اس محاذ پر ان کی کارکردگی بعض امتیازی پہلوؤں کی حامل تھی- کتاب حق کے فہم و تدبر نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ

اس کرۂ ارضی پر ہمارا واحد مقصد وجود شہادت حق ہے۔ ہم نے امت وسط و معتدل کو لتکونوا شھداء علی الناس یعنی بندگان خدا پر حق کی شہادت کے لئے تخلیق کیا (البقرہ ۱۴۳) سید ابوذر مرحوم کی جسور و غیور انا نے (مرحوم کے مزاج کو جانتے ہوئے لفظ انا پر زور دے رہا ہوں) زندگی بھر پوری جسارت و جوانمردی اور پورے جنونِ وفا کے ساتھ باطل کے عین مقابل آ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق کی گواہی دی۔ انہوں نے شہادت حق کے چراغ کو طوفانِ باطل کی زد میں رکھ کر روشن کیا اور پھر باد تند و تیز کی گزرگاہ میں اپنے مضبوط جسم کو سدِ فاصل بنا کر عمر بھر کے لئے کھڑا کر دیا کہ اس کی اوٹ میں رہ کر چراغ کی قیمتی لو زندہ رہے میں ٹوٹ کر گرتا ہوں تو بے شک گر جاؤں یہ تھا ایک مرد درویش کا حق کی حفاظت کے لئے اظہار طاقت یا اظہارِ نازِ خسروانہ۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

چراغ حق کو باطل کی ہواؤں کی زد میں لا کر روشن رکھنے کا عمل دراصل ان کے ہاں باطل کے خلاف مزاحمت پسندی کا عمل تھا۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ فرنگی استعمار و استبداد کے ساتھ مسلسل تصادموں اور رات دن کی مسلسل جانکاہ تعزیروں نے مجاہدین احرار میں اور قائد احرار امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ میں جس طاقتور مزاحمت و مقابلہ کی باغیانہ روح کو مشتعل کیا تھا وہی روح وراثتاً اور فطرتاً سید ابوذر بخاری مرحوم کے جسم میں منتقل ہو کر نئی حرارت کے ساتھ متحرک رہی درحقیقت احرار اسلام کا مزاج ہی یہ تھا کہ انہیں برطانوی حکمرانی سے جتنی سزائیں ملتی تھیں اتنی ہی مقابلہ اور حصول غلبہ کی خواہش ان کے اندر زور پکڑتی تھی۔ ۱۹۳۹ء میں راولپنڈی کی ایک باغیانہ تقریر پر شاہ جی رحمہ اللہ پر شاہ برطانیہ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا جس کی سزا پھانسی تھی یا عمر قید۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کو بچا لیا اور عدالتی فیصلے کے مطابق انہیں بری کر دیا گیا۔ بقول ان کے وکیل "کے ایل گابا" کے شاہ جی نے شام کو ہی راولپنڈی سٹی گارڈنز میں جہاں وہ تقریر کرنے پر پہلے گرفتار ہوئے تھے۔ دوبارہ حکومت اور قادیانیوں کے خلاف ۴ گھنٹے تک یوں زور خطابت دکھایا کہ پچھلے بقائے کا سارا حساب چکا دیا اور رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ " یہ تھا ہر سزا پر جذبہ حریت کا نئے سرے سے بار بار بیدار ہونا۔ حالی نے اس نفسیاتی افتادِ طبع کی تشریح شعری زبان میں یوں کی ہے کہ

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب

بڑھتا ہے اور ذوقِ گناہ یاں سزا کے بعد

احراری ہونے کے ناطے قدرت کی طرف سے یہی مزاج سید ابوذر مرحوم کو بھی عطا ہوا تھا اور میرا خیال یہ ہے کہ امیر شریعت کے قبیلے کا ہر فرد اسی خصوصیت کا حامل ہے۔

باطل اور بدی کے خلاف شاہ جی ابوذر مرحوم کا کھلی دشمنی پسندی کا یہ رویہ ایک اور دینی جواز بھی رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اہل فکر و نظر کے ہاں باطل کی بربادی ہی ہمیشہ حق کی آبادی کے لئے گام اولیں شمار ہوتی رہی

ہے حق کا قیام باطل کے ٹھیک ٹھیک انہدام کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کلمۂ طیبہ میں "لا" کی تخریب باطل ہی کو "الا" کی تعمیر حق کے لئے پہلی اور ابتدائی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ ابوذر بخاری مرحوم شہادت حق کے ذریعے جس اجتماعی نظام حق کا احیاء چاہتے تھے اور جس کا اصلاحی نام ان کے ہاں بجا طور پر حکومت الٰہیہ تھا۔ اسے نظام ہائے باطل کی بنیادوں کو ڈھائے بغیر قائم کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کے ذہن کی مثالیت پسندی خارجی معاشرے میں ایک ٹھوس حقیقت و واقعیت بن کر ابھرنے کے لئے اپنے اندر جو عزم شکست و ریخت رکھتی تھی وہ "الرحیق المختوم" کے جید سیرت نگار کے طرز فکر سے جو دراصل قرآنی طرز فکر سے پوری طرح مشابہ تھی۔ مذکورہ الصدر عظیم سیرت نگار دوسری وحی کے تبلیغی اور دعوتی مضمرات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

"رب کی بڑائی اور کبریائی کو بجالانے کی آخری منزل یہ ہے کہ روئے زمین پر کسی اور کی کبریائی برقرار رہنے دی جائے۔ بلکہ اس کی شوکت توڑ دی جائے اور اسے الٹ کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اللہ کی بڑائی باقی رہے (الرحیق المختوم ص ۱۲۶ از مولانا صفی الرحمن مبارکپوری)

علامہ اقبال کے ہاں، "شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو" والی بات بھی اسی مفہوم و مقصود کی تائید میں جاتی ہے۔

اس اقتباس میں شوکت باطل کو توڑنے اور اسے الٹ کر رکھ دینے والے جس پرجوش اور فعال قسم کے انقلابی عمل کی دعوت نظر آتی ہے وہ چونکہ ان کے مزاحمت و مقاومت اور باطل پر ان کے حصول غلبہ کے طبعی میلان سے مناسبت رکھتا تھا اس لئے وہ نہ صرف عمر بھر اس کے دل و جان سے معتقد اور حامی رہے بلکہ اس کے ایک مستقل مزاج مبلغ اور داعی بھی رہے اور اس طرح اپنی زبان اور قلم کے طاقتور، تہلکہ خیز ہتھیاروں سے باطل کو مسمار بھی کرتے رہے۔ ان کے آغاز شباب سے لیکر ۱۹۹۵ء میں ان کے سانحۂ انتقال تک نصف صدی پر محیط یہ کذب و باطل دراصل بیسوی صدی کے دور جدید کا ایسا بت خانہ آذری تھا جس میں رافضیت، مرزائیت، پرویزیت اور بہائیت وغیرہ کے علاوہ عالمی سطح سے نازل ہونے والے لادینی ذہنوں کے تخلیق کردہ ملحدانہ سیاسی اور معاشی نظاموں مثلاً جمہوریت، فسطائیت، اشتراکیت، آمریت اور سرمایہ داری وغیرہ کے بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے جن کی پشت پر سائنس کی نیوکلئیر قوتیں تھیں ان اصنام کو سید ابوذر بخاری مرحوم "لاالہ" کی ضرب حق سے مسلسل پاش پاش کرتے رہے۔ انہوں نے اس کفر و الحاد کو اپنے بے پناہ علمی استدلال کی تنقیدی اور تردیدی قوت سے توڑا۔ انہوں نے صرف ایوان ختم نبوت کو نقب لگانے والوں، تلبیس حق و باطل کے ذریعے اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے والوں اور اخفائے حق کے ذریعے نامور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام اور کام کو گہنانے کی سازش کرنے والے ناکام اور نابالغ مؤرخوں کا ہی ساری عمر تعاقب نہیں کیا بلکہ بیسوی صدی کی حاضر پرست حسی تہذیب کے تاباں و درخشاں سومنات کو بھی ہمیشہ اپنے [illegible] پر رکھا۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جمہوریت یا اسی قسم کے دوسرے فاسد نظاموں کو اسلام کے اجتماعی [illegible] اپنانا شرک ہے۔ حق کی دن رات کی داعیانہ اور مبلغانہ گواہی کے اس عظیم کام

میں انہوں نے اپنی منبر و محراب کی خطابت، اپنی صحافت، اپنی شاعری اپنی ادبیت اور اپنی تصنیف و تالیف کی اعلیٰ صلاحیتوں کے سارے رأس المال کو پوری طرح کھپا دیا۔ یہاں تک کہ اپنی صحت، اپنے وقت اپنے جان و مال کا سارا اثاثہ بے بہا بھی اسی راہ میں لٹا دیا۔ بیسویں صدی کے ان پچاس سالوں کے قدیم و جدید کفر و ارتداد کے خلاف ان کا عالمانہ استدلالی ردِ عمل ان کی ان پچاس کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے جو انکے تیس سالہ پُر مشقت مطالعہ کا حاصل ہیں۔ حق یہ ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کے ظلمت زار کفر و باطل میں اشھدان لاالہ الااللہ کی بار بار اذان شہادت دے کر شہادت حق کے جو چراغ روشن کئے وہ انہی کا کام تھا۔ وہ بلاشبہ گواہی حق کی عظیم تاریخ کے ایک اہم ہیرو تھے۔ ایک بطلِ جلیل تھے جن کے علمی تبلیغی اور اصلاحی آثار مدتوں تک ماحول کو روشنی بخشتے رہیں گے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں

مصلحت را تہمتے برآ ہوئے چیں بستہ اند

(ترجمہ) خوشبو بکھیرنا تو صرف تیری ہی زلف کا کام تھا۔ آہوئے چین و تاتار پر تو عاشقوں نے محض مصلحتاً تہمت باندھ رکھی ہے۔

سید ابوذر مرحوم کے عالمانہ اور داعیانہ کارناموں کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بلاشبہ انہوں نے تمام رائج الوقت سیاسی اور مذہبی مسلکوں کے سیاہ جھوٹ کو بے نقاب کیا لیکن کارل مارکس کی اشتراکیت ایک ایسی زوردار معاصر تحریک تھی جو صریحاً انکار خدا پر مبنی ہونے کی وجہ سے بطور خاص ان کی مناظرانہ اور نقادانہ توجہ کا ہدف بنتی رہی۔ یہ لادینی معاشی تحریک صرف نظریاتی سطح پر خدا کی منکر نہ تھی بلکہ انکار خدا کی باقاعدہ عالمی سطح کی مبلغ و داعی بھی تھی۔ اس کا تاریخ کی مادی تعبیر کا نظریہ اول تا آخر دہریت کا ترجمان تھا۔ سید صاحب نے اس نظریہ باطل کا گہرا مطالعہ کیا اور اس کی طاقت فاسدہ کو بے اثر بنانے کے لئے پے در پے کئی اقدامات کئے۔ انہوں نے اشتراکی معاشیات کے مقابلے میں اسلامی معاشیات کے تصور کو عام کیا۔ مزدوروں اور کسانوں کے معاشی اور مالی حقوق کی حفاظت کے لئے نہ صرف اسلامی یونین سازی کی بلکہ کئی صحافتی پرچے مثلاً روزہ مزدور، وغیرہ نکالے جن کے ذریعہ کسان اور محنت کش طبقے کی گونگی خواہشوں اور امنگوں کو اپنے اظہار کے لئے زبان میسر آئی۔ علمی مقالوں سے اسلامی معیشت کی برکتیں سمجھائی گئیں اور اسی طرح غریب عوام کو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں قسم کے استحصال سے بچا کر انہیں اسلام کی پناہ گاہ رحمت میں محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے اشتراکیت کا ادبی میدان میں بھی مردانہ وار سامنا کیا۔ ادب کے اشتراکی نقطۂ نظر کے مقابلے میں جس کی ترویج ملکی سطح پر بطور ایک تحریک ۱۹۳۸ء کے شروع میں ہوئی تھی انہوں نے ادب کے اسلامی نقطۂ نظر کو متعارف کرایا۔ اور ۱۹۵۰ء میں "نادیۃ الادب الاسلامی" کے نام سے اسلامی ادب کی انجمن قائم کی۔ اور اشتراکی نظموں کے مقابلے میں نظمیں لکھیں اشتراکی شاعر نے سرخ سویرے کی منزل کو قریب لانے کے لئے جب یہ کہا کہ

اگر گھنا ہو اندھیرا اگر ہو دور سویرا

تو اک اصول ہے میرا کہ دل کے دیپ جلاؤ

تو سید ابوذر مرحوم نے اسی بحر، اسی قافیے کے ساتھ جواباً ایک نظم لکھی جس کا ایک شعر جوان کے اسلامی طرز فکر کی نمائندگی کرتا ہے حسب ذیل ہے۔

جو قصد منزل حق ہے تو پھر کتاب مُبیں کو

ہجوم تیرہ شبی میں چراغ راہ بناؤ

اسلام اور اشتراکیت کے معاشی نظاموں کی خوبیوں اور خامیوں کا فہم و شعور نہایت گہرے تنقیدی اور تقابلی مطالعہ کا متقاضی تھا۔ سید صاحب نے یہ کام کیا اور پوری دیدہ ریزی سے کیا ان کا علم اپنی وسعت اور گہرائی میں انسائیکلوپیڈیائی تھا اور انکی طلب علم بلا نوش اور ہمہ خورا (OMNIVOROUS) قسم کی تھی۔ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی کتابوں کی کتابیں ہڑپ کر جانا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس سلسلے میں ملک کے مشہور عالم اور مصنف حافظ عبدالرشید ارشد مدیر ماہنامہ "الرشید" کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔

"حضرت مولانا سید عطاء المنعم بخاری المعروف سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ ملک کے ان معدودے چند افراد میں سے تھے جن کے علم کی گہرائی و گیرائی اتنی تھی کہ جس پر بجا طور پر کوئی قوم یا ملت ناز کر سکتی ہے۔ دین و دانش، فلسفہ و منطق، عروض و قوافی، نحو و صرف، عربی فارسی اور علم و ادب پر اتنا گہرا عبور تھا کہ جوان سے مل کر کسی بھی مسئلے پر اگر کوئی کچھ دریافت کرتا تو اس کے سامنے ایک دبستان کھل جاتا۔ کسی بھی عنوان و موضوع پر ان کا دماغ بند نہ تھا" (ماہنامہ الرشید نومبر ۱۹۹۵، ص ۵۱)

سید ابوذر مرحوم کی کثرت مطالعہ کی اٹل عادت کے بارے میں ایک معتبر روایت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ایک رات امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ دیر سے گھر پہنچے تو انہوں نے سید ابوذر مرحوم کو جب دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر محو مطالعہ پایا تو فرمایا، "حافظ جی! اب کتاب کی جان چھوڑ دو رات کے اڑھائی بج چکے ہیں۔" یہی روایت ہم پر اس بات کا انکشاف بھی کرتی ہے کہ ان کا مطالعہ کا یہ معمول بھی مدتوں تک رہا کہ وہ گرمیوں کی راتوں میں مکان کی چھت پر چاند کی روشنی میں کتاب کو آنکھوں کے قریب کر کے مسلسل پڑھتے اور انہیں ضعف بصارت کا بھی خیال نہ رہتا۔ سید صاحب نے (ان کے اپنے اعتراف کے مطابق) تیس سال تک نہایت بے جگری سے مطالعہ کیا اور بعض اوقات مطالعہ کے دوران ذہنی یکسوئی اور ارتکاز توجہ کی خاطر ایک کمرے کے گوشۂ عافیت میں محفوظ ہو کر دروازے کی کنڈی چڑھا کر طعام و آرام اور جسم پر لباس کی بے ترتیبی سے بے نیاز ہو کر (جس پر ان کی والدہ محترمہ گواہ تھیں کہ وہ طعام کے لیئے انہیں پکارتیں دروازے پر بار بار دستک دیتیں اور دروازہ پھر بھی نہ کھلتا) انہوں نے پوری تحقیقی لگن اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ فقہ، ادب، علم الانساب، تاریخ اور خصوصاً اسلامی تاریخ اور دوسرے مروجہ علوم کی ساری بڑی بڑی کتابوں کو کھنگالا اور خصوصاً متنازعہ فیہ مسائل و مباحث پر دن رات متصادم رہنے والے دینی، نیم دینی اور لادینی مسلکوں اور

موقفوں کے عہد بہ عہد تاریخی اور تدریجی ارتقاء اور ان کے جھوٹ سچ کو کمال دقت نظر سے پڑھا، سوچا اور سمجھا۔ کتابوں کے حوالے پوری پوری عرق ریزی سے نوٹ کئے۔ تصدیق حق اور تردید باطل کے لئے عبارتوں کی عبارتیں زبانی یاد کیں اور صفحوں کے نمبر ازبر کئے جو جوش خطابت کے دوران ایک سیل رواں بن کر ان کے حافظے اور ان کی زبان فصیح البیان سے جاری ہوتے تھے اور پھر اس جان لیوا پر مشقت مطالعہ کے بعد وہ اپنے دار المطالعہ کی خلوت گاہوں سے حق و باطل کے جن دو مثبت اور منفی اصولوں کو لے کر باہر نکلے ان کے درمیان انہوں نے حد فارق کھینچ دی اور پھر اس فاصل لکیر پر اسے نمایاں رکھنے کے لئے ساری عمر اپنی شہ رگ کا خون ٹپکاتے رہے کہ آئندہ کوئی با آسانی تلبیس حق و باطل کا مرتکب نہ ہوسکے۔ اسے مزید یقینی بنانے کے لئے انہوں نے ایک گرانقدر ورثے کے طور پر اپنے علمی خطبات و مقالات پر مشتمل کم و بیش ۵۰ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا وقیع علمی مواد اپنے پیچھے چھوڑا جو ایک مینارۂ نور بن کر مستقبل کی نسلوں کے سرگرم سفر کاروانوں کو ان کی گم شدہ منزلوں کا سراغ دیتا رہے گا۔

جن لوگوں کو سید ابوذر مرحوم کے ساتھ گاہے گاہے نجی ملاقاتوں اور رابطوں کا شرف نصیب ہوتا رہا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرحوم ایک سچے مرد حُر تھے جن کے روحانی وجود میں حریت کی روح حارہ عمر بھر مرتعش رہی۔ اس حریت پسندی کی تہ میں بھی دراصل وہی باطل کی راہ میں دیوار مزاحمت اور دشمن پر غلبہ پانے کا فطری میلان کارفرما تھا جس کا اوپر حوالہ آیا ہے۔ انہوں نے اپنے عہد میں اپنی خطابت کے بل پر جوانان احرار میں خون کی بھڑکتی جوالا کو بجھنے سے بچایا۔ اقبال نے اپنے شعری مجموعوں میں مرد حر کی ترکیب کو مرد مومن کے مترادف و متبادل کے طور پر برتا ہے۔ اس لئے باور کیا جانا چاہیئے کہ برصغیر پاک و ہند میں ۱۹۲۹ء میں وجود پذیر ہونے والی مجلس احرار کے رفقائے سفر یقیناً اعلیٰ درجہ کے مرد مومن تھے کیونکہ اس کا سنگ تاسیس جمانے والے سبھی اونچے درجے کے علماء کرام تھے۔ مثلاً امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبد القادر قصوری، مفکر احرار چودھری افضل حق و غیرہم، تحریک احرار کے یہ وہ زعما تھے جو سختی سے اسلامی نصب العین پر یقین رکھتے تھے۔ جس کے تحت انہوں نے خصوصیت کے ساتھ جن موضوعات پر مسلسل طور پر بے خوف قسم کی شہادت حق دی۔ وہ ردِ مرزائیت، تحفظ ختم نبوت اور مدح صحابہ تھے۔ تاہم بنیادی مطمح نظر یہ بھی تھا کہ فرنگی استعمار کو توڑا جائے اور برصغیر پاک و ہند کی محکوم انسانی نسلوں کو انگریزی طوق و سلاسل سے رہا کرایا جائے۔ یہی چیز آئندہ چل کر ملکی آزادی کی تحریک کے لئے بھی معاون و مددگار بنی۔ اسی اسلامی نصب العین کی روشن منزل کی جانب گامزن ہونے والے کاروان بلاخیز و بلاکش کا پورا تاریخی نام مجلس احرار اسلام تھا۔ جس کے سالار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے جو دراصل اس کی حقیقی اور اصلی روح رواں تھے۔ مجلس احرار اسلام کے کارکنوں کے بے لوث جانبازانہ کردار کے بارے میں مذکورۃ الصدر محقق مصنف اور عالم دین حافظ عبد الرشید ارشد کے تاثرات و خیالات ملاحظہ فرمایئے۔

"برصغیر کی سیاسی جماعتوں میں مجلس احرار اسلام ایسے سرفروشوں کی جماعت تھی جو ہر وقت جان

ہتھیلی پر، کفن کندھے پر لئے پھرتے تھے۔

احرار کے نام کا پوری جماعت پر یہ اثر تھا کہ حریت و جرأت چھوٹے سے چھوٹے رضاکار کی گھٹی میں پڑی تھی اور خوف نام کی چیز ان کی جھڑتی میں نہ تھی اور نہ ہے۔" (ماہنامہ الرشید نومبر ۱۹۹۵ء ص ۱۴)

مدیرِ محترم کے "نہ ہے" کے الفاظ تحریک احرار کے زندہ و موجود تحرک کی طرف بجا طور پر اشارہ کرتے ہیں۔ میرے خیال میں روحِ احرار واقعی زمان و مکان اور تاریخی عمل سے بے نیاز اور بالاتر شے کا نام تھا اور ہے۔ وہ کل بھی زندہ و موجود تھی آج بھی زندہ و موجود ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ زندہ و موجود رہے گی۔ حریت پسندی اپنی دینی اساس میں مخلوق کو مخلوق کی بندگی سے حرّیت دلا کر خالق کی بندگی میں دینے کا نام ہے۔ ہماری عظمتوں کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ شہنشاہ ایران نے اسلام کے قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کی شام و سحر کی پے در پے یلغاروں سے تنگ آ کر اسلامی لشکر کے سپہ سالار سے دریافت کیا کہ آخر یہ تمہاری ساری یورشیں ہمارے خلاف کس مقصد کے لئے ہیں؟ شہنشاہ کا مدعا یہ تھا کہ انکی خواہش معلوم ہو جائے تو اسے پورا کر کے اپنی جان چھڑائی جائے۔ لشکر اسلامی کے سالار نے جواب دیا

لاخراج الناس من عباده العباد الیٰ عباده الله وحده.

یعنی ہماری یلغاروں کا واحد مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزادی دلا کر، انہیں اللہ کی بندگی میں دے دیا جائے......احرار اسلام نے بھی صحابہؓ کرام رضی اللہ عنھم کے اس اعلیٰ نصب العین کی پیروی کی۔ یہ تھا تحریک کا دینی مفہوم۔ اس کا سیاسی مفہوم تو گرد و پیش کی سیاسی زندگی کی تطہیر کے لئے طے پا گیا تھا وہ اس کا زمانی اور زمینی پہلو تھا جو ناگزیر تھا۔ مجلس احرار اسلام کے اس قیمتی کردار کے وارث اور میری رائے میں اہل ترین وارث اور قائد (چند روز پہلے تک) سید ابو معاویہ ابوذر عطاء المنعم بخاری نور اللہ مرقدہ تھے جو اپنے ہمسفر احرار سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو کر آج اپنے آخری کنج عافیت میں آسودہ اور سکون پذیر ہو چکے ہیں۔ اللھم اغفرلہ ورحمہ وادخلہ الجنتہ

اب میں بعض ذہنوں میں پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں اور سوال مختصراً یہ ہے کہ اتنی صلاحیتوں کے باوجود سید ابوذر مرحوم اپنے والد گرامی کی طرح مؤثر کیوں نہ ہو سکے؟......یہ بجا ہے کہ سید ابوذر مرحوم کے اندر اسلام کی گواہی کا جو فطری جوہر ناب تھا اسے بڑے شاہ جی کی طرح کسی بلند تر اور کشادہ تر افق سے ضیاء بار ہونے کا موقعہ نہ مل سکا اور یہ شاید ممکن بھی نہیں تھا۔ جس کی کئی وجوہات تھیں اس کے باوجود قدرت کی طرف سے انہیں ایک عظیم داعیٔ اسلام کی جو استثنائی اور غیر معمولی استعداد عطاء ہوئی تھی اس کے بل پر ان کی تبلیغ حق کی روشن شعاعیں چار سو پھیل کر تاریکی میں بھٹکتے انسانوں کی ایک دنیا کو بینا کر گئیں۔ ان کے جنازے کے شرکاء کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے جم غفیر میں جو کراچی سے لیکر پشاور تک کے لوگوں پر مشتمل تھا اور جس میں شامل ہونے والوں کی غالب ترین اکثریت مذہبی لوگوں کی تھی ان میں زیادہ تر ان کے روحانی متوسلین اور متاثرین ہی تھے۔ یہ چیز مرحوم کے شخصی اور دینی اثر و نفوذ کی عظیم وسعت کا ایک منہ بولتا ثبوت تھی جو یقیناً ان کے مؤثر ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ بڑے شاہ جی کو

اپنے خطیبانہ جوہر دکھانے کے لئے قبل آزادی کا جو سیاسی ماحول ملا وہ ان کی تربیت کا ایک اہم ذریعہ بنا۔ شاہ جی کو انگریز کے کافرانہ سیاسی تسلط کی صورت میں جو فعال قوت میسر آئی تھی وہ ان کے باغیانہ عزم و عمل کو آبیار کرنے اور نشوونما دینے کا باعث بنی۔ "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" کے مصداق خود کفر ان کے لئے ایک ایسا منبع اور ماخذ بن گیا جو ان کی جدوجہد کو توانائی اور حرارت بخشتا رہا۔ یہ سیاسی نوعیت کا نمو بخش ماحول سید ابوذر بخاری مرحوم کو میسر نہ آسکا کہ ملک آزاد ہو گیا اور دشمن قوت جو پلٹنے جھپٹنے اور لہو گرم رکھنے کا ایک اہم وسیلہ تھی برصغیر کو چھوڑ گئی ایک اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ بڑے شاہ جی محمود العلماء ہونے کے باوجود علماء کو اپنے ساتھ متحد رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جس کی ایک وجہ تو خود نصب العین کا صدق تھا۔ لیکن اس سے بھی اہم تر وجہ یہ تھی کہ دیو بند کی ایک جلیل القدر اور بے مثال ہستی حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جی کو بھرے مجمع میں امیر شریعت نامزد فرما کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی تقلید میں مجمع کے ہزاروں علماء نے بھی یہی طرز عمل اپنایا۔ اتحاد و اتفاق کی یہ فضا سید ابوذر کو میسر نہ آسکی جو ممکن بھی نہیں تھی۔ اس لئے سید ابوذر مرحوم کی فطری صلاحیت کا مہر نیمروز سمت الراس پر آکر اپنی تابانیوں کو اس طرح عام نہ کر سکا جیسے امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے موقعہ عطاء فرمایا تھا۔ پھر ایک سیدھا سا فرق جو بڑا نمایاں فرق تھا، یہ تھا کہ دونوں کے ہاں وہبی استعداد اور جو ظاہر ہے وہاب ازلی کی عطاء کردہ تھی الگ الگ تھی اور اپنی اپنی تھی اور دونوں کو تربیتی ماحول بھی الگ الگ ملا تھا۔ ان حالات و عوامل میں دونوں کا ہم سطح ہو جانا یا مساوی ہو جانا کیسے ممکن تھا۔ پھر خلاق عظیم کا ذوق تخلیق بھی تنوع پسند واقع ہوا ہے۔ وہ یک رنگی اور تکرار کا کیسے متحمل ہو سکتا تھا۔

سید ابوذر بخاری مرحوم کا وجود گرامی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی حیات ازدواجی کے باغ شاداب کا ثمر اولین تھا۔ ان کی ولادت ۱۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو امرتسر میں ہوئی۔ ام الکتاب کی ابتدائی حرف شناسی کے بعد اسے ناظرہ پڑھنے کا مرحلہ والدہ محترمہ کی شفقت سے طے ہوا۔ حفظ کی منزل اس دور کے عظیم قاری حضرت مولانا قاری کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ کی معلمانہ اور مربیانہ رہنمائی سے طے ہوئی۔ کم و بیش تیرہ چودہ سال کی عمر مدرسہ عربیہ خیر المدارس میں (جو ابھی جامعہ خیر المدارس کے نام سے موسوم نہیں ہوا تھا) داخل کرا دیئے گئے۔ یہ مدرسہ اس وقت جالندھر میں تھا۔ اس کا آغاز وہیں عمل میں آیا تھا اور اس کی خشت اساس ۱۹۳۱ء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بابرکت ہاتھوں نے جمائی تھی۔ مؤسس وہ تھے اور بعد میں اسکے ارتقاء کے ہر مرحلے میں اس کے مؤثر ترین معمار و مربی اور محافظ خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ بنے۔ جن سے موصوف کو باقاعدہ شرف تلمذ حاصل رہا۔ سید ابوذر بخاری مرحوم اپنی عمر کے کم و بیش بائیسویں سال میں تھے۔ کہ ۱۹۴۷ء کے انتقال آبادی کے ساتھ یہ مدرسہ بھی ملتان میں منتقل ہو گیا۔ اگلے سال ۱۹۴۸ء میں دورۂ حدیث کے مکمل ہو جانے پر سید ابوذر بخاری مرحوم کو سند فراغت عطاء کر دی گئی۔ اس عظیم دینی درسگاہ کی روح پرور علمی فضاء ہمارے سید کی روحانی بالیدگی کے لئے شاداب موسم ثابت ہوئی۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خیر المدارس ملتان کا زمانۂ طالب علمی جو ایک منتہی کا زمانۂ طالب علمی تھا اور ان کے شفاف سیرت و کردار کے بعض فضائل کو ہم پر اجاگر کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ اپنے یومیہ سبق کے لئے اپنی مادر علمی جامعہ خیر المدارس جاتے تو قرآن پڑھتے ہوئے جاتے اور قرآن پڑھتے ہوئے واپس آتے یوں اپنی منزل پر پہنچتے پہنچتے قرآن پاک کی کئی منزلیں بھی طے کر جاتے۔ بازار سے گزرتے ہوئے قرآن کے ورد وظیفہ کا یہ معمول انہیں گرد و پیش کی ہر ترغیب گناہ سے محفوظ رکھتا۔ تقویٰ کے اصول کو اپناتے ہوئے وہ قرآن کریم کو اپنے لئے حصار رحمت و حفاظت بنا لیتے۔ عام حالات میں بھی ان کے ہاں اسی حسن کردار کی تصدیق ہوئی ہے کہ وہ ہمیشہ نظریں سامنے جھکا کر چلتے تھے، دائیں بائیں دیکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ تاکہ فساد نظر، فساد قلب کا باعث نہ بنے۔ وہ اپنی مادر علمی کو بے حد تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے اساتذۂ گرامی کی موجودگی میں نہایت مؤدب اور محتاط ہو کر بیٹھتے تھے۔ ان کے اس رویے کی گواہی ان کی ایک بڑی تقریر سے بھی ہمیں ملی جو انہوں نے جامعہ خیر المدارس میں فرمائی تھی۔ تقریر کا مختصر اقتباس ملاحظہ فرمایئے، فرماتے ہیں:

"یہاں آکر (یعنی اپنے اساتذہ کے سامنے آکر) خطابت کے انداز میں گفتگو کرنے سے مجھے شرم دامنگیر ہوتی ہے۔ میرے لیئے اتنی سعادت ہی بہت ہے کہ میں اپنے استاد کی اولاد کا منہ دیکھ لوں۔ مدرسہ کو دیکھ لوں، یہ آباد نظر آئے، یہاں سے قال اللہ وقال الرسول کی جو صدائیں بلند ہوتی ہیں وہ میری زندگی میں بھی یونہی بلند ہوتی رہیں اور بعد میں بھی، اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں"۔

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت نومبر ۱۹۹۵ء ص ۱۶)

ہمارے ممدوح شب خیز تھے اور اپنی عبادت میں ریاضت و مجاہدہ کے عادی تھے۔ آخری ایام میں ضعف پیری اور غلبۂ مرض کے باوجود تھکن کو زیادہ خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ماہ صیام کی بابرکت راتوں کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے مسلسل حالت قیام میں گزار دیتے۔ حتیٰ کہ سحر کی پہلی ساعت دستک دیتی۔ سحری صرف ایک گلاس لسی اور ایک ٹوسٹ سے مکمل ہو جاتی۔ زمانہ صیام میں وہ ایک رات میں اٹھارہ سپارے ختم کر دیتے۔ خشوع و خضوع، عجز و نیاز اور انکسار و شکستگی کی کیفیت غالب رہتی۔ خصوصاً دعا ہائے نیم شبی کے خاص لمحوں میں رقت قلب طاری رہتی۔ داخلی کیف و کیفیت کا یہ انمول خزانہ ان کے اس تزکیۂ باطن اور تہذیب نفس کا نتیجہ تھا جو انہیں اپنے مرشد کامل حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر سے میسر آیا تھا۔ مرشد نے انہیں خلعت خلافت سے نوازا اور چار سلاسل تصوف میں بیعت کی اجازت دی۔ خلافت کا یہ اعزاز کسی کی سفارش یا تمنا پر عطاء نہیں ہوا تھا۔ یہ انہیں ان کے روحانی کمال کے مطلوبہ معیار تک پہنچ جانے پر حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مستحق سمجھ کر عطاء فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں ان کے والد گرامی کے بعد ان کے استاد گرامی اور بالخصوص مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت علمی محبتیں اور تربیتیں بھی ان کے لئے جمال ہمنشیں ثابت ہوئیں اور ان کی شخصیت کو بھرپور زندہ قسم کی روحانی نمود و نمو سے ہمکنار کر گئیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور سید ابوذر مرحوم میں ایک قدر مشترک جو دونوں کے درمیان گہری باطنی قربت کا باعث تھی یہ تھی کہ قرآن و حدیث کے علوم کی تفسیر و تشریح کے دوران علمی نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی اور فکری استنباط اور استخراج کی صلاحیت دونوں میں ہی اختصاص کے ساتھ موجود تھی۔ دونوں میں ہی ایک طرح کی مفکرانہ غواصی کا جوہر تھا۔ جو مخاطب کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا تھا۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح کے عالم شہیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی سید صاحب کی علمی شباعی سے متاثر و مطمئن ہوتے تھے اور اپنے ملاقاتیوں سے شاہ جی کا حال احوال بڑے التفات سے دریافت فرمایا کرتے تھے۔

۱۹۴۸ء میں جب سید ابوذر مرحوم نے خیر المدارس سے علمی فراغت کا اعزاز حاصل کیا اُن کا شباب صحت مندی اور شادابی کی فطری انتہا پر تھا۔ وہ دینی علوم اور دنیوی تجربہ دونوں سے مالامال اور مسلح تھے۔ اس لئے وضع قطع سے عالمانہ وقار و وجاہت کے ساتھ ساتھ ایک مرعوب کن جوانمردانہ سطوت بھی ٹپکتی تھی۔ شباب کی وجہ سے ان کے اندر عمل کی بے پناہ قوت بھی تھی اور طبعی شجاعت کی وجہ سے عمل کے لئے بے خوفی اور بے پرواہی بھی۔ مزاج میں ایک خودداری اور غیرت مند مومن کی برہمی تھی نیز اظہار برہمی عام طور پر ان لوگوں پر کرتے جو اپنی جہالت کو علم سمجھنے کے مریض تھے یا اپنے جھوٹ کو سچ سمجھنے اور پھر اسے دوسروں سے تسلیم کروانے پر مصر ہوتے تھے وہ حق کے بے لوث ترجمان و پاسبان تھے۔ اس لیئے حق کی بلا تحقیق اور بلا دلیل تردید بھی انہیں برہم کر دیتی تھی۔ طبعیت کی یہ برہمی دشمنان دین کے خلاف انکے جوش خطابت کی طغیانیوں اور تلاطم خیزیوں کے دوران علانیہ ظاہر ہوتی تھی۔ یہ ان کے ایمان خالص کا ایک حصہ تھی اور بعض اوقات تنقید بن کر ملمع ساز علماء سُو پر بھی برس جاتی تھی۔ (لیکن اس برہمی کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں شفقت اور نرمی نام کی چیز تھی ہی نہیں، عام حالات میں بہت شفیق و کریم بھی ہوتے تھے) اپنے کھرے صدق کو دوستوں پر یقیناً مصالح سے بالا تر ہو کر ہی ظاہر کرتے تھے اور اس لئے کرتے تھے کہ سچی شہادت حق کی طرح کی مصلحت اور مصالحت کی متحمل نہیں ہوا کرتی تدین اور تدبن کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ حق کی راہ کی مبارزت کبھی مفاہمت کو قبول نہیں کرتی۔ شہادت حق کے سلسلے میں ان کی ابتدائے شباب کی ابتدائی تقریر جو سید احمد شہید بریلوی اور ان کی تحریک کے موضوع پر تھی اور جو عام خاص باغ کے ایک جلسہ میں کی گئی تھی بلا کی اثر انگیز اور مسحور کن تھی۔ غالباً حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ بھی اس جلسہ میں موجود تھے اور اپنے بیٹے کی داعیانہ اور خطیبانہ صلاحیت پر انگشت بدنداں تھے۔ برادرم حافظ عبدالرشید ارشد کا تاثر یہ تھا کہ تقریر علم کا ایک بحر ذخار تھی۔ اور خطابت کا ایک زبردست شاہکار۔ ساری تقریر آب زر سے لکھے جانے کے قابل تھی بقول ان کے یہ میری سنی ہوئی دو تین بڑی تقریروں میں سے ایک تھی اور یوں لگتا تھا جیسے آسمان کے فرشتے ان کی مدد کے لئے اتر چکے ہوں۔ یہ تقریر ان کے ابتدائی دنوں کی ایک اہم اٹھان کو ظاہر کرتی ہے۔

حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی عظیم الشان شخصیت کونسے محاسنِ ذاتی اپنے سعادت مند بیٹے کو منتقل نہ کر گئی۔ متناسب جسم و جُثّہ۔ بھرپور صحت مند چہرے کی سرخ و سفید رنگت، تراشیدہ خط و خال کے اندر جھلک دکھاتی ہوئی جوانمردانہ کشش ایک عالمانہ وقار و وجاہت اور جلالی دبدبہ۔ آنکھوں میں چشم

عقاب کی سی تاب و تواں اور دم خم۔ یہ تھا مختصراً ان کا ظاہر۔ اب ذرا باطنی خصوصیات ملاحظہ کیجئے۔ اپنے سینے میں ایمان کا آتش کدہ تو انہوں نے میراث میں پایا ہی تھا کچھ اور بھی فضائل تھے جنہیں ان کی شخصیت کے لازمی اجزائے ترکیبی کہا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اصلاً عرب سید ہونے کے ناطے ان کے اندر سید العرب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہم دیار جاں نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قومی فضائل و عادات مثلاً جذبہ غیرت مندی، ایفائے عہد کا جنوں، بہادری اور شجاعت، شاعری اور خطابت، فیاضی اور سخاوت، مہمان نوازی اور مسافر پروری، ضرورتمندوں کے لئے اپنے آپ کو لٹا دینے کا عزم و سودا...... عربوں کی ان تمام خصوصیات میں سے بہت سی خصوصیات واضح طور پر امیر شریعت کو ایک آبائی ورثے کے طور پر منتقل ہوئی تھیں۔ اور ان سے ان کے فرزند ارجمند کو متوارث و منتقل ہو گئی تھیں۔ یہ لوگ ولادتاً سرزمین پاک و ہند سے ہی منسوب تھے لیکن اساساً و اصلاً عرب سید تھے۔ یہاں تک کہ یہ بات ان کے غیر متزلزل عقیدے کا ایک لاینفک حصہ تھی کہ اسلام وہی برحق ہے جس کا ربط و رشتہ عرب کی سرزمین پر نشوونما اور ارتقا پانے والی تاریخ حق کے قرن اوّل سے ہے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی معیار حق ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں افضل و اشرف ہیں یونہی صحابہ رضی اللہ عنہم تمام انسانوں میں انبیاء کے بعد افضل و اشرف ہیں۔ اسلام خالص کے اسی مرکز و منبع کی طرف بازگشت کا عمل اور اسی مرکز و منبع کے ساتھ ملت اسلامیہ کی ابتدائی سچی وابستگی (COMMITMENT) کی پھر سے بحالی اسلامیان عالم کو مؤثر قسم کی یک جائی اور ایک نتیجہ خیز قسم کے اتحاد و اتفاق سے ہمکنار کر سکتی ہے...... یہ تھی سرزمین عرب سے ان کی لازوال دائمی نسبت جو ان کے لئے فخر و ناز کی سب سے قیمتی پونجی تھی اور جو ان کی زندگی کے لئے ایک موج نفس کا درجہ رکھتی تھی اور یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں انہوں نے اپنی بہار عمر کی ایک ایک ساعت ناموس ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے سرفروشانہ دفاع کے لئے نچھاور اور نثار کر دی اور اپنے عہد میں دو اسلام دشمن اور معاشرہ دشمن فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے احرار اسلام کی جواں سال نسلوں کی تیاری اور آبیاری کا اہم کام سرانجام دیا۔

سید ابوذر مرحوم سے میری ملاقاتوں کا آغاز صدی رواں کے ساٹھ کے عشرے میں ہوا۔ غالباً ۱۹۶۴ء کی بات ہے، موسم گرما اپنے زوال پر تھا۔ میں کچہری روڈ پر واقع ریلیکس ہوٹل میں جو میری رہائش گاہ سے ...ب تھا اور جہاں میری نشست روزانہ ہوتی تھی بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک سفید لباس میں ایک متشرع عالم دین اندر قدم زن ہوئے۔ ان کے صحت مند سرخ و سفید چہرے اور ریش مقدس سے ایک ملکوتی نور پھوٹتا محسوس ہوتا تھا۔ انہوں نے اونچی باڑ کی کپڑے کی ٹوپی، شلوار اور کرتہ زیب تن کر رکھا تھا۔ پوری شخصیت اپنے فطری جلال و جمال کی وجہ سے کچھ سحر آفرین اور مرعوب کن تھی۔ وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دو آدمیوں سے ذرا وقار و متانت کے ساتھ ملے تو مجھے ان کا برتاؤ اور رکھ رکھاؤ منفرد سا لگا۔ جس سے مجھے ان کے ہاں ایک خاص طرح کی خودداری ہی نہیں انفرادیت پسندی کا بھی احساس ہوا۔ جو بڑی شخصیات کا ہمیشہ خاصہ رہی۔ مثلاً ابو الکلام آزاد کی شخصیت، جس سے وہ خود بہت متاثر تھے اور پھر "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست" کے

مصداق میری نظر ان پر مرتکز ہو کر رہ گئی۔ انسانی ذہن کا یہ تلازماتی عمل بھی ایک عام سی بات ہے کہ ہمیں مماثل چیزیں اکثر و بیشتر ایک ساتھ یاد آتی ہیں۔ مجھے اس شخصیت کے چہرۂ روشن سے امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ یاد آ گیا۔ اور دونوں چہروں میں ایک غیر مبہم مشابہت کا احساس ہوا اور میں یہ سمجھ گیا کہ یہ جواں سال عالم دین چشم و چراغ یقیناً اسی خاندان کا ہے۔ اس دوران میں وہ آگے بڑھے اور ہوٹل کے ایک الگ تھلگ گوشے میں جا کر بیٹھ گئے۔ میں بھی تھوڑی دیر بعد اٹھا اور کچھ مرعوب و محتاط رویے کے ساتھ اجازت لیکر بالمقابل جا کر بیٹھ گیا۔ جانبین کی طرف سے تعارف ہوا جس کے دوران اندازہ ہوا کہ وہ مجھے میرے بڑے بھائی بابو تاج محمد کے حوالے سے جو اپنے دور میں عقیدۂ ختم نبوت کے ایک جی دار مبلغ اور مناظر رہے تھے جانتے تھے۔ خوب باتیں ہوئیں اور نماز مغرب سے تھوڑا سا پہلے ہم الگ ہو گئے۔ مرحوم سے ملاقاتیں چلتی رہیں کبھی ہوٹل پر (ہوٹل کی ان علمی ادبی گفتگوؤں کو میں ان شاء اللہ آئندہ کسی موقعہ پر احاطۂ تحریر میں لاؤنگا) کبھی ان کے دولت خانے پر اور کبھی مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم میں جہاں وہ خاص خاص مواقع (عیدین وغیرہ) پر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ ان تمام ملاقاتوں میں دو باتیں کھل کر سامنے آئیں۔ اول یہ کہ ان کے پاس کہنے کو بے شمار علمی اور فکری باتیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ بلاشبہ ان کی ذات بابرکات دین کی علمی معلومات کا ایک بے مثال مخزن تھی۔ دوم یہ کہ وہ اپنے مخاطب پر اپنی بات کو مسلط نہیں کرتے تھے وہ خواہ مخواہ کے ادعائی نہیں تھے۔ گفتگو تحمل سے فرماتے تھے۔ اور اپنے مخاطب کو پوری ہمدردی کے ساتھ سننے اور سمجھنے کا ظرف بھی رکھتے تھے اور اسے مطمئن کرنے کی بھرپور صلاحیت بھی۔ پھر یوں ہوا کہ لیل و نہار کی گردشوں کے ساتھ ساتھ کچھ بہ تقاضائے عمر بھی ان کی صحت مضمحل ہوتی گئی۔ فالج کے دو حملوں نے انہیں بے بس کر دیا۔ آخری ایام میں جب ابھی سلب گویائی کا حادثہ رونما نہیں ہوا تھا میں اور میرے ایک نہایت ہی عزیز پڑوسی خان احمد یار خان بار کزئی (اب وہ انتقال کر گئے ہیں) کبھی کبھی عیادت کے لئے ان کے در دولت پر حاضری دیتے رہتے تھے۔ وہ نہایت ہی شفقت و محبت سے پیش آتے۔ پورے التفات سے حال احوال پوچھتے۔ مجھے فرماتے آپ اپنی ادبی صلاحیت کو کام میں لائیں اور مسلسل لکھیں آپ لکھتے کم ہیں، لکھنے کی رفتار بڑھائیں۔

ان ملاقاتوں میں گفتگو کے دوران وہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر آبدیدہ ہو جاتے۔ گفتگو کے موقع و محل کے مطابق جب میں ان کے مذاق شعری کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے کوئی اچھا شعر سناتا تو ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں بھیگ جاتیں۔ ایسی ہی ایک ملاقات میں جو ظاہر ہے مزاج پرسی کی غرض سے تھی انہوں نے غلبۂ ناتوانی کے باعث اوپر اٹھنے سے اپنے آپ کو معذور بتایا تو مجھے غبار خاطر کا مولانا آزاد کا ایک منتخب شعر یاد آ گیا جسے سن کر ان کی حالت غیر ہو گئی، شعر یہ تھا

طاقتِ برخاستن از خاکِ نمناکم نماند
خلق می گوید کہ مے خورداست و مست افتادہ است

آخری ملاقات فاطمہ میڈیکل سنٹر (واقع رشید آباد چوک ملتان) میں ہوئی جہاں وہ داخل کروادیئے گئے تھے میں اور جناب خان احمد یار خان صاحب مذکورہ سنٹر پہنچے تو ان کے فرزند ارجمند معاویہ باہر ہی مل گئے۔ جو ہمیں ان کے کمرے میں لے گئے۔ نزدیک جا کر میں نے انہیں متوجہ کرنے کے لئے تعارفاً اپنا نام بتایا۔ انہوں نے پلکیں اوپر اٹھائیں۔ میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا، انہوں نے فرط شفقت و محبت سے میرا ہاتھ سینے سے لگالیا اور ساتھ ہی بے ساختہ رونا شروع کر دیا۔ اس منظر نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ ہم دونوں بھی وفور جذبات سے مغلوب ہو کر آبدیدہ ہو گئے۔ رقت قلبی کا اس انداز کا غلبہ میں نے ان کے ہاں پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس دوران عزیزم معاویہ نے بتایا کہ ہسپتال والوں نے گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ فوراً ایمبولینس منگوائی گئی۔ سید صاحب کو اٹھا کر اس کے اندر لٹا دیا گیا۔ معاویہ ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں اور خان احمد یار خان کار میں سوار ہوئے اور انہیں ان کے دولتکدے پر چھوڑ کر کچھ دیر بغرض دلجوئی ان کے پاس بیٹھے اور پھر اجازت لے کر واپس آ گئے۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ ان کا میرے ہاتھ کو سینے سے تادیر لگائے رکھنا اور پھوٹ پھوٹ کر رونا کیا مفہوم رکھتا ہے۔ کہاوت بتاتی ہے کہ آنے والے واقعات اپنی پرچھائیں پہلے ہی ڈال دیتے ہیں۔ اب کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ انہیں شاید اس بات کا دھندلا سا احساس ہو گیا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ جیتے جی اب کبھی ملاقات نہیں ہو گی اور واقعی ہو بھی نہ سکی۔ کچھ مدت بعد جب ان کا سیال کلینک میں آخری وقت آیا تو میں ان کی زیارت کی سعادت سے بہرہ یاب نہ ہو سکا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ...... وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا اور پھر قضاء الہی سے سیال کلینک میں رات دس بج کر چالیس منٹ پر بروز پیر ان کی مہلت حیات اپنی حد اختتام کو پہنچ گئی۔ جن لوگوں نے انہیں اس آخری وقت میں دیکھا اور ان کی جنبش زبان کی مدہم آوازوں کو کان لگا کر سنا وہ گواہ ہیں کہ ان کی زبان مبارک پر اللہ اللہ کا ورد جاری تھا۔ ذکر اسم ذات کی یہی کیفیت ان کے والد گرامی امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کے ہاں بھی آخری وقت میں دیکھنے والوں نے دیکھی تھی۔ ایک اور مماثلت اور یکسانیت جو ان دونوں ہستیوں کے اوقات آخریں میں ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کا انتقال پیر کے دن کے اختتام پر صرف چار گھنٹوں کے فرق کے ساتھ عمل میں آیا اور دونوں کی تدفین منگل کے روز عصر کے بعد عمل میں لائی گئی۔ جنازے میں شرکاء کی حاضری ملک گیر تھی۔ مختصر وقت کی اطلاع کے باوجود کراچی سے لیکر پشاور تک کے مخلص غمگسار ادھر ادھر بکثرت دکھائی دے رہے تھے۔ نماز جنازہ مرحوم کی وصیت کے مطابق جامعہ خیر المدارس کے حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہم العالی نے پڑھائی اور پھر انہیں جلال باقری قبرستان میں ان کے والدین کی قبروں کے عین درمیان دفن کر دیا گیا اور یوں ایک نہایت ہی پاکیزہ اور عظیم زندگی کی داستان اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی۔ نماز مغرب کی اذانیں شروع ہو گئی تھیں نماز پڑھ کر ہم گھروں کو چلے تو رات معمول سے کہیں زیادہ تاریک لگ رہی تھی۔ خصوصاً معاویہ، مغیرہ کے ذہنوں میں تاریکی کا یہ احساس اور بھی شدید تھا کہ وہ شفقت پدری کے گنج گرانمایہ سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے خاموش

چہرے مستقبل کی دکھ بھری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ

گزرتا تھا گراں بھی لمحہ بھر جن سے جدا ہونا
تعجب ہے کہ ان سے دور اب عمریں بسر ہوں گی

اللھم اغفرلہ ورحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ و وسع مدخلہ واغسلہ بالما والثلیج والبرد ونقہ من الخطایا کمانقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ داراخیر امن دارہ واھلاً خیر امن اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ واد خلہ الجنتہ واعذہ من عذاب القبر و عذاب النار

"خدا ملتا ہے"

کیسے ممکن ہے حقائق بھی سرابوں میں ملیں
رحمتِ حق کے نشاں کیسے عذابوں میں ملیں

ساز و جداں سے سنو نغمۂ عرفان و یقیں
یہ وہ نغمہ نہیں جو تم کو ربابوں میں ملیں

تو خدا ہے، نہ ہیں معصوم رسولوں جیسا
پھر بتا کیسے یہ جلوے نہ حجابوں میں ملیں

دے کے غم ایسے ہوئے حشر تلک ہم سے جدا
اب ملے بھی تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

وہ ہیں خود ایک چمن اور ادائیں خوشبو!
ایسی خوشبوئیں بھلا کیسے گلابوں میں ملیں

ان کا ارشاد ہے میں ٹوٹے دلوں میں ہوں مکیں
ہے مثلِ گنجِ گراں مایہ خرابوں میں ملیں

ضبط و فریاد کے مابین ہے صبر، غ ت
دل جلوں کے یہی آثار عتابوں میں ملیں

زندگی لاکھ مسلسل ہو، نہیں اسکو بقا
اسکی تمثیل و علامات حبابوں میں ملیں

راہِ لاہوت کے دیکھے وہ مسافر ہم نے
منزلِ حق کے نشاں جن کے رکابوں میں ملیں

صف نشیں ایسے، فرشتے بھی کریں جنکو سلام
ایسے انسان کہاں عالی جنابوں میں ملیں

نشۂ عشق محمد میں خدا ملتا ہے
یہ وہ نشے نہیں جو تم کو شرابوں میں ملیں

جسکو ایمان کی طلب ہے تو فقیروں سے ملو
یہ وہ نکتے نہیں جو تم کو کتابوں میں ملیں

غمِ دنیا میں غمِ دین بھی شامل کر لو
تاکہ دیدار و رضا تمکو ثوابوں میں ملیں

ایک قران ہے جہاں بھر کے مصائب کا علاج
سب سوالات کے حل اسکے جوابوں میں ملیں

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

حج بیت اللہ کو یاد کر کے ایک تاثر

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ
سمندر کا تموج قہرانی

وہ ساحل کا سکوں اسکی متانت
وہ صحرا میں تپش کی حکمرانی

وہ میقاتِ یلملم اور احرام
وہ لبیک و درود و رجز خوانی

وہ بن کھیتی کا خطہ ارضِ بکہ
وہ کعبہ کی جلال آ گیں نشانی

خوشا دیوانگی درِ طوفِ کعبہ
زہے بوسیدن سنگِ جنانی

حطیم و بابِ کعبہ پر دعائیں
وہ فیضِ عام اور رکن یمانی

وہ جدول نور کی میزاب رحمت
سوادِ کعبہ کی وہ ضو فشانی

وہ رونا اور لپٹنا ملتزم سے
وہ شوقِ وصلِ ، حسن لامکانی

گلوگیری وہ آوازوں میں رقت
ندامت اور اشکوں کی روانی

وہ لرزاں ہاتھ اور دامن کسی کا
وہ ترساں چہرے اور آنکھوں میں پانی

مصلائے براھیمی میں سجدے
مبارک اقتدارِ نیک بانی

وہ روحوں کی پیاس اور سوز باطن
وہ زمزم اسکی وہ فیضاں رسانی

ازل کے عہد کی تجدیدِ دائم
یہ ہیں موجِ بقا در بحرِ فانی

صفا مروہ پہ مجنونانہ گردش
وہ حیرانی میں ذوقِ کامرانی

شعب اور بوقبیس و دارِ ارقم
یہاں پوشیدہ ہے حق کی کہانی

وہ عرفات و منٰی و مظہرِ عشق
وہ مزدلفہ کی شبِ زریں سہانی

وہ خیف و نمرہ میں عجز و تعبد
وہ مشعر میں وقوف بے مکانی

وہ ظہر و عصر کی تکبیر یکجا
وہ مغرب اور عشاء کی ہمعنانی

رقیب رو سیہ کی نامرادی
وہ رمی جمرہ وجہِ شادمانی

غلامی اور آقائی کے منظر
وہ باقی اور یہ مخلوق فانی

پروفیسر محمد طاہر علی الہاشمی (ایم اے) صدر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

بے باک، حق گو، عالم با عمل

اپنے کسی خاص بندہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص فضل ہوتا ہے کہ اسے کسی اچھے اور بڑے کام کی صلاحیت بخشی جائے اور اس کام کی لگن اس کے دل میں لگا کر اس میں اس کو مشغول بھی کر دیا جائے۔

مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اور ان کے کام کو دیکھنے والے ہر شخص کو صاف نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ان کی رفیق تھی۔ ان کی زندگی حد درجہ انہماک و مشغولیت اور مجاہدہ و ریاضت کی زندگی تھی۔ وہ "الحبّ للہ البغض للہ" اور "اشداءُ علی الکفار رحماء بینھم" پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔ ان کی زندگی کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ جس راستے پر چلنے کو وہ حق سمجھ لیتے پھر کسی کی بات سننا یا نہ سننا، ماننا یا نہ ماننا، کسی کا ساتھ دینا یا نہ دینا، کسی کی رضامندی یا ناراضی، کسی کی تحسین یا ملامت، حتیٰ کہ کوئی زلزلہ اور طوفان بھی ان کے پائے استقامت میں کوئی لرزش نہیں ڈال سکتا تھا۔ آہ! کہ آج بزم عرفان سونی ہے۔ محراب انسانیت بے نور ہے...... مسند خطابت کی رونق جا چکی ہے۔ جو جانتے ہیں انہیں تو بتانا کیا...... اور جو نہیں جانتے انہیں کیسے بتایا اور باور کرایا جائے کہ اس ایک ذات سے محروم ہو کر ہم کس نعمت سے محروم ہو گئے۔

آہ! وہ سلف صالحین کی چلتی پھرتی یادگار، وہ مجسمۂ زہد و ایثار، وہ پیکر تقدس اور وہ کوہ استقامت اب ہم کہاں دیکھ پائیں گے۔ جسے دیکھ کر ایمان کے بجھے ہوئے ذرات میں چمک اور تازگی پیدا ہوتی تھی۔ جس کا قرب پا کر دلوں میں ذوق عمل اور تعلق باللہ کی امنگ بیدار ہوتی تھی ...... جس نے اس دور انحطاط میں ہر طرح کے مواقع کے باوجود زہد و ایثار ہی کو اپنی اصلی دولت سمجھا...... جس نے گوشۂ خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ کارزار حیات کے ان میدانوں میں رہ کر اپنے دامن تقدس کو بے داغ رکھا۔

آہ! یہ دولتِ نایاب اب کہاں؟...... اب کہاں وہ صحبتیں؟ ......کہاں وہ مجالس وعظ و تقریر، جہاں اس آسانی سے دل بیدار ہو جاتا تھا اور مدتوں کی غفلت چند لمحوں کے لئے تو کافور ہو ہی جاتی تھی۔

مگر آہ! کیا معلوم تھا کہ یہ سب ایمان پرور اور مسرت بخش مناظر ایک دن دل کے داغ بن جائیں گے۔ حضرت سید ابوذر بخاری کا داغ مفارقت دے جانا بلاشبہ ہم سب کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے لیکن خود ان کے حق میں ان شاء اللہ ایسی ترقی، ایسی رفعت و بلندی اور ایسی نعمت ہے کہ اگر اس دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو جائے تو اس کے اشتیاق میں ایک ایک لمحہ کاٹنا مشکل ہو جائے اور یہاں جینے کی آرزو باقی نہ رہے۔

بدوی کا ایک شعر پیش خدمت ہے جس سے زیادہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کو کسی کی تعزیت نے تسلی نہیں دی تھی۔

خیر من العباس اجرک بعدہ　　　والله خیر منک للعباس

اور

لوکانت الدنیا تدوم لواحد لکان محمد فیها مخلداً

اور

حکم المنیه فی البریه جار ماھذہ الدنیا بدار قرار

سبیل الموت غایه کل حیٍ فداعیه لاھل الارض داع

حضرت مولانا ابو ذر بخاری مرحوم کے انتقال سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام ایک نڈر، دلیر، بیباک، حق گو اور عالم باعمل سے محروم ہو گیا ہے لیکن یہ بات باعث تسکین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید ابوذر بخاری مرحوم سے اپنے دین کی حفاظت کا وہ عظیم کام لیا جس کی توفیق اس کے خاص بندوں ہی کو ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے نوازے، ان کی دینی خدمات کا اپنی شان عالی کے مطابق صلہ عطاء فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے اور آپ کے جملہ اعزہ و اقارب اور تمام متعلقین کو اجر جزیل اور صبر جمیل عطاء فرمائے آمین یا الٰہ العالمین

مدرسہ ختمِ نبوت مسجد احرار ربوہ

دارالکفر والارتداد ربوہ میں مسلمانوں کا عظیم تعلیمی و تبلیغی مرکز

ڈیڑھ سو سے زائد طلباء و طالبات قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بخاری پبلک سکول میں پرائمری تک طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ میں پچاس سے زائد طلباء رہائش پذیر ہیں۔ مدرسہ کی توسیع کے لئے مزید دو کنال زمین کی خرید اشد ضروری ہے۔ درس گاہیں اور مسجد تعمیر کی تکمیل کے مرحلہ میں ہیں۔ اپنے عطیات، زکواۃ صدقات اس کارِ خیر میں دے کر اجر حاصل کریں۔

ترسیل زر کے لئے پتہ

سید عطاء المھیمن بخاری: منتظم مدرسہ ختمِ نبوت، مسجد احرار ربوہ ضلع جھنگ۔

فون: (04524)211523

مولانا ابوریحان عبدالغفور

جانشینِ امیرِ شریعت سے وابستہ چند یادیں

ایک ملاقات میں برادر محترم سید محمد کفیل بخاری کو میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی کی چند باتیں سنائیں۔ ان میں کوئی بات بھی "نقیب" میں شائع ہونے کے قابل نہ تھی لیکن پتہ نہیں پھر بھی وہ میرے سر کیوں ہوگئے کہ انکو "نقیب" کے لئے قلم بند کر دو۔ ان کے حکم کی تعمیل میں مقصوداً ان میں سے صرف وہ باتیں، قارئینِ "نقیب" کی خدمت میں پیش ہیں جو جانشینِ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری مرحوم و مغفور سے متعلق ہیں۔

ا۔ جانشینِ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی زیارت مجھے اس وقت ہوئی جب میں "مدرسہ خدام القرآن"، میرے شاہ، تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خاں میں اپنی تعلیم کے بالکل ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا۔ یہ مدرسہ اگرچہ شہری آبادی سے کئی میل دور خالص دیہاتی آبادی میں تھا۔ وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ آپکی سڑک ایک طرف سے چھے میل اور دوسری طرف سے تین میل دور تھی، اس پر بھی موٹر لاری اکادکا ہی چلا کرتی تھی۔ وہاں سے زیادہ تر پیدل ہی مدرسہ پہنچنا ہوتا تھا۔ یا پھر صادق آباد شہر سے سالم تانگہ مدرسہ کیلئے کروانا ہوتا تھا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ مکہ و مدینہ جانا آسان ہے، مدرسہ مرسے شاہ پہنچنا مشکل ہے۔ لیکن اس کے باوجود مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فاضل دیوبند و تلمیذ شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ کے اخلاص اور انتھک شبانہ روز محنت اور طلبہ خصوصاً چھوٹی عمر کے طلبہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق ان کی خاص مجتہدانہ مہارت و مساعی کی وجہ سے اسکی شہرت، کراچی تا پشاور صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک تک پہنچی ہوئی تھی۔ مکہ و مدینہ کے دو طالب علم تو خود میرے ہم درس تھے۔ حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر اور کچھ مدرسہ کی شہرت کے پیش نظر آئے دن عالم اسلام کی مایہ ناز اور عظیم شخصیات مدرسہ تشریف لاتی رہتی تھیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف (حضرت جی، امیر تبلیغی جماعت) حضرت مولانا عبدالغفور مدنی، حضرت مولانا محمد صادق (ا) مہتمم مظہر العلوم کھڈہ کراچی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا عبدالملک مدنی، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، حضرت مولانا حامد میاں (رحمہم اللہ) اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، جیسے بزرگوں کی سب سے پہلے زیارت مجھے وہیں نصیب ہوئی۔ شیخ الاسلام مدنی، امام الہند ابوالکلام آزاد، اور امیر شریعت (رحمہم اللہ) کی وفات کی خبریں بھی وہیں سنیں۔ ایوب خاں کا

ا۔ غالباً یہی نام تھا۔ بہت ہی اللہ والے بزرگ تھے۔ اس دور میں جتنے بھی بزرگوں کی زیارت مجھے نصیب ہوئی ان سب سے زیادہ میرے دل پر انہی کی شخصیت کا اثر ہوا۔ شاید اس لئے کہ چند گھنٹے ان کی صحبت اور صادق آباد شہر سے مدرسہ تک سفر میں ان کی معیت نصیب ہوگئی تھی۔

مارشلاء بھی وہیں دیکھا- احرار کی لال جیپ مع لاؤڈ سپیکر وہیں دیکھی-

سن و سال تو یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ میں قرآن مجید حفظ کر رہا تھا- عمر چھوٹی ہی تھی- سخت بخار میں مبتلا تھا- اپنے جھونپڑے نما کچے کمرے میں (جسکو وہاں کی زبان میں اسوقت "سال" کہا جاتا تھا- اب تو شاید وہاں کے لوگ بھی اس سے نا آشنا ہو گئے ہوں گے) لیٹا ہوا تھا کہ باہر لاؤڈ سپیکر پر کسی کے کچھ پڑھنے کی آواز کان میں پڑی- اس وقت تک مدرسہ میں کیا آس پاس ساری آبادی میں بجلی اور لاؤڈ سپیکر کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا- اس لئے ایسی آواز پر بچے تو بچے بڑے بھی اسکو ایک عجیب چیز سمجھ کر تماشا دیکھنے گھروں سے باہر آ جایا کرتے تھے- میں بھی اسی حالت میں اپنی "سال" سے باہر نکل آیا تاکہ دیکھوں آواز کیا ہے اور کہاں، سے آ رہی ہے- دیکھا تو سامنے کیکر کے درخت کے نیچے ایک سرخ رنگ کی جیپ کھڑی تھی، اسی پر سپیکر لگا ہوا تھا- پڑھنے والا پنجابی زبان میں کچھ اشعار پڑھ رہا تھا- اور تو کچھ یاد نہیں صرف یہ یاد ہے کہ وہ کچھ اس قسم کے بول بول رہا تھا-

"خواجہ، چھڈ ظفر اللہ نوں باز آجا"

بعد میں جب ہوش سنبھالا تو اندازہ ہوا کہ یہ خواجہ ناظم الدین کا زمانہ تھا اور اس سے قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ آنجہانی کی برطرفی کا مطالبہ ہو رہا تھا- واللہ اعلم-

صرف دینی شخصیات ہی مدرسہ میں نہ آتی تھیں بلکہ دنیوی اعتبار سے بڑی بڑی قد آور ہستیاں بھی آیا کرتی تھیں- جن میں سے اب صرف مخدوم غلام میراں شاہ مرحوم ہی یاد رہ گئے ہیں- یہ اپنے علاقے کے رئیسِ اعظم تھے- بادشاہوں اور نوابوں کا سا ٹھاٹھ باٹھ تھا- "جمال الدین" نامی، شہر میں قلعہ نما ان کے محلات تو میں نے بھی دیکھے تھے- یہ اپنے علاقہ کے جہاں رئیس تھے وہاں پیر بھی تھے- بڑا ہی رعب اور دبدبہ تھا- اکابر دیوبند سے اسی طرح بدگمان تھے جس طرح سن سنا کر دوسرے لوگ- ہمارے مہتمم صاحب کی اللہ قبر منور کرے، ان پر حضرت مدنی کا ایسا رنگ چڑھا ہوا تھا کہ کسی بڑے سے بڑے دنیا دار سے وہ قطعاً مرعوب نہ ہوتے تھے- وہ مخدوم صاحب کو بھی اختلافِ مذاق کے باوجود مدرسہ لے آئے تھے- مدرسہ میں تو ان کی صرف زیارت ہی یاد ہے- ویسے حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے ان سے اپنی ایک ملاقات کا واقعہ طلبہ کے عام مجمع میں سنایا تھا- فرماتے تھے میں ایک دفعہ مخدم صاحب کے ہاں گیا- ان کے ساتھ چل رہا تھا کہ پھولوں کی کیاری یا گملے کے پاس سے گزر ہوا- فرماتے تھے میں نے پھول دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا-

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمس نہار

مخدوم صاحب شعر سن کر پھڑک اٹھے- پوچھنے لگے یہ کس نے کہا ہے؟ استادِ محترم حضرت مہتمم صاحب مرحوم فرماتے تھے میں نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ نے کہا ہے- وہ اس شعر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے- اس واقعہ کے بعد ہی وہ مدرسہ تشریف لائے تھے- جس

سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکابر دیوبند سے ان کی بدظنی ختم یا کم ہو گئی تھی۔ اس طرح حضرت مہتمم صاحب نے وہاں توحید کا نور پھیلایا اور اکابر دیوبند کو وہاں روشناس کرایا۔ جبکہ اس سے پہلے وہ علاقہ شرک کا گڑھ اور مشرک پیروں کا مرکز تھا۔ ہم نے تو اس کی وہ حالت دیکھی ہے۔ قارئین بھی اس ایک واقعہ سے اسکا اندازہ لگائیں۔ حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے ہی ہمیں یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، تقریر کیلئے اس علاقہ کے "کچا بھٹہ" نامی ایک گاؤں میں تشریف لائے۔ تقریر کا اعلان ہوا تو پیروں فقیروں نے اپنے چیلوں کو بھڑکایا کہ یہ وہابی آ رہا ہے اس کی تقریر یہاں نہیں ہونی چاہئیے۔ لوگ ڈنڈے سوٹے اور کلہاڑیاں (کلہاڑی ہی اس دور میں اس علاقہ کی کلاشنکوف ہوتی تھی) لیکر گاؤں سے باہر آ گئے کہ وہابی کو یہاں نہیں آنے دیں گے۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم تشریف لائے۔ لوگوں نے مزاحمت کی کہ تم وہابی ہو۔ ہم تمہیں یہاں تقریر نہ کرنے دیں گے۔ حضرت امیر شریعت مرحوم نے فرمایا۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں وہابی ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے بتایا ہے۔ فرمایا قرآن کہتا ہے جب تمہیں کوئی بات کسی کے بارے میں پہنچے تو اسکی تحقیق کرلیا کرو۔ سورہ حجرات کی آیت......یاایہا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا......... آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا تم پر لازم ہے کہ میرے بارے میں تحقیق کرو۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ میں تقریر کرتا ہوں، تم سنو۔ اگر میں وہابی نکلا تو میں خود ہی چلا جاؤں گا، تقریر نہیں کرونگا۔ لوگ اپنے ڈنڈے سوٹے اور کلہاڑیاں رکھ کر وہیں بیٹھ گئے کہ بات معقول ہے۔ آپ تقریر کریں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ وہابی ہیں یا کون؟ پھر کیا تھا؟ بلبل نے ریاض رسول میں چہکنا شروع کیا تو فضاء مسحور ہو گئی۔ لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ڈنڈے سوٹے سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ کلہاڑیاں سب کند ہو گئیں۔ بخاری، توحید کے نغمے سناتا رہا اور لوگ بے خود و بے سدھ سنتے رہے، جب شاہ جی رحمہ اللہ نے "وآخر دعوانا" کہا تو جو لوگ ڈنڈے سوٹے اور کلہاڑیاں لے کر آئے تھے انہی کا اصرار تھا کہ "کچھ اور" حضرت شاہ جی یہ فرماتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ "اور، پھر کبھی۔"

الغرض مدرسہ میں آئے دن ایسی شخصیات آتی رہتی تھیں۔ ایسے موقع پر کچھ تو آنے والوں کے اعزاز میں اور کچھ مدرسہ کے تعارف کیلئے مدرسہ کی مسجد میں طلبہ و اساتذہ کی ایک مجلس منعقد ہوتی، جس میں طلبہ اپنا پڑھا لکھا، آنے والے معزز مہمانوں کو سناتے اور گرامی قدر مہمان، طلبہ کو اپنے مواعظ و ملفوظات سے مستفید کرتے۔ ایسی ہی ایک مجلس کیلئے ایک دفعہ ہم مسجد پہنچے تو مہمانوں میں ایک نہایت ہی حسین و جمیل بالکل سیاہ ڈاڑھی والے ایک نوجوان کو بھی دیکھا۔ ان سے قرآن سنانے کی فرمائش کی گئی۔ انہوں نے سورۂ فرقان کا آخری رکوع......تبارک الذی جعل فی السماء بر و جا......... تلاوت فرمایا۔ اس واقعہ کو آج تقریباً چالیس سال ہونے کو ہیں، اسکی حلاوت و لذت، باوجودیکہ میں اسوقت بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ دوران تلاوت ہی اپنے دائیں بائیں بیٹھے بعض بڑے طلبہ سے پوچھا کہ یہ قاری صاحب کون ہیں؟ پتہ چلا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بڑے فرزند ارجمند مولانا سید عطاء المنعم صاحب ہیں۔ یہ ان کی سب سے پہلی زیارت تھی جو مجھے نصیب ہوئی اور چونکہ اس وقت میں بچوں کی صف کا طالبعلم تھا اس لئے مسجد میں آتے اور

پھر جاتے میں بس ان کی زیارت ہی نصیب ہوئی۔ اس سے زائد آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کا نہ شعور تھا نہ اہلیت اور نہ اجازت تھی۔

آگے بڑھنے سے پہلے مدرسہ کی ان مجلسوں کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے قارئین کو ایک قصہ اور بھی سناتا جاؤں۔

مدرسہ میں غالباً ڈیرہ غازی خاں کی طرف سے سرائیکی زبان کے ایک بوڑھے شاعر آیا کرتے تھے۔ اصل نام تو انکا پتہ نہیں کیا تھا۔ پکارے "شیرن خاں" کے نام سے جاتے تھے۔ شاید اصل نام شیر محمد ہو گا۔ جب وہ مدرسہ آتے تو حضرت مہتمم صاحب، مسجد میں اساتذہ و طلبہ کو اس سے اشعار ضرور سنواتے۔ وہ اشعار ایسے پڑھتے جیسے کوئی حافظ، منزل پڑھتا ہے۔ اساتذہ اور بڑے طلبہ تو اس کے اشعار سے مستفید ہوتے ہوں گے ہم چھوٹے بچے تو بس ان کی بے ساختگی، روانی، ان کے زیر و بم، اتار چڑھاؤ، نیز سر، آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں اور زاویوں سے ہی محظوظ ہوتے تھے۔ سادے اتنے تھے کہ ادھر پوری رفتار سے اشعار پر اشعار پڑھتے جاتے ادھر اسی رفتار سے اپنا تہبند بھی کستے، اوپر چڑھاتے اور سنبھالتے رہتے، ہنساتے بھی اور رلاتے بھی۔ ان کے اشعار یاد نہیں ان کی ادائیں یاد ہیں، ایک شعر جو وہ خود بھی تقریباً ہر دفعہ سنایا کرتے تھے اور حضرت مہتمم صاحب بھی بار بار ہم کو نصیحت کرتے وقت، پڑھا کرتے تھے، البتہ یاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔

سخن والی تلوار مرسے ساں پھٹ حیا کوں تھی سی

بے حیا ایہہ گالہیں سن سن پیا اکڑسی سی

یعنی بات والی تلوار ماروں گا، حیا والے کو زخم لگے گا۔ بے حیا یہ باتیں سن سن کے اوراکڑے گا۔

"پیا اکڑسی سی" کو پڑھتے وقت وہ خود اسکا عملی نمونہ بھی ایسے انداز سے پیش کرتے یعنی ایسے اندار سے اکڑتے کہ آج بھی ان کی اس اداکاری کا تصور کرتا ہوں تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔

جن دنوں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی انہی دنوں میں اتفاق سے شیرن خاں بھی مدرسہ میں آدھمکے۔ حسب معمول اشعار سننے سنانے کی مجلس منعقد ہوئی۔ انہوں نے جہاں خاص اپنی سرائیکی کے اشعار سنائے وہاں حضرت شاہ جی کی وفات کی مناسبت سے چند اشعار اردو میں بھی سنائے جن میں ایک جگہ حضرت شاہ جی مرحوم کی وفات کا بھی ذکر تھا۔ میرے وہ سال مدرسہ میں آخری سال تھے کچھ کچھ باتیں سمجھنے لگ گیا تھا۔ ان کے وہ اشعار یاد تو نہیں لیکن مجلس برخاست ہونے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر اپنے حافظہ کی مدد سے میں نے ان میں سے چند اشعار لکھ لئے تھے۔ اسکی ضمانت قطعاً نہیں کہ میں نے وہ اشعار صحیح لکھے تھے۔ بیاض میں صحیح، غلط جیسے بھی لکھے ہوئے ہیں قارئین کی ضیافت طبع کے لئے ان میں سے چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں، حضرت شاہ جی کا نام تو شیرن خاں نے یقیناً لیا تھا یہ تو اچھی طرح یاد ہے لیکن کہاں اور کس طرح لیا تھا یہ یاد نہیں رہا۔ شیرن خاں نے اپنی منزل یوں پڑھی تھی۔

آ کر جہاں میں لاکھ تونگر گزر گئے   صدہا مالدار و گداگر گزر گئے

پیغمبر اصل زندہ تو ظاہر گزر گئے ۔ لافتاح تھا حیدر گزر گئے
سہراب، سام و رستم سے زور آور گزر گئے ۔ جالینوس و لقمان سے برتر گزر گئے
جمشید شاہ دارا سکندر گزر گئے ۔ ہمایوں شاہ بابر اکبر گزر گئے
شاہجہاں، جہانگیر، نادر گزر گئے ۔ سامانِ عشق ساقی و ساغر گزر گئے
سعدی نظامی جامی سے شاعر گزر گئے ۔ مالکِ زمین و مکاں، مسافر گزر گئے
پوچھو نہ کیونکر آئے کیونکر گزر گئے ۔ آئے جو اس جہاں میں آخر گزر گئے

اسی وزن پر کہیں انہوں نے یہ بھی پڑھا تھا کہ "سید عطاء اللہ بخاری گزر گئے"۔ جس طرح میری بیاض میں لکھے ہوئے تھے جوں کے توں نقل کر دیئے ہیں۔ شعر و شاعری کا مجھے نہ ذوق ہے نہ شعور، اس لئے ان کی نوک پلک کے نہ غلط ہونے کا پتہ ہے نہ صحیح کرنے کا طریقہ ہی آتا ہے۔ اگر کہیں غلطی ہو اور یقیناً ایک نہیں بہت غلطیاں ہوں گی وہ میری عقل اور نقل کا قصور ہے۔ شیرن خاں بہر حال بہت منجھا ہوا، زندہ دل اور مرنجان مرنج شاعر ہی تھا۔ (حضرت امیر شریعت، شیرن خاں کو سرائیکی کا فردوسی کہا کرتے تھے)

۲۔ دوسری بار جانشین امیر شریعت کی زیارت، ملتان میں ہوئی۔ حضرت امیرِ شریعت کے دولت خانہ پر وہاں تک پہنچنے کا قصہ یہ ہے کہ میرے ایک استاد ہیں حضرت مولانا قاری فریدالدین صاحب مدظلہ، ملتان کے علاقہ کے حافظ محمد رفیع صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد مطیع صاحب، ان کے شاگرد تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے ایک تیسرے بھائی تھے جو ان دونوں سے بڑے تھے (انکا نام اب ذہن سے اتر گیا ہے) وہ ملتان کی ایک مسجد میں خطیب اور اسی سے ملحق ایک مکتب کے مہتمم تھے۔ مسجد کا نام اب یاد نہیں رہا اتنا یاد ہے کہ مغلیہ طرز تعمیر کی تین گنبدوں والی مسجد تھی۔ اس کے آس پاس نرسریاں ہوتی تھیں اور کچھ فاصلے پر فوجی مشقی پریڈ گراؤنڈ ہوتا تھا۔ شہر سے کسی قدر کٹی ہوئی تھی۔ حافظ محمد رفیع اور مولوی محمد مطیع صاحبان ایک سال استاد محترم کو رمضان میں قرآن مجید سنانے یعنی تراویح پڑھانے کیلئے اپنے بڑے بھائی صاحب کی اس مسجد میں لے آئے۔ استاد محترم نے بطور سامع مجھے اپنی معیت کی سعادت بخشی۔ ملتان میں قیام کے دوران قرآن مجید سننے سنانے کے علاوہ بزرگوں کی زیارت کے پروگرام بھی بنتے رہتے تھے۔ ایک دن حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی زیارت کا پروگرام ٹھہرا۔ مولوی محمد مطیع صاحب ہمارے رہبر تھے، بخاری دربار میں پہنچے، دستک دینے پر بیٹھک کا دروازہ کھلا تو بالکل سامنے ہی ایک لحیم شحیم بھاری بھر کم ملنگ نما ہستی تشریف فرما نظر آئی۔ ہاتھ کی انگلیوں میں انگوٹھیاں اور زلفوں کی کندھوں سے اٹکھیلیاں، میرے ذہن میں حضرت امیر شریعت کی شکل و صورت کا جو خاکہ تھا یہ ملنگ صاحب چونکہ اس پر فٹ نہ آ رہے تھے اس لئے میں نے دروازے میں قدم رکھتے ہی مولوی محمد مطیع صاحب سے سرگوشی کے انداز میں بڑی حیرت و استعجاب سے پوچھا "کیا عطاء اللہ شاہ بخاری یہ ہیں؟" انہوں نے مجھے کہا "چپ رہو، شاہ صاحب یہ نہیں

ہیں۔" ان ملنگ صاحب کو جانتے وہ بھی نہ تھے۔ تھوڑی دیر میں حضرت شاہ جی رحمہ اللہ اندر سے تشریف لائے۔ ہم نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ چونکہ بیمار تھے اس لئے ہم سے معذرت کر کے چارپائی پر لیٹ گئے۔ پاؤں حضرت شاہ صاحب کے دروازے کی طرف تھے اور چہرۂ انور، ان ملنگ صاحب کی طرف۔ جب ان دونوں بزرگوں کی آپس میں گفتگو شروع ہوئی تو راز کھلا کہ یہ صاحب جن کو میں ملنگ سمجھے بیٹھا تھا ملنگ نہیں ہیں بلکہ حضرت شاہ جی کے رزم و بزم کے پرانے ساتھی، برصغیر کے مایہ ناز شاعر، قافلۂ حریت کے ایک جاں باز و جاں نثار سپاہی، آزادیٔ ہند کے ایک ممتاز حُدی خواں جناب علامہ انور صابری ہیں جو انڈیا سے شاہ جی کو ملنے آئے ہیں، جہاں شاہ جی اپنی تقریروں کا جادو جگایا کرتے تھے وہاں یہ اپنے اشعار سے مجمعوں کو گرمایا کرتے تھے۔ انکا نام چونکہ میں نے پہلے سنا ہوا تھا۔ بلکہ ان کی آواز اور لب و لہجہ سے بھی کسی قدر آشنا تھا اس لئے شاہ جی کے ساتھ ان کی زیارت بھی ہو کر ہماری خوشی دوچند ہو گئی۔

ان کے نام سے تو اس طرح واقف تھا کہ ان کی "بھول گئے" قافیے والی نظم کئی بار سن چکا تھا۔ بلکہ اس کے اکثر اشعار یاد تھے اور بڑے مزے لے لے کر میں پڑھا کرتا تھا۔ صادق آباد کے ایک مستری محمد صدیق صاحب احراری (۲) ہوتے تھے، وہ میرے والد صاحب کے اور ان کے بیٹے خود میرے دوست ہوتے تھے۔ یہ مستری صاحب، نعت خوانی بھی کیا کرتے تھے۔ مدرسہ میرے شاہ میں انکا اکثر آنا جانا رہتا تھا، کبھی طلبہ کی فرمائش پر اور کبھی عام جلسوں مجمعوں میں یہ شعراء کا کلام سناتے رہتے تھے اور بڑی خوش آوازی سے پڑھتے تھے۔ ان سے ہی کئی دفعہ انور صابری کا یہ کلام بھی سنا تھا۔ انہی سے بار بار سن کر کچھ یاد بھی ہو گیا تھا اور اپنی یاد سے ہی اس کے کافی اشعار اپنی بیاض میں لکھ بھی لئے تھے جن میں سے چند الٹے سیدھے بیاض کے مطابق پیشِ خدمت ہیں۔

۲۔ ان مستری صاحب کو حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی خدمت کا موقع بھی ملا تھا۔ ان سے اچھی خاصی علیک سلیک تھی۔ اب وفات پا گئے ہیں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے۔ وفات سے چند سال پہلے اسلام آباد تشریف لائے۔ ملاقات پر مجھے ذاتی طور پر پیش آمدہ ایک واقعہ کی مناسبت سے اپنا واقعہ سنایا کہ "میں ایک دفعہ حضرت شاہ جی کے پاؤں دبا رہا تھا۔ تنہائی تھی۔ تیسرا کوئی آدمی نہ تھا۔ میں نے عرض کی: حضرت! میرا ایک ماموں ہے، بہت ہی نیک، صوم و صلوٰۃ کا پابند۔ تہجد گزار اور تلاوت قرآن شعار۔ لیکن مالی اعتبار سے وہ ہر وقت قابلِ رحم ہی رہتا ہے۔ فرمایا: محمد صدیق! اسکو کوئی علت ہو گی۔ میں نے کہا: حضرت! علت تو کوئی بھی نہیں۔ نہ تمباکو نہ سگریٹ، نہ حقہ نہ نسوار، نہ سینما نہ جوا، نہ کچھ اور بہت نیک انسان ہے: فرمایا! نہیں محمد صدیق! کوئی علت ہو گی۔ ورنہ ایسے نیک آدمی مالی اعتبار سے اتنے قابلِ رحم نہیں ہوا کرتے۔ میں نے پھر کہا کہ حضرت! علت تو کوئی بھی نہیں۔ فرمایا! نہیں کوئی علت ہو گی۔ پھر میں نے بتایا کہ حضرت! علت تو کوئی نہیں۔ بس "کیمیا گری" کرتے ہیں۔ فرمایا! محمد صدیق! اس سے بڑی اور علت کیا ہو گی؟ یہی تو سب سے بڑی علت ہے۔ مال و دولت کی تباہی و بربادی کی"...... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے والد ماجد مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمہ اللہ نے کہیں لکھا ہے کہ دنیا میں کیمیا گری کی تو بہتوں نے ہے لیکن آج تک کامیاب اس میں کوئی ایک بھی نہیں ہوا۔ یہ ایسی لت ہے کہ جسکو لگ جائے اس کا سب کچھ لٹا کر بھی نہ چھوٹے۔ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا "خالد" شاید دنیا میں واحد مثال ہے کہ اس نے جب اس کو بے نتیجہ اور اس میں دولت کا ضیاع دیکھا تو اختیار کر کے چھوڑ دی۔

جس دور پہ نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
دنیا کی کہانی یاد رہی اپنا فسانہ بھول گئے
اغیار کا جادو چل بھی چکا ہم ایک تماشا بن بھی گئے
دنیا کو جگانا یاد رہا، خود ہوش میں آنا بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے
دنیا کا گھر آباد کیا عقبیٰ کا مگر برباد کیا
مشکل میں خدا کو یاد کیا مشکل ہوئی آساں تو بھول گئے
منہ تو دیکھ لیا آئینے میں داغ نہ دیکھا سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں کہ مرنے کو مسلماں بھول گئے

ان اشعار کو نقل کرنے میں بھی شیرن خاں کے اشعار کی طرح غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ کچھ عرصہ ہوا کہ کسی رسالہ میں یہ اشعار اپنی اصلی حالت میں چھپے ہوئے بھی نظروں سے گزرے تھے، میں تصحیح اس لئے نہیں کر رہا کہ میں جس دور کی یہ باتیں کر رہا ہوں چاہتا ہوں کہ وہ اصلی شکل میں ہی قارئین کے سامنے پیش ہو۔

اور علامہ انور صابری کی آواز سے آشنا اس طرح تھا کہ ہمارے مدرسہ میرے شاد کے حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے حالات سے باخبر رہنے اور روز کی روز تازہ بہ تازہ خبریں سننے کیلئے ایک ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ اخبار اس دیہاتی ماحول میں کبھی کبھار ہی دستیاب ہوتا تھا اور وہ بھی زیادہ تر پرانا۔ اس وقت تک وہاں بجلی نہ آئی تھی اور ریڈیو غالباً بیٹری سے ہی چلتا تھا۔ ہفتہ میں ایک دن، عشاء کے بعد ریڈیو مصر سے تلاوت قرآن مجید نشر ہوتی تھی (اب تو سنا ہے کہ مصر نے ایک مستقل اسٹیشن ہی تلاوت کیلئے بنا دیا ہے جہاں سے ۲۴ گھنٹے قرآن نشر ہوتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم) تلاوت والے دن طلبہ کو بھی حضرت مہتمم صاحب کے کمرے میں جا کر تلاوت سننے کی اجازت ہوتی تھی اور میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک دن اسٹیشن سیٹ کرتے کرتے ایک ایسا اسٹیشن لگ گیا جس پر کوئی مشاعرہ نشر ہو رہا تھا۔ حضرت مہتمم صاحب وہاں کچھ دیر کیلئے رکے۔ اس کے شاعروں میں ایک نام علامہ انور صابری صاحب کا بھی تھا۔ ان کا کلام سنا۔ کلام تو اب یاد نہیں بس آخری شعر کا یہ ٹکڑا یاد ہے کہ "انور او صابری"

قصہ کوتاہ یہ کہ گئے تھے ایک شاہ جی کی زیارت کیلئے اللہ نے دو بزرگوں کی زیارت کرا دی۔ اسی مجلس میں "حافظ جی" یعنی حضرت مولانا سید عطاء المنعم رحمہ اللہ کی بھی زیارت ہوئی۔ وہ ہاتھ میں قلم و قرطاس لئے ان دونوں بزرگوں کی خاص خاص باتیں قلم بند کرنے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ صابری صاحب نے اپنا

بہت سا کلام وہاں سنایا۔ ایک نعت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں سنائی تھی جو اب تو اگرچہ عام ہو گئی ہے لیکن میں نے پہلی دفعہ خود صابری صاحب کی زبان سے بخاری دربار میں ہی سنی تھی۔ غالباً مطلع یہ تھا......

سیرتِ یزداں صورتِ آدم

صلی اللہ علیہ وسلم

حافظے کا میں چونکہ بہت ہی کمزور ہوں اس لئے اس وقت سے لیکر اب تک اس نعت کا بس صرف یہی ایک شعر یاد چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اب تو کئی دفعہ یہ نعت، پاکستانی نعت خوانوں سے سن بھی چکا ہوں لیکن یاد اب بھی بس یہی ایک شعر ہے۔

الغرض دوسری زیارت جانشینِ امیر شریعت (رحمہما اللہ) کی مجھے اس نورانی ماحول میں ہوئی۔ اس دفعہ بھی بات بس زیارت تک ہی رہی وہ بھی ضمنی۔

قیامِ ملتان کے دوران ہم نے اور بھی بہت کچھ دیکھا۔ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کی مسجد سراجاں کی شبہائے رمضان کی رونق دیکھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم (جو قاسم العلوم ملتان کے مہتمم تھے) وہ ایک مسجد میں فجر کی نماز کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے، انکا وہ درس سنا۔ قلعہ کے مزاروں پر شرک صریح ہوتا بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک ملنگ کو نماز والا پورا سجدہ، مزار کو کرتے دیکھا۔ بالکل یہی شرک حضرت نظام الدین اولیاء بستی نظام الدین دہلی (انڈیا) کے مزار پر بھی ہوتے دیکھا۔ منگھو پیر کراچی کے مزار پر تو مجھے اتنی وحشت ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا، اس لئے وہاں تو سکون سے فاتحہ بھی نہ پڑھ سکا۔ یہ عقدہ ابھی تک نہیں کھل سکا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی زیارت اس دوران کیسے رہ گئی؟ شاید وہ ملتان سے باہر ہوں، ایک اور بزرگ تھے نام انکا غالباً حضرت مولانا عبدالمالک یا عبدالملک تھا۔ ان کی زیارت کو بھی گئے۔ انہوں نے میرے استاد محترم جناب قاری فرید الدین صاحب کو ایک کتاب دی، اس میں کوئی عربی عبارت تھی، غالباً ازراہِ تواضع فرمایا کہ اس پر مجھے اعراب لگا دیں تاکہ میں آسانی سے پڑھ سکوں۔

جب ہم ملتان پہنچے تھے تو اسی مسجد میں جس میں ہم نے قرآن مجید سننا سنانا تھا اتفاق سے دو بزرگ قیام پذیر تھے۔ ایک حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب جو داعیٔ کبیر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (بانی تبلیغی جماعت) کے ملنے والوں میں سے تھے اور ان کے زمانہ سے ہی اس تبلیغی کام سے وابستہ تھے اور دوسرے ان کے چھوٹے بھائی جنکا نام اب یاد نہیں رہا۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے بعد بھی چونکہ یہ دونوں بزرگ دس بارہ دن تو وہاں تشریف فرما رہے اس لئے ان کی خدمت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا کافی موقع ملا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ عجیب ہنس مکھ مزاج کے آدمی تھے۔ ہنستے ہنساتے اور چٹکلوں نیز چٹکیوں میں ہی حکمت و دانائی کی بڑی بڑی باتیں کر جایا کرتے تھے۔ ان کی مجلس جہاں وعظ و تبلیغ اور رشد و ہدایت کی

ہوتی تھی وہاں باغ و بہار بھی ہوتی تھی۔ چند چٹکلے ان مجلسوں کے مجھے بھی یاد رہ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنے قارئین کو بھی سناتا جاؤں۔

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے "تمہیں الف، بے، تے، ثے، آتی ہے؟" میں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا۔ "ذرا سناؤ۔" میں نے سنانا شروع کیا جب "دال" پر پہنچا تو فرمایا "کونسی دال؟، ماش کی، مسور کی، چنے کی؟" میں پریشان ہو گیا کہ ان میں سے تو یہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مجھے پریشان دیکھا تو فرمایا "کہو! لکھنے پڑھنے والی "د" پھر فرمایا! "اچھا بتاؤ، تم گندا کام تو نہیں کیا کرتے؟" میں نے خلاف واقعہ کہہ دیا کہ "نہیں" فرمایا۔ "کیا پیشاب، پاخانہ نہیں کیا کرتے؟" میں پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہو گیا کہ اب تو چوری پکڑی گئی اور جھوٹ بھی ثابت ہو گیا۔ فرمایا، "کہو! وہ تو میں اپنے سے گندگی دور کیا کرتا ہوں گندا کام تھوڑا کیا کرتا ہوں۔"

ایک دن فرمایا: "تمہاری شادی ہوئی ہے؟ میں نے عرض کی کہ "نہیں" فرمایا "کیا مجھ سے مل کے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" میں نے کہا: "ہوئی ہے؛۔ فرمایا؛ تو شادی کا معنی، خوشی ہی تو ہے"۔

ایک دفعہ فرمانے لگے: "اگر ہم تمہارے ہاں آئیں تو تم ہمیں کیا کھلاؤ گے؟" میں نے کہدیا: "جو آپ کھائیں گے۔" فرمایا: "شامی کباب کھلاؤ گے؟" میں چکرا گیا۔ کیونکہ بلامبالغہ میں اس وقت تک شامی کباب سے واقف نہ تھا۔ نہ ان کی شکل دیکھی تھی نہ اس وقت تک کھایا تھا بلکہ شاید نام بھی آج پہلی دفعہ ہی سن رہا تھا۔ ملک شام کا نام میں جانتا تھا۔ میں یہ سمجھا کہ "شامی کباب" وہ ہوتے ہیں جو ملک شام سے منگوائے جاتے ہیں۔ اس لئے میں چکرایا کہ شام سے کون منگوائے گا یہ کباب؟۔ مجھے حیران دیکھا تو فرمایا: "کہو! جو اللہ تعالیٰ دے گا وہ کھلاؤ گا۔"

ایک دن سر پر تیل لگوا رہے تھے۔ استاد محترم جناب قاری فریدالدین صاحب مدظلہ سے پوچھا کہ "قاری صاحب! سر پر تیل کیوں لگواتے ہیں؟" حضرت الاستاد مدظلہ نے اس کے طبی فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا "تروتازگی اور طراوت وغیرہ کیلئے۔" فرمایا: "نہیں قاری صاحب۔ بلکہ تیل اس لئے لگواتے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

ایک دن مجھ سے پوچھا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا بیت اللہ؟ میں نے اس کا جواب دیا تھا جو، اب یاد نہیں۔ پتہ نہیں وہ جواب صحیح تھا یا غلط۔ اگر صحیح بھی تھا تو محض اتفاق ہی تھا کیونکہ مجھے اس وقت تک اس سوال کا جواب معلوم نہ تھا۔ لیکن حضرت نے اس پر مجھے شاباش دی اور اپنے چھوٹے بھائی صاحب سے فرمایا: "اسکو مٹھائی دو"۔ انہوں نے مجھے ڈبے سے برفی نکال کر دی۔ (معلوم رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی کل مخلوق سے حتیٰ کہ کعبۃ اللہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہیں (دیکھو شامی وغیرہ کتاب الحج)

انہی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم کا ایک چٹکلہ میرے ایک ہم سبق نے سنایا کہ ایک دفعہ ہم خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت نے فرمایا: "بریلوی غالی ہیں اور غیر مقلدین خالی ہیں (یا اسکا الٹ فرمایا۔ اب مجھے صحیح طرح یاد نہیں۔ لیکن اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ ان دونوں فرقوں میں سے ایک کو غالی اور دوسرے کو خالی فرمایا) حاضرین میں سے کسی نے پوچھا "اور ہم؟" فرمایا ہم عالی ہیں۔

یہ باتیں اصل موضوع سے اگرچہ غیر متعلق تھیں لیکن چونکہ کام کی تھیں اس لئے ذکرِ ملتان کی مناسبت یہاں میں نے ذکر کر دیں۔ اب پھر ہم اپنی بات پر آتے ہیں۔

۳۔ تیسری مرتبہ جانشینِ امیر شریعت (رحمہم اللہ) کو کراچی مدرسہ نیوٹاؤن میں اس وقت دیکھا جب ان کی جوانی ڈھل چکی تھی، ڈاڑھی میں سفید بال آ چکے تھے۔ یہاں تو انکا کوئی بیان ہونا یاد نہیں البتہ اس وقت کی ڈرگ کالونی اور اب کی فیصل کالونی کی اس مسجد میں جہاں اب جامعہ فاروقیہ قائم ہے (اس وقت ٹین کی چھت والی صرف مسجد ہوتی تھی) رات کئی گھنٹے انکا خطاب ہوا۔ میں وہاں بھی پہنچا اور خطاب سنا تھا لیکن کوئی بات یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ شاہ صاحب، مال گاڑی کے انجن کی طرح گرم تو دیر سے ہی ہوئے تھے لیکن جب گرم ہو گئے تھے تو پھر نہ کوئی چھوٹا اسٹیشن دیکھا تھا نہ کوئی بڑا، نہ کوئی جنکشن نہ کوئی سگنل۔ پھر ٹھنڈے مشکل سے ہی ہوئے تھے۔

۴۔ چوتھی دفعہ اسلام آباد میں انکی زیارت اس وقت ہوئی جب وہ بالکل ہی سفید ریش بزرگ بن چکے تھے۔ ٹی اینڈ ٹی کالونی کی مسجد الفتح میں بیان تھا۔ میں بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ بیان کیا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ بات سے جو بات نکلتی تو کہیں کی کہیں جا پہنچتی۔ میں پہلی بات یاد دلاتا کہ حضرت وہ بات رد گئی۔ پھر وہاں سے شروع ہو جاتے۔ دو چار دفعہ میں نے ایسی یاد دہانی کرائی جس سے ساری ہی باتیں مکمل ہوتی رہیں تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے بڑی توجہ سے سن رہے ہو۔

اسی تقریر میں بتلایا کہ "شاہ است حسین و بادشاہ است حسین" والی رباعی جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، بالکل غلط ہے، یہ رباعی ان کی نہیں بلکہ ملا معین کاشانی ہروی سبائی تبرائی رافضی کی ہے۔ پھر لوگوں سے یہ نام انہی لاحقوں کے ساتھ کئی دفعہ کہلایا۔ میرے منہ سے ہروی (ہ کی زبر) کی بجائے ہروی (ہ کی زیر کے ساتھ) نکل گیا تو وہیں اصلاح فرمائی کہ یہ ہروی (ہ کی زبر کے ساتھ) ہے ہرات کی طرف منسوب ہے جسکی "ہ" پر زبر ہے نہ کہ زیر۔ پھر اسی وزن پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے یہ اشعار سنائے۔

برفلکِ عدل مہر و ماہ ست غنی
شاہ ست غنی، بادشاہ ست غنی
چوں جامعِ مصحفِ الٰہ ست غنی
دین است غنی، دین پناہ ست غنی
ہم زلفِ علی و خالوئے حسنین
فردوسِ دل و خلدِ نگاہ ست غنی
صدیق و عمر بہر دین سقف و عماد

باب است علی، شہر پناہ ست غنیٰ

سرداد نہ داد دست در دستِ یہود

حقا کہ نشانِ لا الہ ست غنی

پھر ملا معین کی رباعی میں "حقا کہ بناء لاالہ ست" میں اور "حقا کہ نشانِ لاالہ ست" میں فرق بیان فرمایا اور بتلایا کہ اوّل غلط ہے ثانی صحیح۔ تقریر سے فراغت کے بعد انٰ کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھانے کی سعادت بھی ملی۔ وہاں بھی بہت سے علمی نکات بیان فرمائے۔ جو کاغذات میں کہیں لکھے ہوئے ہوں گے اس وقت انکو تلاش نہیں کر سکا۔

۵۔ ان کی پانچویں اور آخری زیارت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن مدظلہ کی وساطت سے نشتر ہسپتال ملتان میں اس وقت ہوئی جب وہ فالج زدہ ہو کر وہاں زیر علاج تھے۔ پوری طرح باتیں نہ کر سکتے تھے لیکن جب میں رخصت ہونے لگا تو مجھے خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ لہذا انکا خوب دفاع کیا کرو، معاویہ، نام عام کرو۔" اس بارے میں جانشینِ امیر شریعت کے اس اہتمام اور انہماک کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ساری جماعت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے صحابی ہیں جن سے بیگانے تو ناخوش ہیں ہی اپنے بھی خفا ہیں۔ بیگانوں نے اگر ان کے بارے میں حق و انصاف کا خون کیا ہے تو اپنوں نے بھی انصاف کی بجائے بس کچھ رعایت ہی انکو بمشکل دی ہے، چنانچہ ان کے حق میں بیگانوں کی کہی ہوئی، "ظالم، کافر، منافق، باغی، طاغی، خاطی، عاصی، آثم، جائر، لم یکن علی الرشد، نافرمانی، گناہ اور اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب" جیسی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں اپنوں نے پھر صرف چھوٹوں نے نہیں بلکہ بڑے بڑوں نے ان کے حق میں نہ کہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع جتنا ضروری اور اہم ہے اس سے کہیں زیادہ دشوار بھی ہے۔ اسی تلخ اور دلخراش صورت حال کی وجہ سے جانشینِ امیرِ شریعت کو ان کے دفاع کا یہ اہتمام تھا اور بالکل بجا تھا۔ اپنوں کی بے حسی، جمود اور بیگانوں کی ہمنوائی کی صورت اگر یہی رہی تو دنیا ایک دن جانشینِ امیر شریعت کو دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ضرور یاد کرے گی اور ان کی اس بات کی صداقت بھی ضرور دیکھ لے گی۔ خود انہی کے شعر کے مطابق

روئیں گے یاد کر کر کے اہلِ نظر

کارنامے ہم ایسے بھی کر جائیں گے

خدا کی کروڑ ہا رحمتیں نازل ہوں ان کے مزار پر انوار پر۔

سید ابوذر بخاری

نداءً خفیاً

اینک شبِ یلدائے من مرآتِ انوار آمده
فرخ بریدے صبح دم بانامۂ یار آمده

ازمہرو لطف و الفتے آمد پدیدار آیتے
یا آنکہ ابرِ رحمتے، سوئے گنہگار آمده

ہر حرفِ او بشگفتہ گل، ہر نقطہ اش ساغر زمُل
ہر سطرِ او شمعِ سبل، اوراق گلزار آمده

لعل ازیمن، دُر از عدن، گل از چمن، بو از سمن،
مِشک از خطاء وہم ختن، نافہ زتا تار آمده

برمن چو نظر یار شد، خوشتر دل بیمار شد
ہوش ہم خرد بیکار شد، ساقی چو درکار آمده

ساقی بے کن پر سبُو، نائی بنے بمنائی رو
چنگی بزن، مطرب بگو، یار آمده یار آمده

جو دو نوال و مہتری، صدق و صفاء پیغمبری
ہم دلبری ہم سروری، بر تو سزا وار آمده

رشد و ھُدیٰ، لطف و سخا، حلم وحیاء، مہر و وفا
وصفت بدیوان قضاء، بیرون زاحصار آمده

کردہ سرِ تسلیم خم، اسکندر و دارا وجم
باایں ہمہ جاہ و حشم، چاکر بدر بار آمده

ہمت زدل کردم بلب، بثناء آں "اُمّی" لقب
درسلک تحریر از طرب، ایں چند اشعار آمده

عمریست از غم رستہ ام، از آرزو دل بستہ ام
آزردۂ دل خستہ ام، زاں دیدہ خونبار آمده

ہر محملے لیلیٰ من، ہر ذرہ قیس آسائے من
کنجِ چمنِ صحراءِ من، ہر برگ گل خار آمده

اے راز داران وفاء، اے رہبران باخدا
بینید کیں اہلِ ہواء، چہ گونہ ہشیار آمده

غدار ملک و قوم و دیں، عارِ زماں، ننگِ زمیں
تختِ خلافت را مکیں، فساق و فجار آمده

شد عدل پنہاں از نظر، دیو جفاء شد جلوہ گر
ازدست اربابِ ہنر، منصور بردار آمده

نور ھُدیٰ مستور شد، وحیٔ مبیں مہجور شد
دینِ نبی* مقہور شد، ملت نگو نسار آمده

ہشیار اے اہلِ جفاء خیبر شکن حیدر نما
مرحب فگن شیرِ وغیٰ، مردان احرار آمده

---

* صلی اللہ علیہ وسلم

سید ماجد علی شاہ (لاہور)

سید ابوذر بخاری کا سفرِ آخرت

۲۳/اکتوبر ۱۹۹۵ء رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہونگے، ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، میرے بیٹے اظہر نے فون اٹھایا.....ابو ملتان سے فون ہے۔ دوسری طرف سے محترم سید عطاء المحسن بخاری بول رہے تھے۔ ماموں، بھائی جان کا انتقال ہو گیا ہے۔ دیگر عزیزان کو بھی مطلع کر دیں۔ نمازِ جنازہ عصر کے بعد ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انجم (میرا بھتیجا) تو اس وقت میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ دیگر بھائیوں کو بھی مطلع کر دیا۔ میں ۲۴/ اکتوبر کو پی آئی اے کی پرواز نمبر جس کو ساڑھے دس بجے صبح روانہ ہونا تھا، اس میں سوار ہو گیا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں ملتان کی مہربان کالونی میں رکشہ والے کے رحم و کرم پر گھوم رہا تھا کہ اچانک ایک جگہ میں نے پیر جی (سید عطاء المہیمن بخاری) کو گاڑی سے اترتے دیکھا رکشہ والے کو وہیں رک جانے کو کہا۔ اس دوران پیر جی ایک عمارت کے پھاٹک کے اندر جا چکے تھے۔ میں نے رکشہ والے کو فارغ کیا اور پیر جی کے پیچھے اندر چلا گیا۔ پیر جی سے گلے مل کر ہر چیز کی اللہ کی طرف واپسی کا اقرار کیا۔ پیر جی بھی کسی دوسرے شہر سے ابھی ابھی بذریعہ کار آئے تھے اور ان کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ یہ جگہ دار بنی ہاشم تھی جس کو میں پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔ اللہ کے دین کے لئے یہاں آنے والے چھوٹے چھوٹے بچے ٹوپیاں پہنے افسردہ سی کیفیت میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ ایک درخت کے پاس ایک چارپائی بچھی تھی میں اس پر بیٹھ گیا۔ اس میں ایک مسجد بھی تھی۔ چارپائی پر بیٹھے بیٹھے میں سوچ میں گم ہو گیا...... گزشتہ ساٹھ ستر سال سے یہ خاندان اللہ کے دین اور اس کے احکامات کو ہر نئی نسل کے سینے میں اتار رہا ہے۔ امرتسر والے گھر میں میں بھی اسی طرح پڑھتا تھا۔ قرآن شریف کا سبق یاد نہ کرنے پر ٹھکائی ہوتی تھی اور پہلی ہی قسط میں سبق یاد کر کے سنا دینے پر انعام اور شاباش بھی ملا کرتی تھی۔ اس قسم کی کیفیت سے دوچار تھا کہ پیر جی نے ایک بوتل کھول کر مجھے دی..."ماموں جی بوتل پییں" پیر جی کے اس جذبے نے مجھے مزید متاثر کیا۔ حالانکہ وہ خود لمبے سفر سے آئے تھے اور طبیعت بھی ان کی ناساز تھی۔ شاید یہ خون کا جوش تھا، جو ہم دونوں میں ایک ہے۔ میں جلد سے جلد محلہ ٹبی شیر خان پہنچنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد برخوردار کفیل اور ان کے والد محترم سید محمد وکیل شاہ صاحب بھی آ گئے۔ ان سے بھی غمناک کیفیت میں ملاقات ہوئی۔ پھر پیر جی نے کسی طالب علم کے ساتھ موٹر سائیکل پر مجھے ٹبی شیر خان بھیج دیا۔ وہاں پر لالہ جی (سید عطاء المحسن بخاری) تھے، جاتے ہی بھائی جان ابوذر بخاری کا چہرہ مبارک دیکھا۔ سبحان اللہ نور ہی نور تھا۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی اللہ کی راہ میں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ہزاروں لوگ اس نیکی کے مینار کو آخری مرتبہ دیکھنے کے لئے ملک کے ہر شہر اور ہر دیہات سے آئے تھے۔

لالہ جی اور میں ایک کونے میں چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اس دوران عقیدت مندوں کا لامتناہی سلسلہ بھائی

جان کا آخری دیدار کرتا رہا۔ لالہ جی بالکل اپنے ابا جان مرحوم (امیر شریعت) کی طرح ہر آنے والے سے میرا تعارف کراتے ۔ "یہ میرے ماموں جان ہیں اور میرے لنگوٹیئے بھی" بھائی جان ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے میری آخری ملاقات چند سال قبل سروسز ہسپتال لاہور میں ہوئی تھی۔ وہ سعید بھائی مرحوم کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے اور میں بھی وہاں پر موجود تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی بہت سی باتیں کیں تھیں۔

جب وہ ہسپتال سے جانے لگے تو سعید بھائی مرحوم کے ہاتھ میں انہوں نے کچھ تھمایا۔ سعید بھائی کے اصرار کے باوجود انہوں نے رکھ لینے کو کہا۔ یقیناً یہ مالی امداد تھی ۔ یہ وہ جذبہ تھا جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ محلہ ٹبی شیر خان کے جس گھر میں، میں ۱۹۹۵ء میں بیٹھا ہوا تھا، یہ گھر ۱۹۵۵ء -۵۶ والا گھر ہر گز نہیں تھا۔ اپنی سہولیات کے مطابق اس کی شکل بدل دی گئی ہے۔ جہاں مرغیوں کا ڈربہ تھا۔ وہاں پکا فرش ہے۔ جس کمرے میں مجھے اور لالہ جی کو کسی شرارت کی وجہ سے آپا جی مرحومہ تالا بند کیا کرتی تھیں وہاں شاید خوبصورت سا برآمدہ بنا ہوا ہے۔

صرف امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ والی بیٹھک اسی طرح ہے۔ اس لئے اس جگہ مجھے ان کی معطر اور پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ میں نے بھی اسی جگہ نماز ادا کی۔ پھر بھائی جان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ ملتان کے علاوہ پاکستان کے ہر شہر اور دیہات سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ ایسے جنازے خوش قسمتوں کے ہوتے ہیں اور صدیوں کے بعد ہوتے ہیں ۔ قبرستان میں اللہ کی امانت اللہ کے سپرد کر دی۔

ہر شے مسافر ہر چیز راہی!
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی!

لالہ جی بے شمار عقیدت مندوں کے گھیرے میں تھے بڑی مشکل سے لالہ جی کو میں صرف اتنا کہہ سکا۔ لالہ جی میں واپس جا رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے رکنے کے لیے کہا لیکن میں اپنے لاہور گھر میں بے شمار دنیاوی مسائل چھوڑ کر گیا تھا، جس کی تفصیل اس وقت لالہ جی کو بتائی نہیں جا سکتی تھی اور ان مسائل میں میری شمولیت بہت ضروری تھی۔

میں اپنی آپی جی سے تعزیت بھی نہ کر سکا۔ جس کا مجھے افسوس ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھائی جان ابوذر بخاری کے درجات بلند فرمائے اور انہوں نے عمر بھر دینِ اسلام کی جو تبلیغ کی ہے اسے قبول فرما کر اپنی شان کے مطابق جزاء عطاء فرمائے۔ حضرت امیرِ شریعت کے بیٹے اور بیٹی اور تمام خاندان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین)

پروفیسر خالد شبیر احمد

مغنیٔ آتش نفس

بعض شخصیتیں دنیا سے اٹھ جاتی ہیں مگر دل و دماغ پر ایسے گہرے نقوش چھوڑ جاتی ہیں جو تا دم آخر منور رہتے ہیں۔ جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر حسنی بخاری رحمہ اللہ بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہے کہ جن کے ساتھ گزرا ہوا ہر لحہ مجھے ان کی محبت کی گرفت میں لئے رکھتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دنیا سے تو اٹھ گئے ہیں مگر میرے دل کی دنیا پر ابھی تک انہی کی ہی فرمانروائی ہے۔ وہ بلاشبہ ایسی شخصیت تھے جو قدرت کی طرف سے ہم سب کے لئے ایک نعمت تھی۔ ایک ہمہ گیر ہمہ جہت شخصیت، جس کے نہ جانے کتنے پہلو اور جہتیں ہیں۔ ہر پہلو اور ہر جہت میں انفرادیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ وجاہت، سادگی، علم، عمل، دیانت، امانت، شرافت، عبادت، ریاضت، خلوص، محبت، ایثار، ہمدردی اور سب سے بڑھ کر جذبۂ احرار، ہر صفت روشن چمکدار، آدمی سوچ کی گہرائیوں میں ڈوب کر بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کتنی بڑی قدرت والا ہے۔ وہ چاہے تو ایسے دور میں بھی اتنا عظیم انسان پیدا کرنے پر قادر ہے۔

میں نے انہیں سب سے پہلے مارچ ۱۹۴۹ء میں احرار کی دفاع کانفرنس لاہور کے موقع پر جلوس میں ملتان کے رضاکاروں کے جیش کے آگے پریڈ کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ ان کا آغاز شباب تھا۔ احرار یونیفارم میں چمکتا دمکتا نورانی چہرہ ہر دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچتا نظر آیا۔ میں نے ان کی ایک ہی جھلک میں سمجھ لیا کہ یہ کوئی غیر معمولی شخصیت ہے۔ ساتھ والے سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو اس نے مجھے بتایا کہ شاہ جی رحمہ اللہ کے سب سے بڑے بیٹے سید عطاء المنعم بخاری ہیں۔

دوسری مرتبہ انہیں چنیوٹ میں دسمبر ۱۹۵۲ء کی سالانہ احرار کانفرنس کے موقعہ پر دیکھا ہی نہیں بلکہ انہیں تقریر کرتے ہوئے سنا۔ تقریر کیا تھی علوم درخشاں کا بہتا چناب، جس کا ہر حرف غیرت ملی کا جیتا جاگتا ثبوت۔ بیاں میں بلا کی کشش، زبان پر الفاظ و معنی کا دلکش نزول۔ بے تکان بولے جا رہے تھے۔ روانی اور تسلسل اپنے نقطہ کمال کو چھو رہی تھی، جیسے علم و فضل کی کوئی کتاب انکے سامنے کھلی ہے اور وہ پڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ لوگ ان کی تقریر پر جھوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے دیکھا یہ ہیں امیر شریعت رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند سید ابوذر بخاری۔

تیسری مرتبہ انہیں اگست ۱۹۶۱ء میں امیر شریعت رحمہ اللہ کی رحلت اور تجہیز و تکفین کے موقع پر صبر و استقامت کا پہاڑ بنے ہر قسم کے انتظام و انصرام میں مصروف و منہمک دیکھا۔ جس کے بعد اکتوبر ۱۹۶۲ء میں جب میری تعیناتی گورنمنٹ کالج سول لائن ملتان میں ہوئی تو ان سے ملاقاتوں کا سلسلۂ لامتناہی ان کے اس جہان فانی سے رخصت ہونے تک جاری رہا۔ وہ بے پناہ خوبیوں کے مالک انسان تھے۔ علم و فضل کی بلندیاں قدرت کاملہ کے فضل و کرم سے ان کی دسترس میں تھیں۔ بڑے سے بڑا علمی مسئلہ ان کے سامنے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ جس شخص نے چالیس سال کی عمر تک سوائے مطالعے کے اور کوئی کام ہی نہ کیا ہو

اس کے علم اور مطالعہ کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی نئی کتاب میرے سامنے آتی ہے تو میں کتاب کو لیکر اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیتا پھر اس کتاب کو ختم کئے بغیر باہر نکلنا تو کجا کھانا پینا بھی بھول جاتا تھا۔ جب تک کتاب ختم نہ ہوتی باہر نہیں نکلتا تھا۔ مطالعہ تو سبھی اہل علم حضرات حسب استطاعت کرتے ہی ہیں لیکن مطالعے کا یہ انداز بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ عربی کتب کی عبارتیں انہیں از بر تھیں جنہیں وہ اپنی تقریر اور تحریر کے دوران اس طرح لوگوں کے سامنے بیان کرتے کہ سننے والاان کی ذہانت اور حافظہ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتا۔

ایک دفعہ مجھے انہوں نے بیان کیا کہ ایک کتاب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر میرے ہتھے چڑھ گئی تو میں حسب عادت اسے لیکر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مطالعہ میں مصروف تھا۔ اماں جی نے پہلے تو ناشتہ کے لئے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اندر سے جواب نہ پا کر خاموش ہو گئیں پھر دوپہر کے کھانے کے لئے بھی اماں جی دستک دیتی رہیں لیکن میں نے اندر سے دروازہ نہیں کھولا اتفاق سے اباجی گھر پر موجود تھے جو یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ بڑے غصے میں آ کر انہوں نے دروازے پر آ کر دستک دی اور کہا حافظ جی یہ اندر کیا ہو رہا ہے، یہ کیا تماشہ ہے، دروازہ کیوں نہیں کھولتے؟ میں نے اباجی کی آواز سنی تو مارے خوف کے کتاب ہاتھ میں لئے دروازہ کھول دیا اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا

"یہ آپ کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پڑھ رہا ہوں اگر یہی امیر معاویہ ہیں۔ جو اس کتاب میں تحریر ہے تو معاف کرنا میں تو انہیں نہیں مانتا" مجھے آپ نے بتایا کہ اس وقت تک میں بھی بے علم اور بے خبر مسلمانوں کی طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اور جب بھی کوئی نئی کتاب ان کے بارے میں پڑھتا تو ان کے بارے میں میرا غلط تاثر اور زیادہ شدید ہو جاتا تھا۔ اباجی میری بات سن کر غصے میں آ گئے اور فرمانے لگے۔

" ہے ناں وہی جاہلوں والی بات، تمہیں کس بے وقوف نے کہہ دیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کتابوں میں تلاش کرو؟ تمہیں میں نے قرآن کس لئے پڑھایا تھا؟ قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے؟" یہ کہتے ہوئے اباجی نے قرآن پاک کی وہ تمام آیات یکے بعد دیگرے میرے سامنے تلاوت فرمادیں جن میں صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کا ذکر موجود ہے اور فرمانے لگے " اب تمہارے سامنے صرف دو راستے ہیں یا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی صف سے باہر نکال کے ان کے بارے میں جو چاہو رائے قائم کرلو اور یہ کام تم کیا کرو گے؟ تمہارے ابا سے بھی نہیں ہو سکے گا اور یا پھر جو قرآن کہتا ہے اسے دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے ان کو وہی مقام دو جو دین اسلام میں صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری صورت ممکن نہیں

ابو ذر بخاری فرماتے ہیں کہ اباجی کے یہ چند جملے میرے دل و دماغ کو یوں روشن کر گئے کہ پھر کبھی اندھیرا نہیں چھایا۔ بقول کسے میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اور یہ بھی آپ کی ہی کرامت ہے کہ اس واقعہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جو کتاب بھی پڑھی وہ آپ کے دفاع میں ہی تھی اور یوں

وقت کے ساتھ ساتھ میں امیر معاویہ کے دفاع میں شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ فرمایا کرتے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا دفاع صحابہ کے دفاع کا پھاٹک ہے۔ یہ لڑائی یہیں لڑنی چاہیئے۔ ورنہ نہ حضرت علی محفوظ رہیں گے نہ عثمان و عمر و ابوبکر رضی اللہ عنہم ایک مرتبہ بے تکلفی میں، میں نے کہہ دیا کہ یہ آپ کا انداز دفاع کچھ ضرورت سے زیادہ تو شدید نہیں ہو گیا؟ بعض لوگ دبی زبان میں آپ کے بارے میں ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔ کہنے لگے..........

"پروفیسر صاحب لوگوں کو جو جی میں آتا ہے کہنے دیجئے۔ لوگ کوئی معیار حق تو نہیں ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ورنہ عقل والے تو بات کو سمجھتے ہیں کہ جو السان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اتنا شدید ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ان سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور ارفع مقام پر ہیں کیوں غلط عقائد رکھے گا۔ مجھ سے زیادہ کون بد بخت اور بد نصیب ہو گا اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے کرتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو جاؤں میں نے کیا مرنا نہیں ہے؟ مجھے اپنی قبر کا خیال ہے۔ میں ان سب باتوں کو جانتا ہوں اور سمجھتا بھی ہوں۔ آپ بھی لوگوں کی پرواہ نہ کیا کریں۔

ایک مرتبہ کراچی کے دورے سے واپس تشریف لائے، ملاقات ہوئی تو کہنے لگے اس دفعہ کراچی میں علامہ محمود احمد عباسی مصنف "خلافت معاویہ و یزید" سے مل کر آ رہا ہوں۔ تقریباً اٹھارہ گھنٹے تک ان سے بحث و تمحیص ہوئی ہے۔ میں نے انہیں برملا کہا ہے کہ آپ نے جس مؤقف کا اظہار اپنی کتاب میں کیا ہے وہ اصولی طور پر درست ہے مگر زبان و بیان میں بعض مقامات پر جو شدت اور بے احتیاطی اختیار کی گئی ہے میں اس سے اختلاف کرتا ہوں۔ علامہ محمود احمد عباسی نے اگرچہ اس شدت کے اسباب دلائل کی صورت میں میرے سامنے رکھے مگر میرے اختلاف کو درست تسلیم کیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب دو کتابوں کا تذکرہ زبان زد خاص و عام تھا دوسری کتاب مولانا ابو اعلیٰ مودودی کی خلافت و ملوکیت تھی۔ "خلافت و ملوکیت" کے خلاف تو آپ نے جس انداز سے پورے ملک کے اندر جلسوں کا اہتمام کر کے جواب دیا وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ دلائل و براہین سے آپ نے مولانا کی کتاب کا بطلان ثابت کیا لیکن کمال ہے کہ کہیں بھی ثقاہت کا دامن آپ کے ہاتھ نہیں چھوٹا۔ منفی انداز تنقید کی بجائے مثبت اندازِ تنقید آپ نے اپنی تقریروں میں برقرار رکھا اور یہ انداز اتنا مؤثر ہوتا کہ سننے والا عش عش کر اٹھتا۔

ایک مرتبہ ان کی محفل میں دونوں کتابوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا شاہ جی، میرے خیال میں مولانا مودودی ہوں یا محمود عباسی، دونوں نے اپنی اپنی مرضی کا مؤقف پہلے اپنے ذہنوں میں متعین کر لیا تھا کہ ہم نے تاریخی حوالوں سے یہ مؤقف ثابت کرنا ہے اور پھر تاریخ کی کتابوں سے وہی حوالے اپنے مؤقف کی حمایت میں لئے جو تائید میں تھے۔ اور جو تردید میں تھے انہیں دانستہ چھوڑ دیا۔ مولانا مودودی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ میں نے امام ابن تیمیہ کی منہاج السنتہ، قاضی ابوبکر ابن عربی کی العواصم من القواصم، اور شاہ عبدالعزیز کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ سے دانستہ استفادہ نہیں کیا کیونکہ ان کتابوں کی حیثیت صفائی کے گواہوں کی سی ہے۔ اب بھلا جو جج وکیل صفائی کو سنے بغیر فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔ اسکا تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ میری

یہ بات سن کر بڑے خوش ہوئے اور میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا اصل معاملہ یہی ہے اس موقعہ پر مجھے لطیفے کی سوجھی اور یہ بات بھی میرے علم میں تھی کہ آپ اچھے لطائف پسند فرماتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو فرمائش کر کے مجھ سے لطیفے سنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے۔ میں نے کہا شاہ جی یہ تاریخ کیا بلا ہے؟ تاریخ نہ ہوئی رنجیت سنگھ کا باپ ہو گئی کہنے لگے وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا

ایک میراثی رنجیت سنگھ کے دربار میں حاضر ہوا اور مالی امداد کے لئے سوال کرتے ہوئے اسے کہا کہ رات آپ کے والد مجھے خواب میں ملے تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ صبح میرے بیٹے کے دربار میں حاضر ہو کر اسے میرے نام سے ایک صد اشرفیوں کا سوال کرنا وہ راجہ بلکہ مہاراجہ ہو گیا ہے۔ تجھے ضرور سو اشرفیاں دے گا۔ رنجیت سنگھ نے فوراً جواب میں کہا کہ ہاں مجھے بھی رات خواب میں وہ ملے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ فلاں میراثی میرے نام سے سو اشرفیاں مانگے گا حالانکہ میں نے اسے نہیں کہا اور اسے سو اشرفیوں کی بجائے سو جوتے رسید کرنا، میراثی نے جواب سن کر کہا انعام و اکرام کی بات تو رہی ایک طرف بہر حال یہ بات تو طے شدہ ہے کہ آپ کے والد محترم بہت جھوٹے ہیں۔ مجھے کچھ کہتے ہیں اور آپ کو کچھ۔ تاریخ نے بھی مولانا مودودی سے کچھ اور کہہ دیا اور محمود عباسی سے کچھ اور۔ اور دونوں اسی بات پر متفق ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا جو کچھ تاریخ کی کتابوں میں پہلے موجود ہے اسی سے استفادہ کیا ہے۔ میری یہ بات انہیں پسند آئی اور دیر تک اس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کہنے لگے۔ ہاں بھائی کچھ ایسی ہی بات ہے جو لوگ حدیث پر تاریخ کو ترجیح دیتے ہیں یونہی ٹھوکر کھاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے آپ سے پوچھ لیا کہ حضرت اگر آج کسی ولی اللہ کو تلاش کرنا ہو تو اسکی کوئی ایسی نشانی بتلا دیجئے اسکی تلاش آسان ہو جائے۔ فرمانے لگے آخر آپکو کونسا کام ولی اللہ سے پڑ گیا؟ اسے ہنسی مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی لیکن جب وہ نہ ٹلا تو کہنے لگے "آجکل وہ ولی اللہ ہے جس کے گھر میں دین تو ہے دنیا نہیں ہے"۔

انکی زندگی ایک ایسی داستان ہے جو کئی کتابوں پر محیط ہے وہ ایک سراپا صفات شخصیت تھے۔

ایسے لوگ اپنے کردار و عمل کی صورت میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں مرتے ہر گز نہیں۔ جب تک وہ زندہ رہے جذب و جنون و عشق کا عنوان بنے رہے۔ بڑے بڑے غزالی دوراں ان کے علم و فضل کے سامنے منقار زیر پر ہو جاتے تھے ان کا تبحر علمی ضرب المثل تھا۔ ان کے سینے میں دل اور دل میں ایک درد موجود تھا، وہ خود ہی اس درد کا درماں تھے۔ تمام عمر تقدس صحابہ کے تحفظ کے لئے شعلۂ برّاں بنے رہے۔ ان کے عزم و استقلال اور ان کی شرافت و دیانت پر فرشتے بھی رشک کرتے ہوں گے۔ اللہ اللہ کیسا انسان تھا اور کیا کارہائے نمایاں سر انجام دے گیا۔ دشمنوں کے لئے طوفانِ بے پناہ اور اپنوں کے لئے کشتۂ مہر و وفا، انہوں نے اپنے لئے خود کٹھن راہیں چن لی تھیں جن پر وہ بڑے حوصلے سے رواں دواں رہے۔ جنہیں کھلے پانیوں میں موجِ حوادث سے کھیلنے کا شوق ہوتا ہے انہیں ساحلوں سے کہاں لگاؤ رہتا ہے۔ سکون ان کے لئے موت اور اضطراب زندگی بن جاتا ہے۔ اپنے موقف کی صداقت پر یقین، انہیں لازوال اعتماد کی دولت سے مالا مال کر گیا تھا۔ ان کا

ضمیر مطمئن تھا کہ وہ راہ صداقت پر گامزن ہیں اور جن کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے وہ پوری دنیا سے جنگ لڑ جاتے ہیں۔ وہ گم کردہ راہ مسافروں کے لئے منزل کا نشان تھے۔ ان کا ایک ایک حرف گل پیرہن تھا۔ نور ایمانی سے ان کا خیال و سخن دونوں منور تھے۔ ان کے خلوص کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔ ان کے لب جب بھی تلاوت فشاں ہوتے سرو سمن وجد میں آجاتے۔ ان کے پیار کی خوشبو نس نس میں مہک اٹھتی ہے ان کے خیال سے ہی صحرائے زیست گلاب و نسترن بن جاتا ہے۔ ان کے لفظوں کی چاندنی کہکشاں بنی رہی، ان کی شیریں سخنی کانوں میں رس گھولتی رہی، وہ بلاشبہ صدق، مہرووفا، جذب و عشق کا استعارہ ہیں۔ وہ مال و دولت سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سکون قلب کی وافر دولت عطاء کر رکھی تھی۔ ان کے مسلک میں عرض و طلب گناہ ٹھہری۔ ان کی نگاہ کی کرنوں کی ضوفشانی نے کئی بے کمال لوگوں کو حسن کمال عطاء کیا۔ ان کی قربت میں فنا ہو کر بھی ایک عجیب لطف محسوس ہوتا تھا۔ ان کا صدق جنوں کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ان کے اس جنوں میں نہ جانے کیا کیا مستیاں رقص فرما رہتی تھیں۔ انہوں نے تمام عمر فقر بوذری میں بسر کی۔ ان کی بہار زیست انکے اپنے دل کی شادابی تھی۔ ان کے وجود کو اللہ نے اپنی رحمتوں سے معراج بندگی سے نوازا تھا۔ ان کی جبین عجز پر فقر و مستی کے نشان ہویدا تھے۔ ان کا ظاہری حسن، باطنی حسن سے تابناک تھا۔ وہ ایسے درویش خدامست تھے کہ جن کی آستینوں میں تابشِ مہر و ماہ، پاؤں کی ٹھوکر میں سطوت کج کلاہ، لب پر ضرب لاالٰہ ہوتی ہے۔

آج ان کی موت پر آنکھیں ہی نہیں دل بھی روتے ہیں اور غالب کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

ڈھونڈے ہے اس مغنیٔ آتش نفس کو جی
جسکی صدا ہو شعلۂ برقِ فنا مجھے

اپنے عطیات اور زکواۃ و صدقات **مدرسہ معمورہ** ملتان

کو عنایت فرمائیں مدرسہ میں رہائش پذیر طلباء کے اخراجات اور نئی درسگاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر کیلئے اہل خیر حضرات فوراً توجہ فرمائیں ۔

ترسیلِ زر کا پتہ

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری۔ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون ۵۱۱۹۶۱

بذریعہ بینک: اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

احرار کی عظمت

احرار کا مقصد مجاور پیدا کرنا نہیں، مجاہد تیار کرنا ہے۔ یہ ہمارا کردار ہے اور ہمارے اس کردار پر تریسٹھ برس کی تاریخ شاہد و عادل ہے کہ ہم نے طوفان کا رخ موڑا اور حوادث کا منہ توڑا ہے۔ ہم نے سید احمد شہید اور شیخ الہند کی وراثت سنبھالی ہے۔ ہم نے دشمن کے خرمن کو آگ لگائی ہے۔ ہم سیل بے پناہ بن کر نکلے اور فرنگی سامراج کے اقتدار کو بہا کر لے گئے۔

احرار ایسے جیالے مائیں روز روز نہیں جنا کرتیں - احرار کا طرۂ امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین اور شریعتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر

پھانسیوں پر جھول گئے

گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے

سنت یوسفی (علیہ السلام) اداء کرتے کرتے جانیں وار گئے۔

بیویوں اور بچوں کو دین پر قربان کر گئے

خبیب ابن عدی، عاصم قاری، طلحہ اور ابو دجانہ (رضی اللہ عنہم) کی اتباع میں حرمتِ رسول ﷺ و ختم نبوت کا فرض ادا کرتے کرتے قربان ہو گئے۔

ہم نے کبھی اغیار سے مفاہمت نہیں کی۔ ہم نے سیاسی مفادات کی ذلہ ربائی میں حق اور اہل حق کو کبھی قربان نہیں کیا۔ ہم نے دینی مفاد پر مجلس احرار کے سیاسی مفادات کو ہمیشہ قربان کیا ہے۔ ہم حکومت الٰہیہ کی منزل کے راہی ہیں اور اس راہ میں قربانی ہی قربانی ہے۔ احرار کارکن قربانیاں دیتے جائیں اور آگے بڑھتے جائیں وہ وقت ضرور آئے گا۔ جب منزل خود احرار کا استقبال کرے گی۔

اقتباسِ خطاب

قائد احرار جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

۲۸ مارچ ۱۹۸۰ء مخزن العلوم، خان پور

❀

ساقی

سیّد ابوذر بخاری

نوا پیرا باندازِ دگر مزدور ہے ساقی
خمارِ نغمہ زائی سے چمن مسحور ہے ساقی

بپا ہے زلزلہ غربت کی دہشت سے بھی ایواں میں
کہ شاہیں کے مقابل جرأتِ عصفور ہے ساقی

فرنگی کا تمدن ہو کہ یا تہذیب منگولی
وہ ہے شرِ عزازیلی۔ یہ کردار و در ہے ساقی

جو ہو کونین پر حاوی نظامِ صالح الفطرۃ!
ترا قانون ہے ساقی ترا دستور ہے ساقی

سنانے ہم جسے اس منظرِ دنیا کو اُٹھے ہیں
ترا پیغام ہے ساقی ترا منشور ہے ساقی

نہ ذوقِ جاں سپاری، سرفروشی جذب الفت میں
نہ وہ دار و رسن باقی نہ وہ منصور ہے ساقی

مؤثر ہو گیا آخر فسونِ تہذیبِ مغرب کا
مقدر نارسا، تدبیر بھی معذور ہے ساقی

حرم کی پاسبانی کا شرف تھا کل جسے حاصل
وہ ملت آج خشمِ دیر سے مقہور ہے ساقی

زمانہ بن چکا تفسیر کَادَ الْفَقْرُ کُفْرًا کی
شرافت سرنگوں۔ اور سفلگی مغرور ہے ساقی

نظامِ جبر و استبداد کے یہ سب کرشمے ہیں
جسد پابند تھا۔ اب روح بھی مجبور ہے ساقی

عطا ہو فکرِ بوذرؓ۔ جذبۂ فاروقؓ پھر ہم کو
تجھی سے یہ دعا بندۂ مزدور ہے ساقی

اگر تیرا غضب ہو شہر بھی تمثیلِ بیاباں ہے!
اگر تیرا کرم ہو مجرم بھی مشکور ہے ساقی

نہیں ہے جامِ شیریں تو نہ سہی ہم دُرد پی لینگے
ہمیں تو تیری خوشنودی فقط منظور ہے ساقی

مگر اک التجا ہے بند نہ ہو فیضِ میخانہ!
کہ یہ وجہِ سکونِ خاطرِ رنجور ہے ساقی

بہت کچھ ہو چکی اب دین کی تذلیل و پامالی!
سراپا زخم ہے دل، اور جگر ناسور ہے ساقی

کرم فرما بسوزِ دل اثر از من نمی آید
بجز درماندگی چیزے دگر از من نمی آید

عکس سرورق، سہ روزہ "مزدور" ملتان، جلد ۱، شمارہ ۱، ۱۰ شعبان ۱۳۷۱ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۵۲ء

زیرِ ادارت، سیّد ابوذر بخاری

سیدہ ،س، بخاری

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

جیسے کچھ چیزیں، کچھ لوگ اور کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جو ایک دم بہت بھلے اور بہت اچھے لگتے ہیں، اسی طرح کچھ الفاظ بھی ایسے ہوتے ہیں جنہیں پڑھنے، سننے اور بولنے سے ان کی لطافت، ٹھنڈک اور صوتی تاثیر یک بیک روح میں اتر جاتی ہے۔ معلوم نہیں کیوں، مجھے بچپن ہی سے "ماموں" کا لفظ بہت بھلا لگتا ہے۔ شاید اس لیے کہ جن حرفوں سے "ماں" کا لفظ بنتا ہے انہی سے یہ لفظ بھی بنتا ہے۔ مجھے یاد ہے، بچپن میں جب میں امی یا آپا کے ساتھ سونے کیلئے لیٹتی تو وہ ایک لوری سنایا کرتی تھیں۔ جس کے آخر میں یہ آتا...... "پیالی گئی ٹوٹ، چاندا ماموں گئے روٹھ"...... دو تین مرتبہ سنانے کے بعد، جب وہ یہ کہتیں...... بس اب جلدی سے سو جاؤ ورنہ چندا ماموں روٹھ جائینگے...... تو میں جھٹ آنکھیں موند لیتی، کیوں کہ مجھے چندا ماموں کی ناراضی قطعی گوارا نہ ہوتی۔

کتنی عجیب بات ہے کہ میں، جس نے معصومیت اور نا سمجھی کی عمر میں چندا ماموں کو ناراض نہیں ہونے دیا، شعور اور عقل کی عمر میں ایسا نہ کر سکی۔ میرے چندا ماموں مجھ سے ہمیشہ کیلئے روٹھ گئے۔ جی ہاں میرے ماموں سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ علمی دنیا کے ماہتاب ہی تو تھے، جن کی تحریر اور تقریر نے ہمیشہ لوگوں کے سینوں کو ایمان اور یقین سے معمور اور علم و معرفت سے منور ہی نہیں کیا بلکہ ان میں مدو جزر کی سی کیفیت بھی پیدا کی۔ وہ عمر بھر لوگوں کا رُخ مجاز سے حقیقت کی طرف موڑتے رہے، اپنے علم و کردار کی روشنی سے جہالت و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکے ہوؤں کو راہِ ہدایت دکھاتے اور راہ حق کا نشان بتلاتے رہے۔

وہ اجلے کردار، اجلے لباس، مخصوص من موہنی وضع قطع، نرالے انداز اور منفرد لب و لہجہ والی شخصیت جسے ہم سب بھائی بہن "بڑے ماموں جی" کے نام سے پکارتے تھے، مجھے بہت یاد آتی ہے، آنسو رلاتی ہے اور بڑا بے قرار کر جاتی ہے۔ ماموں جی کے حوالے سے کتنی بار چاہا کہ اپنی یادوں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کروں لیکن ہر مرتبہ اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا احساس دامن گیر ہوا اور میں نے سوچا، میں علم کے اس کوہِ گراں کے بارے میں کیا لکھوں اور کیسے لکھوں؟ وہ جسے زیر زبر کی کمی بیشی، تلفظ کی غلطی، جملوں کی نا موزونیت اور بے ربطی بڑی ناگوار گزرتی، اس کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ ماموں جی کی یادوں اور باتوں کے مہکتے چمن زار کا کونسا پھول پہلے توڑوں، اس کہکشاں کے کس تارے کا انتخاب کروں اور اس روشن اور کھلی کتاب کے کس باب کو پہلے پڑھوں۔ مجھے امی جان کا جملہ یاد آ گیا، انہوں نے اپنے ابا جی رحمتہ اللہ علیہ پر مضمون لکھا تو اس کے شروع میں لکھا کہ "محبت نحوی اور صرفی تراکیب سے آزاد ہوتی ہے مجھے جو جہاں یاد آئے گا لکھتی جاؤنگی"۔ اس جملے نے میری بھی مدد کی اور میرا بھی حوصلہ بڑھایا۔

اس بات میں قطعاً کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد خاندان کی جتنی شخصیات کو بھی دیکھا، ذہناً خود کو سب سے زیادہ ماموں جی کے قریب پایا۔ اور اس قرب کی بڑی وجہ ان کی شخصیت کا علمی ہالہ تھا۔ وہ اپنے مرتبے اور مقام کے اعتبار سے گھر بھر کی محترم شخصیت تھے۔ لیکن ہم ان سے خاصے بے تکلف تھے۔ چونکہ بچپن اور اس کے بعد کے چند سالوں کا بہت سا حصہ ننھیال میں گزرا ہے، اس لیے ان سے وابستہ بہت سی یادیں، بہت سے حوالے اور بہت سے مناظر ذہن میں یوں محفوظ ہیں، جیسے بند مٹھی میں جگنو۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب ہم میں سے کوئی نماز پڑھتا اور ماموں جی دیکھ لیتے تو ہنستے ہوئے کہتے...... بھئی یہ تم نماز پڑھ رہے ہو یا اس کے عدد نکال رہے ہو..... پھر آرام سے سمجھاتے کہ نماز ایسے نہیں پڑھتے۔ اب کوئی نماز ایسی نہیں ہے جسے ادا کرتے ہوئے ان کا یہ جملہ یاد نہ آتا ہو۔

ان کی بیماری کے آخری چند برسوں کے علاوہ، میں نے تو بچپن سے ہی یہ دیکھا کہ جماعتی اور تبلیغی مصروفیات کی وجہ سے ان کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا۔ ماموں جی کا یہ معمول تھا کہ جب بھی سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے آخر میں اماں جی کے پاس آتے اور سلام کر کے ان کی بے پناہ دعاؤں میں رخصت ہوتے۔ اور پھر جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے انہی کو ملتے۔ سلام و دعا کے بعد پاس بیٹھ جاتے، اپنے سارے سفر کا حال سناتے، ایک ایک بات بتاتے اور ہم سب بڑے چھوٹے ان کی باتیں دلچسپی سے سنتے حالانکہ بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے بالا ہوتیں، پھر بھی جی چاہتا کہ ماموں جی یونہی باتیں سناتے رہیں اور ہم سنتے رہیں، ماموں جی کو اپنے والدین سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اور ان کا یہ معمول اس کا عملی ثبوت تھا۔

گھر میں قیام کے دوران بھی ان کا زیادہ وقت بیٹھک میں اپنی جماعتی اور تصنیفی مصروفیات اور دوست احباب میں گزرتا۔ لیکن ان سب مصروفیات کے باوجود، جتنا بھی وقت گھر میں گزارتے بڑے بھرپور طریقے سے۔ سب کے ساتھ بات چیت، حال احوال اور خوش طبعی ہوتی۔ بار ہا ایسا ہوتا کہ میں انہیں کوئی بات سناتی تو تھوڑی سی سننے کے بعد کہتے کہ بھئی اتنی روانی سے بولتی ہو، تھوڑا سا وقفہ ہی کر لو۔ میں کہتی...... ماموں جی، کیا فائدہ؟ اتنی دیر میں تو بات ختم بھی ہو جائے گی۔ تو وہ بے اختیار ہنس دیتے۔ ایک عرصہ امی جان کا یہ معمول رہا کہ جمعہ کی چھٹی ہم اماں جی کے ہاں جا کر گزارتے۔ ماموں جی اگر گھر پر ہوتے تو بیٹھک کا گلی والا دروازہ کھلا ہوتا۔ ان کے پاس کئی آدمی بیٹھے ہوتے۔ وہ ہمیں گزرتا دیکھ لیتے اور پھر تھوڑی دیر میں مسکراتے ہوئے اندر آتے اور کہتے...... مہاجرین آ گئے ہیں؟ پھر اپنے مخصوص انداز سے سر کو سینے سے لگاتے ہوئے ہم سب کو پیار کرتے۔

ماموں جی کھانے کا بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ بالخصوص کشمیری کھانے اور سبز چائے انہیں بہت پسند تھی۔ گھر میں ہوتے تو فرمائش کر کے کچھ نہ کچھ پکواتے رہتے۔ اچھا پک جانے پر بہت تعریف کرتے۔ کئی کھانوں کی ترکیب میں اپنی طرف سے اضافہ بھی کرتے۔ ان کی تجویز کردہ ترکیب کے مطابق بنائے گئے شامی کباب جنہوں نے کھائے ہیں، وہ اب بھی یاد کرتے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود مجھے ایک بات آج

بھی یاد ہے، جس سے ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو سامنے آتا ہے۔ ایک مرتبہ وہ سفر سے واپس آئے تو صبح ناشتے کے وقت پسی ہوئی کالی مرچ اور نمک کی ضرورت پڑی۔ اتفاقاً گھر میں اس وقت موجود نہ تھی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میرا سفری بکس کھولو، اس میں کالی مرچ نمک کی ایک ڈبیہ پڑی ہے وہ اٹھا لاؤ۔ میں اٹھا تو لائی لیکن حیران بہت ہوئی کہ ماموں جی کے بکس میں اس کا کیا کام؟ اور شاید میری یہ حیرت بھی وہ بھانپ گئے۔ کہنے لگے کہ یہ میں اس لیے ساتھ رکھتا ہوں کہ سفر کے دوران دور افتادہ گاؤں اور قصبوں میں جانا پڑتا ہے اور بعض اوقات میزبان ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جو غریب محض ہوتے ہیں، تو میں انہیں کسی بھی تکلیف سے بچانے کیلئے کہتا ہوں کہ بس سادہ روٹی مکھن سے چپڑ کر لے آؤ، اور اس پر یہ نمک مرچ چھڑک کر کھا لیتا ہوں اور وہ میری اس فرمائش سے ہی خوش ہو جاتے ہیں۔

وہ باتیں جو ہم نے بڑی عمر میں کتابوں میں یا اساتذہ سے پڑھی اور سمجھیں، ماموں جی نے بچپن ہی میں بتا اور سمجھا دیں تھیں۔ مثلاً حدیث کی تعلیم کے دوران پڑھا کہ عید الفطر والے دن نماز عید سے پہلے کچھ کھانا سنت ہے۔ لیکن میری علم میں یہ بات ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی تھی کیوں کہ یہ ماموں جی کا معمول تھا کہ وہ عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے پہلے ایک دو کھجوریں کھاتے اور ساتھ یہ بتاتے کہ ایسا کرنا سنت ہے، اور عید الاضحیٰ والے دن قربانی کے جانور ذبح ہونے کے بعد ناخن تراشتے اور حجامت درست کرتے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ نماز عید کے لیے جانے اور آنے میں راستہ تبدیل کرنا سنت ہے۔ انہوں نے یہ سنت یوں نبھائی کہ ہمیشہ واپسی پر نانا ابا جی کی قبر سے ہوتے ہوئے آتے۔ گویا وہ ان خوشی کے لمحات میں بھی اپنے باپ کی یاد سے غافل نہ ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی ایسی خصوصیات اور نعمتوں سے نوازا تھا جو صاحب نصیب لوگوں کے ہی حصہ میں آتی ہیں۔ ان میں سے ایک نعمت قرآن کی محبت اور اس کی کثرت سے تلاوت ہے۔ تلاوت کا جو معمول عام دنوں میں ہوتا وہ رمضان میں کئی گنا بڑھ جاتا۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا، ان کا یہ معمول رہا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد نماز مغرب ادا کرتے اور اپنے وظائف میں کافی دیر مشغول رہتے، کھانا کھاتے، پھر آرام کی غرض سے لیٹ جاتے۔ پھر یوں ہوتا کہ جب سب افراد نماز عشاء و تراویح سے فارغ ہونے کے بعد سونے لگتے تو وہ اٹھ جاتے۔ گرمیوں کے موسم میں، گھر کے صحن میں ایک طرف بنے ہوئے چھوٹے سے چبوترے پر نماز عشاء اور تراویح میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے بعد کے لمحات کا لفظوں میں احاطہ کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔ مجھے تو اتنا یاد ہے کہ پھر رات کے جس پہر بھی آنکھ کھلتی، رات کے سناٹے میں ماموں جی کی سوز میں ڈوبی ہوئی آواز سماعتوں سے ٹکراتی اور قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر جاتی۔ جی چاہتا یہ لمحے امر ہو جائیں، وہ یوں ہی قرآن پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ لیکن یہ سلسلہ سحر تک چلتا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم لوگ سحری کھاتے، ماموں جی اس وقت بھی تلاوت میں مصروف ہوتے اور پھر جب وقتِ سحر کے ختم ہونے میں دس پندرہ منٹ باقی ہوتے تو وہ نماز وتر اور اس کے بعد طویل دعا سے فارغ ہوتے۔ اس دوران اماں جی دو تین بار آواز دیتیں...... حافظ جی! جلدی کر لیں وقت ختم ہونے والا ہے۔ لیکن یوں لگتا کہ حافظ جی کی طبعیت قرآن

پڑھتے پڑھتے سیر نہیں ہوتی۔ پھر آخری چند منٹوں میں "سٹنڈرڈ بیکری" سے منگوایا ہوا ایک بن کھا کر اور نمکین لسی کے دو تین گلاس پی کر وہ سحری کرتے۔ اسی معمول کے ساتھ وہ سارے رمضان میں ہر رات تقریباً نو دس پارے تراویح میں پڑھتے اور دن میں ہر نمازیں قرآن کی تلاوت کا معمول الگ سے جاری رہتا۔ سوچتی ہوں کہ ماموں جی کی شفاعت اور بخشش کیلیے چبوترے کی ان اینٹوں کی گواہی بھی کافی ہے، جن پر کھڑے ہو کر انہوں نے سال ہا سال، شب بھر قرآن پڑھا ہے۔

میرے ماموں کا زندگی گزارنے کا اپنا ہی ایک انداز تھا۔ سادگی اور بے نیازی کا امتزاج، اور اس سلسلے میں میں نے انہیں کسی سے مرعوب ہوتے نہیں دیکھا۔ ان کا معیار دنیا نہیں دین تھا۔ دینی اور علمی شخصیات کی بے پناہ قدر کرتے بلکہ ہمیں بھی ان کے واقعات اور باتیں سناتے اور اکثر اوقات آبدیدہ ہو جاتے۔ بالخصوص علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کا جب بھی ذکر کرتے خود بھی روتے اور ہمیں بھی رلاتے۔ ماموں جی کو علم سے پیار نہیں عشق تھا۔ باوجودیکہ اللہ نے انہیں یہ دولت اتنی فراوانی سے عطاء کی تھی کہ جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ میں نے ان کی طلب میں کبھی کمی نہیں دیکھی۔ ہر لحہ جستجو، ہر پل کھوج اور ہر گھڑی تحقیق و تفحص میں مصروف رہنا چاہتے۔ میں انہیں دیکھتی تو یہ حدیث یاد آجاتی

منھو مان لا یشبعان منھوم فی العلم لا یشبع منہ و منھوم فی الدنیا لایشبع منھا
(دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ علم کا حریص، علم سے اور دنیا کا حریص دنیا سے)

اور میرے ماموں واقعی منہم فی العلم تھے۔ وہ دوسروں کی علمی مشغولیت سے بھی بہت خوش ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم تینوں بہنوں کو جامعہ خیر المدارس کے شعبہ تعلیم النساء سے علم دین حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائی تو ماموں جی اس پر بہت خوش تھے۔ بارہا امی جان سے کہا کہ تم خوش نصیب ہو، تمہاری اولاد دین کی طرف لگی ہوئی ہے۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی، اکثر پوچھتے، آج کل کیا پڑھ رہی ہو؟ کون کون اساتذہ پڑھاتے ہیں؟ ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ جن دنوں میں نے پرائیویٹ طور پر پی ٹی سی کیا، انہی دنوں ان سے ملاقات ہوئی۔ حسب عادت پوچھا، آج کل کیا مصروفیت ہے؟ اب میں جواب دینے سے تھوڑی سے جھجکی کہ کہیں ماموں جی یہ نہ کہہ دیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن جب میں نے بتایا تو ان کا جواب میری توقع کے خلاف تھا۔ کہنے لگے اچھی بات ہے، کوئی نہ کوئی شغل ہونا چاہیے۔ گویا ان کے نزدیک علمی مصروفیت بہت بڑی چیز تھی۔ خواہ وہ دنیاوی علم کی ہو یا دینی کی۔

ان کی زندگی میں ہمیں کوئی بھی مسئلہ پیش آتا، خواہ وہ لغت کا ہوتا یا گرامر کا، ذہن میں ایک ہی بات آتی کہ کون کتابیں کھنگالے، ماموں جی سے ملنے جائیں گے تو پوچھ لیں گے، اور وہ سوال پورا ہونے سے پہلے ہی مسئلہ حل کر دیتے۔ ایک مرتبہ دوران تعلیم میری ہم درس لڑکیوں میں اس بات پر بحث ہوئی کہ "امام اعظم" کہنا درست ہے یا نہیں؟ مجھ سمیت کسی کو بھی اس کے بارے میں صحیح علم نہ تھا۔ اتفاقاً دو تین دن کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا، اور میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہنے لگے........ بالکل صحیح ہے۔ یہاں امامت سے مراد ان کی بزرگی ہے۔ ماموں ہمارے لیے ایک مضبوط حوالہ اور ایک سند

کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس لفظ یا بات کی وہ اصلاح کر دیتے، اس کے بارے میں کسی کی تصدیق کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ وہ غلط چیز کبھی بھی برداشت نہ کرتے۔ وہ کوئی کام ہوتا یا کوئی بات یا کوئی غلط جملہ ہوتا یا لفظ...... کانوں میں پڑتے ہی بے قرار سے ہو جاتے اور فوراً اس کی اصلاح کرتے۔ ایک مرتبہ مجھ سے بڑی ہمشیر نے گفتگو کے دوران لفظ "نماز" (نون مکسور کے ساتھ) کہا تو فوراً ٹوکا اور پھر تفصیل سے بتانے لگے کہ صحیح لفظ "نماز" (نون مفتوح کے ساتھ) ہے۔ اور یہ فارسی کا لفظ ہے۔ فارسی میں نم آنسو کو کہتے ہیں اور آز سے مراد حرص اور طمع ہے۔ انہی دو لفظوں کا یہ مجموعہ ہے...... یہ ان کی عادت تھی کہ ایک جملے یا لفظ کی اصلاح کرتے ہوئے اس سے متعلق جتنی بھی باتیں ان کے علم میں ہوتیں وہ بتاتے اور یوں بتاتے کہ کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہتی۔ کبھی کبھی موڈ ہوتا تو کوئی بات پوچھ کر ہمارا تھوڑا سا امتحان بھی لے لیتے۔ وفات والے سال، ایک دن ہم سب ملنے گئے تو باتوں کے دوران نماز مغرب کا وقت ہو گیا اور وہ نماز کے لیئے تیمم کرنے لگے ایک دم مجھ سے کہنے لگے...... تم آج کل "ہدایہ" پڑھتی ہو، بتاؤ تو بھلا تیمم کی نیت کیا ہے؟ مجھے چونکہ آتی نہیں تھی، میں نے کہا کہ زبان سے کہنا ضروری نہیں، دل میں ارادہ کرنے سے تیمم ہو جاتا ہے۔ زبان سے نیت تو مستحب ہے، کہنے لگے...... بہت سمجھدار ہو (یہ ان کا مخصوص جملہ ہوتا تھا)۔ یہ ٹھیک ہے کہ مستحب ہے، وہی بتا دو۔ میں نے کہا...... ماموں جی آپ ہی بتا دیں تو اچھا ہے۔ بے اختیار ہنس پڑے۔ پھر اپنے کسی استاد صاحب کا نام لے کر کہنے لگے کہ انہوں نے ہمیں سکھائی تھی۔ اور پھر یہ نیت بتائی

"قصدت التراب لحصول الطهاره واباحته الصلوٰة "

یہ تھی ان کی علمی نافعیت جس سے انکی صحبت میں بیٹھنے والے ہر لحہ مستفید ہوتے۔

شرعی معاملات بالخصوص فرائض دین میں کوتاہی اور زندگی گزارنے کے انداز میں غیر مسلم اقوام کی نقالی انہیں سخت ناگوار گزرتی کیونکہ ان کا معیار اور منتہا و مقصود صرف اور صرف اسوۂ رسول اور عمل صحابہ تھا جو اس کے سوا تھا، وہ انہیں کسی طور پر بھی پسند نہ تھا۔ نماز اور قرآن کے معاملے میں، میں نے انہیں ہمیشہ حساس پایا اور اس سلسلے میں وہ اپنے رب کے اس حکم پر عمل پیرا تھے...... وامرا هلك بالصلوه واصطبر عليها (اور حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی اس پر قائم رہو) بارہا ایسا ہوتا کہ ہم بہنیں، امی اور ممانی جان وغیرہ باتوں میں مصروف ہوتیں، اسی دوران نماز کا وقت ہو جاتا تو فوراً آواز دیتے "بھئی نماز کا وقت ہو گیا ہے نماز پڑھ لو" اور کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ ہم ان سے ملنے جاتے اور نماز کا وقت ہوتا تو سلام دعا کے فوراً بعد پوچھتے نماز پڑھی ہے یا پڑھ آئے ہو؟ اگر جواب نفی میں ہوتا تو کہتے، پہلے پڑھ لو پھر باتیں کرینگے۔ اسی طرح قرآن کے بارے میں بھی ضرور پوچھتے کہ کتنی منزل روزانہ پڑھتی ہو، اور پھر کہتے کہ قرآن یاد کرنے کا اس سے آسان طریقہ اور کوئی نہیں کہ روزانہ ہر نماز میں ایک پاؤ پڑھا جائے، اور یہ خود ان کا زندگی بھر کا معمول تھا۔

ماموں جی کو اللہ نے علم و عمل کے ساتھ قوت حافظہ اور یادداشت کی دولت سے بھی ناقابل یقین حد تک نوازا تھا۔ کبھی ہم میں سے کسی کو کوئی کتاب اٹھا کر لانے کا کہتے تو صرف کتاب کا نام ہی نہیں بلکہ

مصنف کا نام، جلد کا رنگ اور الماری کے کس خانے میں کس لائن میں پڑی ہے، یہ تک بتاتے۔ اور ایسا شاذو نادر ہوا کہ کتاب اس جگہ سے نہ ملی ہو۔ دیانت و امانت ان کا نمایاں وصف تھا، بالخصوص جماعت کے پیسیوں کی ایک ایک پائی کا حساب رکھتے اور لکھتے۔ زکوٰۃ، صدقہ، ہدیہ،........ ہر مد پر الگ الگ نام لکھ کر رکھتے اور کئی بار ایسا ہوا کہ حساب کرتے ہوئے گنتی میں کہیں غلطی رہ جاتی اور انہیں حساب صحیح محسوس نہ ہوتا تو ان کا چہرہ ایک دم متغیر ہو جاتا۔ پھر دوبارہ حساب کرنے پر جب درست نکلتا تو ایک اطمینان سا چہرے پر پھیل جاتا۔

بیماری کے آخری دو سالوں میں ان پر بہت رقت طاری ہو گئی تھی۔ ہم بہنیں اور امی جب بھی ملنے جاتیں تو امی سے مل کر آبدیدہ ہو جاتے۔ باتوں کے دوران اگر اماں جی، نانا ابا جی یا کسی اور بزرگ کا تذکرہ ہو جاتا تو پھر ضبط کرنا ان کے لئے مشکل ہو جاتا۔

فالج، شوگر اور اس کے ساتھ دوسری مختلف بیماریوں نے انہیں رفتہ رفتہ چارپائی تک محدود کر دیا۔ جوں جوں قوت مدافعت کم ہوتی گئی، نقل و حرکت میں بھی دقت ہونے لگی اور فالج کا اثر زبان پر نمایاں ہونے لگا۔ بات بڑی مشکل سے سمجھ میں آتی۔ مسلسل لیٹے رہنے کی وجہ سے کمر پر زخم (BED SORE) ہو گئے۔ ہاتھوں کی گرفت باقی نہ رہی۔ لیکن ان کے سب کے باوجود میں نے اپنے کانوں سے ان کے منہ سے ہائے یا اف کبھی نہ سنی۔ اور آخری دو تین ماہ میں ان میں ایک خاص بات جو محسوس کی گئی۔ وہ یہ تھی کہ ان میں ایک عجیب سی بے نیازی آ گئی تھی۔ پہلے ایسا ہوتا کہ اگر کوئی ملاقاتی آتا تو پردہ کروا کے اندر بلا لیتے لیکن ان دنوں ملنے سے گریز کرتے۔ خاموش لیٹے رہتے کوئی بات پوچھیں تو اشارے سے جواب دیتے۔ یوں محسوس ہوتا کہ جیسے انہیں کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے ایک عالم کی [redacted]سی ہوئی گفتگو میں سے یہ بات یاد آ جاتی کہ سلوک کی منزلوں میں سے آخری منزل یہی ہے کہ انسان ماسوا اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

وفات سے تین دن پہلے، جمعہ کے روز صبح کے وقت امی انہیں مل کر آئیں اور عصر و مغرب کے درمیانی حصہ میں، میں اپنی سب سے چھوٹی ممانی (پیر جی ماموں کی اہلیہ) کے ساتھ انہیں ملنے گئی تو ان کی حالت دیکھ کر گنگ ہو گئی۔ دس بارہ دن میں وہ حد سے زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا تو اشارے سے جواب دیا اور ان کی حالت کے پیش نظر یہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ میں سر ان کے سینے سے لگا کر پیار نہ لے سکی۔ پیر جی ماموں کا بیٹا عطاء المنان بھی ساتھ تھا، اس سے ان کو بڑا انس تھا۔ ممانی نے اسے آگے کرتے ہوئے کہا کہ تایا ابو سے پیار لو۔ انہوں نے بھی ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی لیکن شدید نقاہت کے باعث ایسا نہ کر سکے تو میرا دل کٹ کر رہ گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ شاید اب ہم میں سے کسی کو بھی کبھی ان ہاتھوں کا لمس نصیب نہ ہو، اور اس سے آگے سوچنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں جتنی دیر بیٹھی رہی، انہیں مسلسل دیکھتی رہی۔ جی چاہتا تھا کہ ضبط کے سارے بندھن توڑ دوں لیکن ان کی حالت اور ممانی جان کی پریشانی

کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے سارے آنسو اپنے اندر ہی اتار لیے۔ ان کے چہرے کی ساری سرخی کہیں غائب ہو گئی اور ہر طرف زردی پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ بھی پہلا ہی موقع تھا، ورنہ وہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ شدید بیماری کی لپیٹ میں آئے اور ہسپتال تک جانے کی نوبت آئی لیکن ان کے چہرے کی سرخی، تازگی، بشاشت اور رونق میں کوئی فرق نہ آیا۔ چہرے سے کوئی بھی انکی بیماری کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس روز تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ اس روز میں نے پہلی مرتبہ ان کے منہ سے بے اختیار ایک مرتبہ ہائے کا لفظ سنا۔ لگتا تھا کہ تکلیف اپنی انتہا پر ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد انہیں سلام کر کے بوجھل دل کے ساتھ میں گھر واپس آ گئی۔ آتے ہی میں نے امی سے دو تین مرتبہ کہا کہ آپ نے ماموں جی کو دیکھا ہے؟ ان کی کیا حالت ہو گئی ہے؟ تو انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا ہاں دیکھا ہے، اور اس سے آگے کچھ کہنے کی شاید ان میں بھی ہمت نہ تھی۔ اس روز سے ایک پل کیلئے بھی ماموں جی میری نظروں سے اوجھل نہ ہوئے۔ تئیس اکتوبر بروز پیر جبکہ غروب آفتاب میں ابھی چند لمحے باقی تھے، معاویہ بھائی نے ذوالکفل بھائی کو ٹیلی فون پر کہا کہ ابی کی طبیعت کچھ خراب ہے، پھوپھو جان! اگر آجائیں تو اچھا ہے۔ امی نے نماز مغرب اداء کی اور دل گرفتہ سی چلی گئیں اس کے بعد آنے والا ہر لحہ اور ایک ایک پل بھاری تھا۔ کس کس طریقے سے اپنے رب کے حضور فریاد نہیں کی لیکن وقت موعود کے سامنے ہر دعا بے بس ہو جاتی ہے۔ تقریباً آٹھ بجے کے قریب کفیل بھائی جان نے آکر بتایا کہ انہیں سیال کلینک میں داخل کروا دیا گیا ہے۔ میں نے بے اختیار پوچھا، ان کی طبیعت کیسی ہے تو بھائی جان جواباً ایک جملہ کہا...... "لگتا ہے ماموں جی نے تیاری کر لی ہے" رات پونے گیارہ کے قریب چند لمحوں کیلئے میری آنکھیں بند ہوئیں تو ذوالکفل بھائی نے میرے سرہانے کھڑے ہو کر گلوگیر لہجے میں صرف یہ چار لفظ کہے۔ "ماموں جی چلے گئے"۔ اور پھر اس کے بعد ضبط کا کس کو یارا تھا۔ جیسے کیسے رات گزر گئی کہ اسے تو بہر حال گزرنا تھا۔ صبح کو جب ہم لوگ ان کے ہاں پہنچے تو انہیں غسل دیا جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد جب ان کی چارپائی اندر کمرے میں لا کر رکھی گئی تو یہ وہی جگہ تھی جہاں ٹھیک چار دن پہلے میری ان سے زندگی کی آخری ملاقات ہوئی تھی۔ ہاں اتنا فرق ضرور تھا اس روز انہوں نے صرف سفید کرتا پہنا ہوا تھا اور آج پورا لباس سفید تھا۔ اس روز چہرے پر تکلیف اور کرب کے آثار تھے لیکن آج طمانیت و آسودگی اور راحت و سکون کی انتہاء تھی۔ بخدا میں نے ایسی چمک اس سے پہلے ان کے چہرے پر کبھی نہیں دیکھی...... میں حیرت زدہ سی ایک ٹک انہیں تکے جا رہی تھی، اور شاید میری یہ حیرت ہمیشہ برقرار رہتی اگر مجھے قرآن کریم کی یہ آیت یاد نہ آ گئی ہوتی۔

واماالذین ابیضت وجوھھم ففی رحمتہ اللہ (اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے)

کتنی عجیب بات ہے کہ ان کی زندگی میں میں نے ان کے کئی کام کیے لیکن ان کا کوئی کپڑا کبھی نہیں سیا۔ لیکن جو لباس پہن کر وہ اللہ کے حضور روانہ ہوئے وہ میرے ہی ہاتھوں تراشا گیا۔ میرے لیے یہ ایک سعادت سے کم نہیں۔

ماموں جی کے انتقال پر گھر میں اور جنازہ پر لوگوں کی آمد، ان کی محبت کے انداز اور غم کی کیفیت کو

دیکھ اور سن کر مجھے ایک حدیث یاد آ گئی۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اھل آسماں میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ فلاں سے محبت کرتے ہیں، اس سے محبت کرو، چنانچہ تمام اھل آسماں اس شخص سے محبت کرتے ہیں ثم یوضع له القبول فی الارض (اور پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت پیدا کر دی جاتی ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے انہیں کتنی مقبولیت عطاء کی اور لوگوں کے دلوں میں کس طرح ان کی محبت ڈالی، اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہو گا۔ جماعت کے رکن اور ماموں جی کے بہت قریبی ساتھی حافظ محکم الدین رحمۃ اللہ علیہ (ساکن بستی شہلی غربی تحصیل حاصل پور ضلع بہاولپور) کی اہلیہ جب تعزیت کیلئے آئیں تو بتانے لگیں کہ صبح کی نماز کے بعد مجھے سپیکر پر اپنے بیٹے کی اتنی آواز سنائی دی "ہمارے شاہ جی "اور پھر خاموشی ! تین دفعہ ایسا ہوا آخر چوتھی دفعہ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا" ہمارے شاہ جی کا انتقال ہو گیا" اور پھر وہ بے اختیار روتے ہوئے کہنے لگیں کہ آپ یقین کریں، ہماری پوری بستی میں اس دن کسی نے چولہا نہیں جلایا" مجھے ان کی باتیں سنتے ہوئے حضور ﷺ کا یہ قول یاد آیا...... من تواضع لله رفعه الله، (جس نے اللہ کے لئے عاجزی اختیار کی اللہ اسے بلند کریں گے) بلاشبہ اللہ نے انہیں بے مثال رفعتوں سے نوازا۔

ماموں جی کی باتیں اور یادیں چراغ راہ ہیں۔ راہ حق پر چلنے کیلئے ہمت و حوصلہ اور عزم و پختگی کا سامان ہیں۔ وہ ہمارے محسن ہیں۔ انہوں نے اپنے کردار، عمل، علم، استقلال، عزم و ہمت سے ہمیں بہت کچھ سکھایا اور سمجھایا ہے۔ دین کے حوالے سے ان کا دامن کتنا اجلا اور کتنا شفاف ہے۔ سچ کہنے کی پاداش میں ہر دکھ اور مصیبت کو قبول کیا لیکن کسی سے کوئی سمجھوتہ، کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ وہ اگر صرف خلیفہ عادل و راشد سیدنا امیر معاویہ (سلام اللہ ورضوانہ علیہ) کے حوالے سے ہی کسی ترابی، کسی اجتہادی، کسی تقوی، کسی آیت اللہ اور کسی روح اللہ سے سمجھوتہ کر لیتے تو ان کی راہ کا ہر کانٹا پھول بن جاتا لیکن انہوں نے حق کہنے، اس پر ڈٹ جانے اور اس کے نتائج کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کو ہی زندگی کا مقصد جانا اور اس سلسلے میں قرآن کے اس حکم "لا یخافون لومة لائم "(وہ اللہ کے بارے میں...... کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) کو حرز جاں بنایا۔

ہمارے عقائد، خیالات و افکار اور نظریات کی درستی بلاشبہ انہی کی مرہون منت ہے۔ وہ ہمارا ایک مضبوط اور قابل فخر حوالہ ہیں۔ وہ ہماری پہچان اور شناخت ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ان سے جب بھی دعا کی درخواست کی، جواباً ہمیشہ ایک ہی جملہ کہا...... میں سب کیلئے دعا مانگتا ہوں اور نام لے لے کر مانگتا ہوں۔ تو گویا وہ ہمارے بن کہے ہی، اپنے رب سے نہ جانے ہمارے لیے کیا کچھ مانگتے تھے۔ آہ، کہ اب ہم اپنے لیے بارگاہ ایزدی میں اٹھنے والے ان ہاتھوں اور تڑپنے والے دل سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے۔ لیکن ماموں جی، ہم اب بھی قدم قدم پر آپکی روحانی توجہ کے طلبگار اور مستحق ہیں۔ آپ پر خدا کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔

ان کے مرقد پہ نور کی بارش

میرے مالک سدا ہی برسانا

عظمتِ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

لوگو یاد رکھنا ابوبکر نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب میرے خاندان والوں نے بھی مجھے جھٹلادیا تھا۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لایا جب لوگ مجھے شاعر و مجنون کہتے تھے۔ کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جس کے سامنے میں نے اسلام پیش کیا ہو اور وہ تردد میں نہ پڑا ہو۔ مگر ایک صدیق اکبر کے سوا۔ جس نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بنا میری نبوت کی گواہی دی اور مجھ پر ایمان لے آیا۔ یاد رکھو اس کے خلاف زبان درازمت کرنا، اس نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ جب سب نے میری تکذیب کی اس نے مجھے سچا کہا۔ یہ وہ شخص ہے جو مجھے ہجرت کرا کے لایا، کبھی کندھوں پر اٹھاتا تھا اور کبھی سواری پر بٹھاتا تھا۔ میرے گھر میں بے آبادی تھی، میری خدیجہ فوت ہوگئی تو میں غمگین تھا، مجھے اداسی تھی، وطن سے بے وطن تھا، خاندان سے جدا تھا، ہر چیز چھن گئی۔ میں بالکل تنہا تھا اس نے اپنی چھوٹی بچی دے کر میرا گھر آباد کیا۔ میرے گھر میں فاقے کشی کی نوبت تھی تو مجھے کھانے کے لئے پیسے بھیجنے والا ابوبکر تھا۔ خدا کی قسم دنیا میں کوئی انسان نہیں جس نے مجھ پر احسان کیا ہو اور میں نے اس کے احسان کا بدلہ نہ اتار دیا ہو۔ لیکن ایک ابوبکر ہے کہ میں قیامت تک اس کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ ابوبکر کو اس کے احسانوں کا اجر اللہ کی بارگاہ سے ملے گا۔

اقتباس خطاب

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ

یومِ صدیق اکبر، احمد پور شرقیہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۶ء

سید محمد طلحہ گیلانی

ایک محبوب شخصیت

میرے والد مرحوم ایک غریب اور مفلس آدمی تھے۔ وہ مفلسی اور غربت میں بھی نہایت ایماندار انسان تھے۔ اس لئے دو وقت کی روٹی مہیا کرنا بھی ان کے لئے آسان نہ تھا۔ وہ اس کام کے علاوہ کوئی کام نہ کر سکے۔ ان کو حقیقت میں اس کام سے باہر جھانکنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ عید کے روز بھی روزی کی تلاش میں نکل جاتے تھے۔ کسی ہوس کے تحت نہیں بلکہ عید منانے یا اس دن کا خرچہ پورا کرنے کے لئے انکے پاس پس انداز کی ہوئی کوئی رقم نہ ہوتی تھی۔ وہ شاید روز کے روز اتنا ہی کماتے تھے کہ روز کا خرچہ مشکل سے پورا ہو جائے۔ وہ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے اتنی محبت رکھتے تھے کہ میں ان کے سامنے کسی سے متاثر ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے اور میرے خاندان کو صرف یہ محبت ہی انہوں نے وراثت میں دی۔ جسے ہم سینے سے لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں حضرت حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ ان سے کبھی کبھار ملنے آجایا کرتے تھے اور کبھی کبھار وہ وقت نکال کر درس قرآن سننے کیلئے چلے جایا کرتے تھے۔ مجھے انہوں نے اپنی مرضی سے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد کر رکھا تھا۔ مجھے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ سے اور انکو مجھ سے بہت پیار تھا۔ نہ جانے مجھے کیا ہوا کہ ایک طویل عرصہ میں ان سے کٹا رہا۔ یہ میری بد قسمتی ہے۔ کٹے رہنے کی بظاہر کوئی معقول بلکہ نامعقول بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ والدماجد فرماتے کہ اگر موت کی تمنا جائز ہوتی تو میں شاہ جی رحمتہ اللہ علیہؒ سے ملنے کی آرزو میں موت کی تمنا کرتا۔ ایک بار ہمیں احرار کانفرنس (۱۹۷۰ء) کے سلسلہ میں راولپنڈی جانا تھا۔ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ میرے ساتھ میرے والد صاحب کے پاس آئے اور ان کو کہا کہ میں طلحہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو.....؟ انہوں نے فرمایا حافظ جی آپکو اس کو کہیں بھی ساتھ لے جانے کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کا اپنا بچہ ہے۔ چنانچہ میں ہر جلسے میں ان کے ساتھ ہی ہوتا۔ اسے میرے بعض رشتہ داروں نے طعنہ بنا رکھا تھا۔ جب بھی ملتے تو کہتے بھئی تم تو حافظ جیؒ کے مرید ہو۔ میں ہمیشہ انکی بزرگی کے احترام میں خاموش رہا۔ لیکن تا بہ کے۔ مجھے ہر اس شخص سے سخت نفرت ہے جس نے حافظ جی کو قصداً دکھ دیئے ہیں خواہ وہ میرے ہی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ اس لئے میں کسی کے آنسوؤں سے متاثر نہیں ہوتا۔ زندگی میں جس شخص کے ساتھ دو قدم نہ چلے اب اس پر مرثیئے لکھنے سے کیا ہوگا۔ یہ زمانے کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ جس درخت سے پیار ہوتا ہے اس کے پھل بھی پیارے لگتے ہیں۔ ہمیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے اسی لئے پیار ہے۔ دراصل ان سے مل کر ہم شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے قربت محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے لئے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے سب بچے محبوب کی تصویریں ہیں۔ کوئی شخص محبوب کی تصویروں کو بگاڑ کر محبوب سے محبت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگوں نے اپنے تعارف کے لئے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کو استعمال کیا۔ وہ سادہ لوح انسان تھے۔ لیکن حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے گرد و پیش کو خوب سمجھتے تھے۔ اسی لئے یہ لوگ ان کے دشمن ہوگئے۔ اُن کا تصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے مجلس احرار اسلام کے نام اور کام کو زندہ رکھا اور اپنے والد امیر شریعت کے سوداگروں کا راستہ روک کر انہیں اس پیشہ سے ہمیشہ کے لئے منع کر دیا۔

سید محمد طلحہ گیلانی، کراچی

بخاری کی تصویر گم ہو گئی

میں حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر تعزیت کیلئے ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری کی خدمت میں ملتان حاضر ہوا تو انہوں نے حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یادداشتیں تحریر کرنے کا حکم دیا۔ یہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

کوئی پانچ چھے برس کا سن ہو گا جب میں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں اپنے والد مرحوم سے بڑے اہتمام وانصرام سے سننا شروع کیں۔ کوئی بات ایسی نہ ہوتی جس میں شاہ جی کے اقوال واعمال کا تذکرہ نہ ہوتا۔ میرے والدِ مرحوم کو شاہ جی سے انتہائی قلبی لگاؤ تھا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ موت کی تمنا جائز نہیں لیکن کبھی کبھی میرے دل میں موت کی خواہش اس لئے پیدا ہوتی ہے تاکہ میں مرنے کے بعد دو شخصیتوں سے ملاقات کر سکوں۔ اولاً شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ اور ثانیاً انکی بڑی بہن (میری پھوپھی) جو جوانی ہی میں انتقال کر گئیں تھیں۔

میرے والد مرحوم نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے ہزاوں واقعات و ارشادات ہمیں اتنی بار سنائے کہ ازبر ہو گئے۔ میرے والد سراپا احراری تھے۔ وہ کسی بھی مسئلہ کو احراری نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس ماحول میں ہم بہنوں بھائیوں نے پرورش پائی اور ان دیکھے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

بہت چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے قرابت داری کے باوجود شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ ہو پائی۔ ایک دفعہ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تقریر کیلئے تشریف لائے تو والد ماجد مجھے اپنے ساتھ جلسہ گاہ لے کر گئے۔ جلسہ گاہ میں لاکھوں افراد جمع تھے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بھی ناساز تھی۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے تقریر بیٹھ کر فرمائی تھی۔ والد محترم کو ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے نہ خود ان سے ملنے کا موقعہ ملا اور نہ ہی وہ مجھے ان سے ملا سکے۔ یونہی دن گزر گئے اور ایک روز علی الصبح والد مرحوم کی چیخوں کی آواز آئی تو ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں چھت پر تھا۔ نیچے پہنچا تو روزنامہ "نوائے پاکستان" میں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی سرخی لگی ہوئی تھی۔ میں نے بعد میں کسی کی موت پر بھی اپنے والد کو ایسے بلکتے ہوئے نہیں دیکھا جیسے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر۔ اس کے بعد بات بات پر شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے دینا، انکی نشست و برخاست کے بارے میں بتانا، ان کے ارشادات واقوال دہرانا، انکی قرأت و تقاریر کی نقشہ کشی کرنا میرے والد کا معمول بن گیا تھا۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات میرے دادا مرحوم سے ملاقات کیلئے تشریف لاتے اور ان کی سب اولاد کو اپنے بچوں کی طرح ہی تصور کرتے۔ ہمارا خاندان بھی ان سے اتنی ہی والہانہ محبت کرتا تھا۔ جتنی وہ ان

سے شفقت فرماتے تھے۔

میرے والد نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ شدید علیل ہو گئے۔ اخبارات نے انکی علالت کی خبریں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیں۔ امرتسر اور دور دراز کے علاقوں سے لوگ ان کی عیادت کو آئے۔ میرے والد کہتے تھے کہ میں کسی ناگزیر وجہ کی بناء پر عیادت کو نہ جا سکا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ صحت یاب ہونے کے بعد ایک روز معاً میری دکان پر دہلی دروازہ لاہور تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے ساری دنیا میرے عیادت کو آئی مگر تم نہیں آئے۔ ابا جی کہتے ہیں کہ میں اتنا گھبرا گیا کہ کوئی جواز میری سمجھ میں نہیں آیا صرف یہی کہتے بنی کہ شاہ جی کیا خدانخواستہ آپ علیل تھے؟ شاہ جی نے میرے اس استفسار پر فارسی کا ایک شعر پڑھا اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ فارسی شعر کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

"اگر تم خبردار ہو تو ساری دنیا کی خبر رکھو

اگر تم بے خبر ہو تو اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جاؤ"

شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے بارے میں والد مرحوم سے ملی ہوئی معلومات ہی کم نہ تھیں لیکن ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے تجسس نے بہت سارے نامور ادباء و شعراء کی تحریریں، مضامین اور کتابیں پڑھنے کا موقعہ فراہم کیا۔ دریں اثناء ۱۹۷۰ء کا زمانہ آ گیا تب مجلس احرار اسلام جانشین امیر شریعت حضرت سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں سرگرم عمل تھی۔ دہلی دروازہ لاہور میں سہ روزہ احرار کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں ملک کے نامور سیاست دان اور خطیبوں نے خطاب کیا۔ مجھے بھی شوق کشاں کشاں جلسہ گاہ کی طرف لے گیا۔

میں نے تب پہلی بار جانشین امیر شریعت کو دور سے دیکھا، ان کی شخصیت میں بڑی جاذبیت، کشش، محبت اور اپنائیت تھی۔

دوسرے روز صبح ہی میں جلسہ گاہ گیا اور پورا دن وہیں گزارا۔ تیسرے روز جانشین امیر شریعت کی اختتامی تقریر تھی۔ انکی تقریر نے میرے اوپر جادو کا کام کیا۔ میں ان سے مصافحہ کرنے کے اشتیاق میں جلسہ گاہ سے ہجوم کے ساتھ ساتھ دفتر مجلس احرار اسلام تک گیا لیکن مجھے موقعہ نہ ملا۔ نتیجتاً مجھے ان کے ساتھ دفتر تک جانا پڑا۔ دفتر میں بھی لوگ بہت بڑی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں ہمارے ایک عزیز نے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے میری طرف اشارہ کر کے کہا: آپ اس کو جانتے ہیں؟ حافظ جی نے نفی میں سر ہلایا تو میرے اس عزیز نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ سید امین گیلانی کا بھتیجا اور سید علاؤ الدین گیلانی کا بیٹا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کی محبت و شفقت کا وہ لمحہ میرے لئے یادگار بن گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھایا، میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے: تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا کون ہوں؟ پھر خود ہی فرمایا کہ میں تمہارا چچا ہوں اور تم بیگانوں کی طرح اتنی دور بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دن سے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اور میرے درمیان قرابت داری کے علاوہ محبت کا ایک ایسا رشتہ قائم ہوا جو بحمداللہ آج بھی اسی شدت سے قائم ہے۔

میں نے ہزاروں میل کا سفر حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کیا اور انکی مجلسی زندگی کے وہ انوار سمیٹے جس کی حرارت تادم واپسیں قائم رہے گی۔ ان شاء اللہ

جس زمانے میں ہم لوگ ملک کے دور افتادہ علاقوں میں جلسہ اور جلوسوں میں جا رہے تھے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اور میں راولپنڈی لیاقت باغ کے جلسہ سے فارغ ہو کر قیام گاہ پر آئے تو میں نے ازراہ تفنن کہا کہ حافظ جی اتنے لمبے لمبے سفر کر کے ہم لوگ تھک گئے ہیں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک تجویز پیش کروں اس سے ہمیں مالی منفعت کے علاوہ شہرت بھی بہت ملے گی۔ فرمانے لگے کیا؟ میں نے عرض کیا شہر شہر گلی گلی بھٹکنے سے بہتر ہے کہ امریکی قونصل خانے چلتے ہیں ہمیں بس تھوڑا سا کام کرنا ہو گا۔ باقی سارا انتظام وہ کر دیں گے۔ حافظ جی میری اس بات پر کھکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ میرے پاس اس سے بھی بہتر تجویز ہے۔ میں نے عرض کیا فرمایئے۔ فرمایا میں اپنے ابا کی قبر ٹھیک کرالوں اور وہاں مجاور بن کر بیٹھ جاؤں۔ تم جانتے ہو برصغیر ہند و پاک میں میرے باپ کے لاکھوں مرید ہیں وہ میری مالی تنگی بھی دور کر دینگے اور شہرت بھی بہت نصیب ہو گی۔ پھر کسی کی منت بھی نہیں کرنا پڑے گی۔ وہ بھی سفید چمڑی والوں کی خاص طور پر۔ تم جانتے ہو میں اصول کا آدمی ہوں، مجھے یہ سب پریشانیاں قبول ہیں لیکن ضمیر کا سودا قبول نہیں۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ موضوعاتی جلسوں پر تشریف لے جاتے۔ وہ اپنے موضوع پر بڑی مدلل تقریر فرماتے۔ بڑے بڑے نامور خطیبوں کو انکی تقریر کے سامنے ہم نے بے بس دیکھا ہے۔ ایک دفعہ لاہور کے ایک بہت بڑے عالم، حافظ جی کے پاس دفتر مجلس احرار اسلام میں ملنے کیلئے آئے۔ دوران ملاقات انہوں نے حافظ جی کو ایک جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطاب کی دعوت دی۔ حافظ جی، مولانا کی دعوت قبول کرنے کے حق میں نہیں تھے مگر عشاق کے اصرار پر طوعاً کرہاً اس دعوت کو قبول کر لیا۔ جلسہ کی رات ہم لوگ دفتر سے جلسہ گاہ کی طرف حافظ جی کے ساتھ ہو لیئے۔ ہم کوئی ستر اسی کے قریب افراد ہونگے۔ حافظ جی کا شک درست تھا۔ جب ہم جلسہ گاہ پہنچے تو پتہ چلا کہ جلسہ محکمہ اوقاف کی طرف سے ہے اور صدارت کی کرسی پر معروف رافضی سید اظہر حسن زیدی براجمان تھا۔ جب کہ سٹیج پر مظفر علی شمسی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جن مولانا نے حافظ جی کو جلسہ کی دعوت دی تھی وہ سرکاری مولوی تھے۔ بعد میں انہوں نے لاہور کی سب سے بڑی سرکاری مسجد کی امامت سنبھالی اور سرکاری مولوی کی حیثیت سے بڑا نام کمایا۔ صورت حال پریشان کن تھی۔ خدشہ پیدا ہوا کہ ذرا سی بے احتیاطی سے خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہم احرار اراکین سارے جلسے میں پھیل گئے جب حافظ جی سٹیج پر تشریف لائے تو احرار اراکین نے چاروں طرف سے نعروں کی بھرمار کر دی۔ احرار اپنے مخصوص نعروں کی وجہ سے خوب پہچانے جاتے ہیں۔ حافظ جی نے خطبہ مسنونہ شروع کیا۔ ہر آدمی انکی خوش الحانی پر قربان ہو رہا تھا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد حافظ جی نے موضوع جلسہ تبدیل کر دیا اور وقت کی نزاکتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیرت صحابہ رضی اللہ عنھم پر اتنی مدلل تقریر فرمائی کہ اظہر حسن زیدی جیسا آدمی تقریر کے خاتمہ پر حافظ جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔ میں نے زیدی صاحب کو خود کہتے ہوئے سنا کہ حافظ جی ہم آپ کے والد محترم کے تو پہلے ہی غلام تھے۔ آپ نے بھی ہمیں

اپنا غلام بنا لیا ہے۔ مظفر علی شمسی نے شاہ جی سے معانقہ کیا اور اس خاندان کی عظمتوں کی داد دی۔ اس طرح یہ جلسہ بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ جب کسی جلسہ میں جاتے تو میں مختلف مسائل پر چٹیں بھیج کر ان کا موضوع تقریر تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ حافظ جی بہت دن تک پریشان رہے کہ یہ چٹیں بھیجنے والا آدمی کون ہے۔ آخر ایک روز انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور باتوں باتوں میں میری ایسی مرمت کی کہ طبعیت بحال کر دی۔

میں نے حافظ جی جیسا ایک بھی خاکسار طبعیت کا لیڈر نہیں دیکھا۔ وہ بڑے درویش صفت مگر خودار انسان تھے۔ وہ مضبوط بنیادوں پر رائے قائم کرتے تھے اور پھر انکی رائے کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بڑے پختہ ارادے کے مالک تھے۔ طبعیت میں خوف بالکل نہ تھا۔ وہ دوستوں کی بے وفائیوں پر اکثر شاکی رہتے تھے۔ لیکن اپنی تنہائی سے کبھی گھبراتے نہیں تھے ان کے مقاصد اٹل تھے۔ وہ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن تھے وہ اپنے ادنیٰ کارکنوں کے ساتھ بہت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ سیاست میں غیر شائستہ اور غیر معیاری گفتگو سے پرہیز کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا مودودی کے خلاف جمعیت العلماء اسلام کی طرف سے اٹھائی گئی تحریک میں ناشائستہ رویوں کے سبب وہ ان کے ساتھ نہ چل سکے۔ جبکہ وہ خود مودودی صاحب سے "خلافت و ملوکیت" میں مقامِ صحابہ کو مجروح کرنے کی وجہ سے شدید اور اصولی اختلاف رکھتے تھے۔ مگر شائستگی کے ساتھ۔

انکی طبعیت کی خاکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ میرے گھر پر پیغام بھجوایا کہ میں تمہارے گھر آ رہا ہوں۔ بھو سے کھووہ چنے کی دال اور چاول پکائے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ حافظ جی تشریف لا رہے ہیں انکی خواہش کا اہتمام کرو۔ میری بیوی عالم استعجاب میں تھی۔ اس نے ایسے لیڈر کہاں دیکھے اور سنے ہونگے جو فرمائش کر کے دال چاول پکوائیں۔ پھر بھی اس نے اپنی طرف سے اس دعوت کو پر تکلف کرنے کی کوشش کی اور کچھ اور چیزیں بھی پکا لیں۔ حافظ جی تشریف لائے اور دال چاول کے علاوہ اور کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ اور فرمایا طبعیت میں کھانے کے معاملہ حرص بالکل نہیں ہے۔

وہ سادہ خوراک کھاتے اور سادہ لباس پہنتے تھے۔ وہ سادگی میں اتنے خوبصورت اور وجیہہ تھے کہ آدمی دیکھتا ہی رہے۔

حافظ جی جب نماز پڑھاتے تو مقتدیوں میں تکبیر کہنے کا حکم مجھے دیتے۔ فرماتے سید زادے تجھے امامت کے مصلے پر ہونا چاہیئے لیکن تم لوگ دنیا داری میں پڑے ہوئے ہو۔ کم از کم تکبیر تو کہو۔

ایک دفعہ میں ان کے ساتھ چنیوٹ میں احرار کانفرنس پر گیا۔ وہاں سے وہ مجھے لے کر فیصل آباد چلے گئے۔ اُن کے بچے ان دنوں فیصل آباد میں تھے۔ معاویہ اور مغیرہ بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ مجھے ان سے ملایا۔ مجھے وہ اپنے بچوں ہی کی طرح تصور کرتے تھے۔ شاید اسی لئے معاویہ اور مغیرہ سے ملانے کے لئے لے گئے۔

ایک دفعہ ہم حافظ جی کے ساتھ دفتر احرار دہلی دروازہ لاہور میں بیٹھے ہوئے تھے کہ معروف شاعر جناب

سیف الدین سیف مرحوم تشریف لے آئے۔ بس پھر کیا تھا۔ غزلیات پہ غزلیات، ادھر حافظ جی اور اُدھر سیف صاحب۔ حافظ جی نے اپنے اردو، فارسی، عربی کلام کے علاوہ دوسرے شعراء کا بھی کلام سنایا۔ سیف صاحب بے ساختہ داد دیتے رہے۔ ہم نے اس محفل کا بڑا لطف اٹھایا۔

ایک دفعہ میں اور حافظ جی تانگے پر بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے۔ مزار شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ لاہور کے قریب کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ حافظ جی نے تانگہ رکوایا اور آواز دینے والے سے بغلگیر ہو گئے۔ میں تانگہ سے اترا تو دیکھا کہ ساغر صدیقی مرحوم تھے۔ حافظ جی نے اپنا پروگرام ملتوی کیا اور ساغر صدیقی مرحوم کو لے کر دفتر احرار آ گئے۔ غزل کی محفل جمی، ساغر نے بڑی دیر تک اپنی غزلیات سنائیں۔ ساغر مرحوم نے کچھ غزلیات اس موقعہ پر حافظ جی کی فرمائش پر لکھ کر بھی دیں۔ وہ یقیناً انکے ریکارڈ میں کہیں نہ کہیں موجود ہونگی۔(۱)

ایک دفعہ حافظ جی اور میں آغا شورش کاشمیری مرحوم سے ملنے کیلئے دفتر چٹان گئے۔ ان دنوں قادیانیوں کی مصنوعات کے خلاف تحریک ملک میں زوروں پر تھی۔ جب حافظ جی اور میں آغا صاحب کے کمرہ میں داخل ہوئے تو وہاں شیزان کی کچھ بوتلیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ آغا صاحب نے جب حافظ جی کو دیکھا تو ملازم کو آواز دے کر بوتلیں اٹھانے کو کہا۔ آغا صاحب اپنے ملازم پر بہت ناراض ہوئے کہ میرے دفتر میں شیزان کی بوتلیں کون لایا ہے اور کس نے پی ہیں؟ حافظ جی نے مسکرا کر کہا کہ ملازم لایا ہے اور آپ نے پی ہیں۔ آغا صاحب کھسیانے ہو کر خاموش ہو گئے بعد میں پتہ چلا کہ مہمانوں کے آنے پر ملازم بوتلیں کھلوا کر لے آیا تھا جو واپس نہ کی جا سکیں اور مجبوراً پینی پڑیں۔ حافظ جی کو آغا صاحب کا ملازموں پر ناحق ناراض ہونا پسند نہ آیا اس لئے ایک جملہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا۔

ایک دفعہ سیالکوٹ میں احرار کانفرنس پر لاہور سے کارکن ایک بس بھر کر گئے۔ سارے راستہ ہم لوگ نعرہ زنی کرتے گئے۔ جلسہ میں بہت نعرے لگائے جسکی وجہ سے میری آواز بیٹھ گئی۔ جب ہم واپس لاہور آ رہے تھے تو میں نے بس میں جانباز مرزا مرحوم کی ایک نظم "ہم تو جانباز ہیں ہم موت سے لڑ جائینگے۔" انہی کے انداز میں گانا شروع کر دی۔ آواز کے بیٹھنے کی وجہ سے مجھے خود بھی اپنے اوپر جانباز کا گمان ہونے لگا۔ لوگوں نے اس نقل کی مجھے بہت داد دی۔ لاہور پہنچ کر کسی نے حافظ جی کو نقل کا واقعہ سنایا۔ حافظ جی نے مجھے بلایا اور بہت دیر تک جانباز کی نظم انہیں کے انداز میں مجھ سے سنتے رہے اور دل کھول کر داد دیتے رہے۔

ایک دفعہ سرگودھا میں احرار کا جلسۂ عام تھا۔ ہم تین آدمی کسی وجہ سے حافظ جی کے ساتھ نہ جا سکے اور بعد میں بذریعہ ریل پہنچے۔ جب ربوہ سٹیشن پر ہماری ٹرین رکی تو میں نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر تاج و تخت ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ میرے ساتھیوں نے اس کا جواب دیا۔ ربوہ سٹیشن پر کھڑے قادیانیوں نے ہمیں گالی گلوچ کیا۔ اسی اثناء میں گاڑی چل پڑی اور ہم بخریت سرگودھا پہنچ گئے۔ ہمارے ایک ساتھی سرور

---

(۱) حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ ان دنوں پندرہ روزہ "الاحرار" جاری کر چکے تھے۔ یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ ساغر مرحوم نے "الاحرار" کے لئے قطعہ لکھا اور ایک نظم بھی عطاء کی جو الاحرار کی ۱۹۷۰ء کی فائل میں شائع ہو چکی ہے (مدیر)

سے نے یہ واقعہ حافظ جی کو من و عن سنا دیا۔ حافظ جی مجھ پر بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے:
"کنویں میں چھلانگ لگانا دانائی نہیں ۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے عقل و شعور کا استعمال کیا کرو۔ محض جذبات نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔"

میں نے معذرت کی تو حافظ جی راضی ہوگئے۔ یاد رہے اس زمانے میں قادیانی سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیئے گئے تھے۔

حافظ جی کی فہم و فراست اور سیاسی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ بنگلہ دیش کے قیام سے پہلے ڈھاکا کے دورے پر گئے۔ ان کی واپسی پر میں نے ان سے سوال کیا کہ شاہ جی آپ نے مشرقی پاکستان میں کیا دیکھا، اور محسوس کیا؟ فرمایا: "دنیا کی کوئی طاقت مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد نہیں رکھ سکتی۔" وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "کہ پاکستان کی بیورو کریسی نے جو مظالم وہاں توڑے ہیں اس سے بنگالیوں کے دل میں ہمارے لیئے اتنی نفرت پیدا ہو گئی ہے کہ اب مل بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" یاد رہے اس زمانے میں جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان کے حالات پر قابو پا لیا تھا۔ آخر کار وہی ہوا جو حافظ جی نے فرمایا تھا۔ کچھ وقت ضرور لگا لیکن ملک کے دونوں حصے ہمیشہ کیلئے الگ الگ ہو گئے۔ مجھے یاد ہے حافظ جی نے مشرقی پاکستان میں نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات بڑے دکھ اور صدمے سے سنائے تھے۔

حافظ جی کے ساتھ دور دراز اسفار کی وجہ سے دستر خوانوں پر بیٹھنے کا اکثر موقعہ ملا۔ وہ پر تکلف دعوتوں کے شوقین نہیں تھے۔ اگر کہیں پر تکلف دعوتوں میں جانا پڑجاتا تو خود نہ کھاتے بلکہ ہمیں کھلا کر خوش ہوتے ۔وہ فرماتے تھے کہ ہمیں ہمارے اباجی نے اتنا کھلا دیا ہے کہ اب کھانے کی مزید طمع باقی نہیں رہی۔
اکثر اوقات کھانے کی کمی اور افراد کی زیادتی کی وجہ سے سیر ہو کر بھی نہیں کھاتے تھے۔ بڑے مشقت طبع انسان تھے۔ دن رات تبلیغی دورے، سفر کی تھکان، عدیم الفرصتی، مطالعہ، نیند کی کمی و شب بیداری، دشمنوں کی باتیں اور دوستوں کی گھاتیں ایک جان کب تک برداشت کر سکتی ہے۔ آخر صاحب فراش ہوئے اور ۲۳ ۔۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی درمیانی شب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یا بقول سید امین گیلانی کے

بجھی شمع تنویر گم ہو گئی
بخاری کی تصویر گم ہو گی

حافظ جی کی ویسے تو اتنی ہی شناخت کافی تھی کہ وہ ایک ایسے عظیم مقرر و خطیب کے فرزند ارجمند اور جانشین تھے جسکی آواز نے ہندوستان میں درجنوں تحریکوں کو جنم دیا اور سلطنت برطانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے علم و عمل کی وجہ سے خود بھی ایک عظیم انسان تھے۔ ان جیسے رہنما کا ملنا آسان کام نہیں۔

ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک مشہور کالج میں خطاب کیلئے تشریف لے گئے۔ خطاب کے بعد طلباء پند و نصائح کی غرض سے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے ان طلباء کو نماز کی تلقین کی۔ ان طلباء میں سے کسی دہریہ مزاج طالب علم نے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ شاہ جی! نماز ہم اس لیئے نہیں پڑھتے کہ حالت نماز میں نمازی ہمارے جوتے چرا کر لے جاتے ہیں۔ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ نمازی چور نہیں ہوتے بلکہ چور نمازی کا روپ دھار کر جوتے چرانے مسجدوں کی طرف آتے ہیں۔

اس واقعہ کا سنانے کا مقصد یہ ہے کہ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح ہمارے حافظ جی بھی ان جوتے چور نمازیوں اور نام نہاد ملاؤں کو خوب پہچانتے تھے۔ جنہوں نے مذہبی شخصیات کا روپ دھارن کیا ہوا تھا اور انکی زندگی کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ حافظ ان پارساؤں کو خوب پہچانتے تھے۔ وہ بڑے صاحب نظر اور مردم شناس انسان تھے۔ وہ ایسے لوگوں کو اپنے نزدیک بھی بھٹکنے نہیں دیتے تھے جو جبہ و قبا پہن کر ہزیمت مذہب و ملت کا باعث بنے ہوئے تھے۔

حافظ جی سیدھے اور شفاف عقائد کے انسان تھے۔ وہ بہت بڑی سیاسی شخصیت تھے۔ لیکن انکی سیاست دین سے کٹی ہوئی نہیں تھی۔ وہ فریب اور دھوکہ کی اساس پر سیاست کے کھلے باغی تھے۔ شاید اسی لیئے ہمارے دور کے چند نام نہاد علماء حق نے بزعم خویش انہیں قید تنہائی کی سزا دے رکھی تھی۔ مجھے یاد ہے جب صدر یحییٰ خان کے دور اقتدار میں پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام کے درمیان اتحاد ثلاثہ ہوا تو اس زمانہ میں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا ایک نمائندہ وفد ہمارے حافظ جی کے پاس دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں گفت و شنید کیلئے آیا تھا۔ اس وفد کے دامن میں ایک حمایت کے بدلہ حافظ جی کو دینے کے لئے بہت کچھ تھا مگر ہمارے حافظ جی بندہ حرص و آز نہیں تھے۔ وہ بڑے اصول کے آدمی تھے۔ مذاکرات ناکام ہوئے اور اس وفد کو مایوس لوٹنا پڑا۔ حافظ جی جھکنے اور بکنے والے انسان نہیں تھے۔ وہ دنیا کے مفادات کو اپنے جوتے کی ٹھوکر پر رکھتے تھے۔ انہیں اپنی غربت و افلاس پر ناز تھا۔ وہ دولت دنیا کے عوض ضمیر کا سودا کرنا نہیں جانتے تھے۔

مجلس احرار اسلام لاہور کے ایک سرگرم کارکن محمد سرور نے مجھے خود سنایا کہ اسی اتحاد ثلاثہ کے ایام کے دوران جمعیت علماء اسلام کے ایک بڑے سرکردہ لیڈر نے حضرت حافظ جی سے ملاقات کی اور سیاسی طور پر تعاون کی درخواست کی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس زمانہ میں پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام ایک طرف اور دوسری جانب جماعت اسلامی اور انکی ملحقہ جماعتیں تھیں ان دونوں دھڑوں کے درمیان بڑی سخت محاذ آرائی تھی۔ جماعت اسلامی کو سیاسی طور پر نیچا دکھانے کے لیئے اسٹیجوں پر مولانا مودودی کے مذہبی عقائد کو زیر بحث لایا گیا لیکن اس سے زیادہ انکی ذاتی اور عائلی زندگی پر کیچڑ اچھالا گیا۔ حافظ جی اپنے افکار و نظریات کی بنیاد پر مولانا مودودی کے سخت مخالف تھے۔ لیکن وہ مولانا کی ذاتی و عائلی زندگی پر کیچڑ اچھالنے کے حق میں نہیں تھے۔ جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے مولانا مودودی کی مخالفت علمی بنیادوں پر نہیں کی

جا رہی تھی۔ حافظ جی یہ چاہتے تھے کہ مولانا مودودی کے نظریات کا ردّ علمی بنیادوں پر ہونا چاہیئے۔ بنا بریں حافظ جی اور جمعیت کے رہنما کے درمیان اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ ازاں بعد حافظ جی کو اس جرم کی پاداش میں سیاسی طور پر تنہا کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنا کے دوستوں سے ملاقات ہو گئی

یہ اسی زمانہ کی بات ہے کہ چودھری غلام جیلانی امیر جماعت اسلامی لاہور حافظ جی سے ملاقات کیلئے مجلس احرار اسلام لاہور کے دفتر میں تشریف لائے۔ چودھری صاحب سیاسی اتحاد کیلئے آئے تھے۔ جبکہ نظریاتی بعد نے دونوں کو اکٹھا نہ ہونے دیا۔ کافی دیر بحث و تمحیث ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر چودھری صاحب کو ناکام لوٹنا پڑا۔

اقبال نے فرمایا تھا:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

ہمارے حافظ جی کی ذات مبارک اس شعر کی عملی تفسیر تھی۔ وہ بڑے اعتماد اور دلیری سے اپنا چراغ اکیلے ہی جلاتے رہے۔ ان کی جماعت کے شعبۂ تبلیغ تحفظ نبوت پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا اور وہ بیچارے کچھ نہ کر پائے۔ کوشش بسیار کے باوجود امانت داروں نے مجلس احرار کا حق حقداروں کو دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے پس پردہ بھی انہیں یکہ و تنہا کرنے کی سیاست کارفرما تھی۔ ہمارے دور کے چند نام نہاد علماء حق نے حافظ جی کے خلاف اتنا زہریلا پروپگینڈہ کیا کہ شرم کو بھی شرم آگئی۔ دوسری طرف ہم لوگ جو حافظ جی کے بہت نزدیک تھے، حافظ جی سے خلوت و جلوت میں ایک ایسا لفظ بھی ان علماء کے لئے نہ سنا جسے غیر معیاری یا ذوق سلیم پر گراں گزرنے والا سمجھا جائے۔ میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ حافظ جی کا صبر کب بجلی بن کر ان پر ٹوٹے گا۔ ایک نیک نہاد اور پاکباز سچے عالم دین کی تضحیک و تذلیل کب رنگ لائے گی۔ ان دین کے سوداگروں اور مذہب فروشوں کا اصلی چہرہ عوام کب دیکھ سکیں گے؟ میں حیران ہوتا ہوں کہ حافظ جی ایسی ایسی کڑی مصیبتوں سے گزرے اور مرد آہن کی طرح انکے پائے استقامت میں لرزش تک نہ آئی۔

حافظ جی تقسیم ہند سے قبل مجلس احرار اسلام کی پالیسیوں پر مکمل یقین و اتفاق رکھنے کے باوجود ایک سچے اور محب وطن پاکستانی تھے۔ انکے نزدیک اکابر احرار کی پاکستان کے بارے میں تمام تر پیش گوئیاں حرف بہ حرف درست ثابت ہو چکی تھیں اس کے باوجود وہ کبھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی پاکستان کا اندرونی یا بیرونی دشمن اس ملک خداداد کو کوئی گزند پہنچائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان میں انتشار و افتراق کے زمانہ میں انہوں نے اظہار یکجہتی کیلئے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور ہر لمحہ اس کوشش میں سرگرداں نظر آئے کہ ملک کے دونوں حصے علٰحدہ نہ ہو پائیں اسی سلسلہ میں انہوں نے معروف مشرقی پاکستانی لیڈر مولوی

فرید احمد کو دفتر مجلس احرار اسلام میں آنے کی دعوت دی۔ مجھے یاد ہے کہ مولوی فرید احمد نے دفتر مجلس احرار میں ایک ایسی پرسوز تقریر فرمائی کہ تمام سامعین دوران تقریر انکے ہر ہر لفظ پر روتے رہے۔ حافظ جی نے مولوی فرید احمد شہید کو پاکستان بچانے کے سلسلہ میں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ دونوں بزرگوں کے درمیان کافی دیر تک مذاکرات ہوئے۔ لیکن افسوس کہ واپسی پر مشرقی پاکستان میں مولوی فرید احمد کو شہید کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان دنیا کے نقشہ میں بنگلہ دیش کے نام سے وجود میں آ گیا۔

اسی زمانہ میں انتخابات کے نتیجہ میں سردار عبدالقیوم خان صدر آزاد کشمیر منتخب ہوئے۔ مجلس احرار اسلام لاہور کی دعوت پر سردار صاحب دفتر احرار تشریف لائے۔ حافظ جی نے نفاذ اسلام کے سلسلہ میں ایک جامع اور مدلل تقریر فرمائی اور سردار صاحب کو انکی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ سردار صاحب نے حافظ جی کو لاہور کے ایک معروف ہوٹل میں ملاقات کی دعوت دی۔ دوسرے روز ان دونوں اکابر کے درمیان ملاقات ہوئی حافظ جی کے چہرے کی طمانیت و بشاشت سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آزاد کشمیر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر شاید بہت جلد نفاذ شریعت ہو جائے گا۔ لیکن تا حال اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر اقدام نہیں کیا گیا۔

حافظ جی جب تبلیغی مقاصد کیلئے تقریر فرماتے تو سامعین کی قلت و کثرت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ "میری ایک تقریر سے اگر چند بھٹکے ہوئے آدمی بھی راستہ پر آجائیں تو میرا مقصد کامیاب ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، دورانِ خانہ ہوں یا برسر مجلس تبلیغ کا کوئی دقیقہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ شعر جو حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہیں دراصل ایک ایرانی رافضی شاعر مُلّا معین کاشانی کے ہیں۔ وہ اشعار کچھ یوں تھے

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست دردست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

اس رباعی کے جواب میں انہوں نے بھی چند اشعار کہے دیکھئے کس طرح عقیدے کا تحفظ کیا گیا۔

شاہ ست غنی بادشاہ ست غنی
سرداد نہ داد دست در دست یہود

شاہ ست غنی بادشاہ ست غنی — بر فلک عدل مہر و ماہ ست غنی
دین است غنی دیں پناہ ست غنی — چوں جامع مصحفِ الہ ست غنی
فردوس دل و خالوئے حسنین — ہم زلف علی و خلد نگاہ ست غنی

صدیق و عمر بہر دین سقف و عماد باب است علی شہر پناہ ست غنی

سرداد نہ داد دست در دست یہود

حقا! کہ نشانِ لاالہ ست غنی

ایک دفعہ میں جماعت کے کسی کام سے سیالکوٹ گیا۔ سیالکوٹ شہر میں جگہ جگہ ایک پوسٹر لگا ہوا تھا جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

"قائد اعظم نے فرمایا۔ قادیانی مسلمان ہیں"

میں قائد پاکستان محمد علی جناح کی طرف منسوب کئے گئے اس بیان سے خاصا پریشان ہوا۔ لاہور آنے پر حافظ جی سے اس پوسٹر کا تذکرہ کیا۔ حافظ جی نے فرمایا کہ قائد پاکستان ایک سیاسی شخصیت تھے۔ دین کے بارے میں انکی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اوّل تو قائد پاکستان نے ایسا کوئی جملہ سرے سے کہا ہی نہیں ہوگا۔ اور اگر کہہ بھی دیا تو یہ انکی ذاتی رائے ہے جسے شریعت و اجماع امت کی حمایت حاصل نہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن و احادیث اور اجماع امت سند ہیں انکی ذاتی رائے نہیں۔ یہ انتخابی حربے ہیں جن سے کم از کم احرار رضا کاروں کو متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔

صوبہ سندھ میں آباد ایک خاتون نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا مقدمہ اس بنیاد پر داخل کیا کہ اسکے والد نے اس کا نکاح اسکی بغیر مرضی کے ایک قادیانی سے کر دیا تھا۔ جبکہ وہ خاتون سنی مسلمان تھیں اس مقدمہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اخبارات اسکی عدالتی کارروائی بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ مدعا علیہ کے وکیل نے چند تکنیکی بنیادوں پر عدالتی اختیارات کو چیلنج کر دیا جس کے نتیجہ میں عدالت کو مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعویٰ نبوت کا سارا کچا چھٹا کھولنا پڑا۔ اس تمام کارروائی میں مدعیہ کے وکیل اور عدلیہ کو مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر ثابت کرنے کیلئے کافی مواد درکار تھا۔ اس سلسلہ میں تمام مذہبی جماعتوں نے کافی گرمجوشی دکھائی اور عدالت کو ضروری مواد فراہم کیا۔ مجلس احرار اسلام نے یہ فریضہ بڑی ذمہ داری سے پورا کیا۔ نتیجتاً عدالت نے فیصلہ پر مبنی ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس خاتون کو طلاق ہو گئی۔ یہ فیصلہ بعد میں مجلس احرار اسلام نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ جن دنوں یہ مقدمہ چل رہا تھا۔ حافظ جی کا قادیانیوں کے خلاف جوش و غضب دیدنی تھا۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد حافظ جی جسٹس محمد رفیق گوریجہ سے ملنے متعلقہ علاقہ میں گئے۔ حافظ جی فرماتے تھے کہ دبلا پتلا آدمی جو بظاہر انگریزی قانون پر قدرت رکھتا ہے دین کی کتنی بڑی خدمت کر گیا۔ قیامت کے روز اس کی بخشش کیلئے یہ فیصلہ ہی کافی و شافی ہوگا۔

حافظ جی نے ایک دفعہ سنایا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی شہر میں ایک مجذوب رہتا تھا جو ہمیشہ ایک مصرعہ پڑھا کرتا تھا وہ مصرعہ یوں تھا۔

وسعت دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے

شہر کے لوگوں نے اس مجذوب سے بہت دفعہ اصرار کیا کہ وہ اس کا دوسرا مصرعہ بھی پڑھے لیکن وہ مجذوب

دوسرا مصرعہ پڑھنے سے ہمیشہ انکار کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں جس دن دوسرا مصرعہ پڑھوں گا میری موت واقع ہو جائے گی۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس مجذوب کو گھیر لیا اور دوسرا مصرعہ سنانے کی ضد کی۔ اس مجذوب نے مجبور ہو کر دوسرا مصرعہ پڑھ دیا اور گر کر مر گیا۔ مکمل شعر یوں تھا

وسعت دل ہے بہت و سعت صحرا کم ہے

اس لیئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

موچی دروازہ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے حافظ جی نے فرمایا: "کہ برسہا برس بیت گئے لیکن ہماری حکومتیں وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کے قاتلوں کو گرفتار نہ کر سکیں۔" پھر جلال میں آ کر فرمایا: "کہ یہ مقدمہ میرے سپرد کر دو میں اڑتالیس گھنٹے کے اندر قاتلین اور اس سازش میں ملوث پورا گروہ حکومت کے سپرد کر دوں گا۔" پھر حکومت کو مخاطب کر کے فرمایا: "کہ لیاقت علی خان کے قاتلوں سے تم ناواقف نہیں ہو۔ اور ان سے بے خبر ہم بھی نہیں ہیں۔ تمہاری مصلحتیں تمہارے آڑے آ رہی ہیں اور ہماری بے بسی کچھ کر گزرنے سے قاصر ہے۔" یاد رہے حافظ جی نے قاتلین کے سلسلہ میں چند نام بھی گنوائے تھے۔

ہمارے حافظ جی دشمنوں کے اشاروں اور کنایوں کو بھی بھانپ لیتے تھے۔ مشہور ترقی پسند شاعر احمد فراز کی غزل

اب کہ ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

جب گلوکار مہدی حسن نے گائی تو زبان زد عام ہو گئی۔ اسی غزل کا ایک مصرعہ یوں تھا

"تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا"

جب حافظ جی نے یہ مصرعہ سنا تو ردّ دہریت کیلئے جواب غزل لکھا۔ انکے جواب لکھنے کی وجہ سے فراز کا خبث باطن جو محض کنایوں میں تھا کھل کر سامنے آ گیا۔ اور ہر آدمی جاننے لگا کہ فراز کا یہ مصرعہ تردید اُلوہیت میں تھا۔ یہ حافظ جی ہی تھے جو اتنی باریک باریک شیطانیوں کو بھی اپنے خداداد فہم و ادراک کی وجہ سے بھانپ لیا کرتے تھے۔

حافظ جی بہت زیادہ سنجیدہ طبعیت کے آدمی نہیں تھے۔ وہ لطائف و ظرائف سے محفلوں کو کشت زعفران بنا دیا کرتے تھے۔ وہ مزاح کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور لطائف سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا:

جناب مسعود صادق سابق وزیر خزانہ پاکستان کے والد امرتسر کے رؤساء میں سے تھے۔ ایک دفعہ کسی کام سے جا رہے تھے۔ تو راستہ میں گاڑی بند ہو گئی۔ انہوں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

گاڑی کیوں رک گئی ہے؟"

جواب ملا

"جناب پیٹرول ختم ہو گیا ہے"۔

وہ شاید کسی بہت ضروری کام سے جا رہے تھے انہوں نے ڈرائیور کے جواب پر غور کیئے بغیر غصے اور

جھنجھلاہٹ میں ڈرائیور کو حکم دیا کہ گاڑی واپس گھر کی طرف لے چلو۔

ازیں قسم لطائف و ظرائف حافظ جی بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور سناتے تھے۔ جس سے محفل میں خوشگوار ماحول پیدا ہوجاتا تھا۔

انہوں نے بہت کچھ کہا اور دیکھا لیکن ہماری بد قسمت قوم حسب روایت کوئی استفادہ نہ کرسکی۔ بلکہ اس قوم نے ان جیسے بزرگوں کو ایذارسانی کا سلسلہ قائم رکھا۔ بہت سارے لوگوں نے ان کو سنا بڑے غور سے اور داد کلام بھی دی لیکن عملاً ساتھ نہ دیا۔ یہ شکوہ تو امیر شریعت کو بھی اس قوم سے تھا کہ یہ قوم تقریریں انکی سنتی ہے لیکن ووٹ مسلم لیگ کو دیتی ہے۔ پھر حضرت امیر شریعت کیا اس خاندان کے آباؤ اجداد کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے اور شاید قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔

روتے ہیں بہت حادثۂ کرب وبلا پر
وہ حشر اگر اب ہوبپا ساتھ نہ دیں گے

بس ایک بات سے دل کو انتہائی سکون ملتا ہے کہ حافظ جی نے اپنی تمام تر زندگی عالم درویشی میں اور تبلیغ اسلام میں گزاری اور اپنے دامن کو دنیاوی آلائشوں سے داغدار نہ کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ولیوں کی زندگی جیئے اور ذکر الٰہی میں مصروف اس دارفانی سے عالم حقیقی کی طرف روانہ ہوئے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہر ذی روح کو اس عمل سے گزرنا ہے۔ مبارک ہے ان لوگوں کی زندگی جو جہاد حق میں گزری اور مبارک ہے ان لوگوں کی موت جو تفریق حق و باطل کرنے کے بعد آئی۔ جانثارانِ صحابہ، سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔

اَزواج وَ اَصحابِ رسُول علیہم السلام
مِعیارِ حق ہیں

ارشاد باری تعالیٰ:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

[پ ۱، ع ۱۶، س ۲۔ اَلْبَقَرَة ع ۱۶]

"اے اصحاب رسول۔! اگر یہود و نصاریٰ تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو وہ یقیناً ہدایۃ پاجائیں گے۔! اور اگر وہ منہ موڑ جائیں تو پھر وہی ضد پر ہیں۔ سولئے نبی آپ کی طرف سے ان کو اللہ کافی ہے اور وُہی ہے سُننے والا اور جاننے والا۔!"

تقابل — سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ

ماضی

اس فضاء میں ہیں رقصاں شرارے وہی
آسماں ہے وہی اور ستارے وہی
موجِ طوفاں وہی ہے کنارے وہی
ڈوبتی زندگی کے سہارے وہی
سارا عالم وہی سب نظارے وہی

ابنِ آدم بدستور مقہور ہے
اور شیطاں بدستور مغرور ہے
خیر ابھی شر کے پردوں میں مستور ہے
ظلم ابھی نشۂ حکم میں چور ہے
یاس و حسرت ابھی اپنا مقدور ہے

جام و بادہ وہی مے خوری بھی وہی
ہے فسوں بھی وہی ساحری بھی وہی
ہے تعبّد بھی آقا گری بھی وہی
حاکمیت وہی افسری بھی وہی
خود سری سرکشی برتری بھی وہی

تیرہ چہرے وہی ان کے غازے وہی
مردہ اعمال ان کے جنازے وہی

حال

دیکھو شاید نیا ایک دور آگیا
یہ انوکھا غلامی کا طور آگیا
کھیلنے کو کوئی کھیل اور آگیا
پھر لباسِ ترحم میں جور آگیا
اب سمجھ لو باندازِ غور آگیا

شورِ تسبیح اٹھنے لگا دمبدم
ذوقِ طاعت بڑھا سر ہیں سجدہ میں خم
خوفِ حق سے لگی رہنے آنکھوں میں نم
اور بڑے پارسا بن گئے اب تو ہم
خوب ظاہر ہوا فرقِ تریاق وسم

یہ نفاق و تصنع ریاء الاماں
پھر خدا سے یہ مکر و دغا الاماں
یہ قساوت شقاوت جفاء الاماں
سرقہ رشوت قمار و ربوا الاماں
اُف یہ مے خواریٔ وہم زنی الاماں

پھر بھی دعویٰ کہ ہم اصلِ کردار ہیں
والئے کل حکومت کے مختار ہیں
بس قیادت کے ہم ہی سزاوار ہیں
جو بھی تنقید کرتے ہیں اشرار ہیں
واہ کیا خوب قسمت کے شہکار ہیں

ہو مسلمان بھی، حق کا باغی بھی ہو
پھر نظامِ تزندق پہ راضی بھی ہو
اور تقدیر کا خود ہی شاکی بھی ہو
قوم کا مقتدیٰ اور ہادی بھی ہو
یعنی خلد و سقرسب کا والی بھی ہو

اب تو ابلیس مشکل کشا ہو گیا
عاجزی کا تصور ہواء ہو گیا
بندگی آشنا کبریاء ہو گیا
یعنی ذرہ جہنم نما ہو گیا
خوب حقِ خلافت اداء ہو گیا

کفر و اضلال نے روپ دھارے نئے
شعبدے بھی نئے عقل مارے نئے

مستقبل

ایک روشن سویرا ابھرنے لگا
روئے آفاق سے زنگ اترنے لگا
اور گیسوئے فطرت سنورنے لگا
نورِ ایقاں سے عالم نکھرنے لگا
ڈوبا طاغوت الحاد مرنے لگا

زندگی کے تقاضے نئے ہو گئے!
جو بھی بیدار تھے فتنے سب سو گئے
سب کبائر ذنوب و خطاء کھو گئے
نیک اعمال کل معصیت دھو گئے
کاٹنا ہے وہاں جو یہاں بو گئے

مٹ گئی خواجگی برتری سرکشی
آمریت ہوئی محو فرمانبری
جامِ عرفان سے مٹ گئی تشنگی
عقل و دانش مطیعِ رضا ہو گئی
جاہلیت کا حیواں بنا آدمی

اب نہالِ تمنا جواں ہو گیا
مولا ناراض تھا مہرباں ہو گیا
شر و باطل نظر سے نہاں ہو گیا
پھر سے حق کا نمایاں نشاں ہو گیا
بندہ پھر نائبِ آسماں ہو گیا

اب اخوت مساوات کا دور ہے　　ظلم نابید مفقود اب جور ہے
عدل و نصفت کا پیدا نیا طور ہے　　دشمنِ دین کو دعوتِ غور ہے
سحرِ باطل ہے کچھ وحی کچھ اور ہے

اب خلافت کے معمار جمہور ہیں　　فارغ البال دہقان و مزدور ہیں
حلم و اخلاق پابند دستور ہیں　　نورِ کردار سے قلب معمور ہیں
شر کے عفریت محبوس و مجبور ہیں

اب تفکر بعنوانِ تحقیق ہے　　اب معاد و معیشت میں تطبیق ہے
عبد و معبود میں پھر سے توفیق ہے　　اب تمدن سے مفقود تفریق ہے
مائلِ عدل پھر نظمِ تخلیق ہے!

اب توکل باندازِ تدبیر ہے　　روحِ اعمال مربوط تقدیر ہے
عزمِ تدبیر مائل بہ تعمیر ہے　　نقش تعمیرِ فطرت کی تصویر ہے
وصفِ فطرت ہی آرام کی تفسیر ہے

نوطِ مستور پھر آشکارا ہوا　　آدمیت نے رخ بت سنوارا ہوا
یعنی برق آشنا پھر شرارہ ہوا　　صورتِ موم پھر سنگِ خارا ہوا
قصرِ دریا میں پیدا کنارہ ہوا

پھر سے الہام عقل آزما ہو گیا　　آدمی پھر خدا آشنا ہو گیا

سیدنا معاویہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی

قیمت -/200 روپے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

فون: 511961

احمد معاویہ

نقیب خلوص و اسیر وفا

ملتان جامعہ خیر المدارس میں داخلہ حاصل کرنے کی قلبی خواہش دو وجوہ کی بنا پر تھی۔ پہلی وجہ تو یہ کہ جامعہ خیر المدارس ملک بھر کے تعلیمی و دینی مدارس عربیہ میں اپنے نظم و نسق اور تعلیمی ماحول کے اعتبار سے مثالی شہرت کا حامل ہے۔ بانی جامعہ، حضرت مولانا خیر محمد نوراللہ مرقدہ کی محنت اور دعاؤں کا ثمر ہے کہ اب بھی وہاں کے اساتذہ اور طلباء میں اخلاص و للٰہیت، دینی و تعلیمی شغف، تعلق مع اللہ، راستبازی اور تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ بطور خاص پائی جاتی ہے۔

ملتان جانے کی دوسری اور بڑی وجہ یہ بھی کہ وہ سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن اور ان کے خانوادہ کا مسکن ہے۔ قائد احرار جانشین امیر شریعت حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں قیام رکھتے ہیں .... حضرت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی پس منظر، ان کی علمی و تحریکی شخصیت، تحریک دفاع مقام و منصب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کا قائدانہ کردار، تاریخ اسلام خصوصاً سیرت و سوانح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ پر ان کا گہرا مطالعہ و نگاہ، اس بات پر مجبور کرتا کہ اب ملتان میں ہی بسیرا کیا جائے۔ اس طرح حضرت سید ابوذر بخاری کی مجلسوں میں بیٹھنے اور انہیں قریب سے سننے کا بھرپور موقع مل جائیگا۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر علم و دانش کے موتی چننے کا موقع ملے گا۔ دل و دماغ میں تاریخ اسلام کے متعلق اُلجھی تاروں کو سلجھانے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت جامعہ خیر المدارس میں داخلہ لیا اور جمعہ کے جمعہ حضرت شاہ جی کے پاس حاضری کا موقع ملنے لگا۔

شاہ جی کے خطبات و بیانات سننے والے اور ان کی مجلس علم و عرفان سے حظ اٹھانے والے ملک کے طول و عرض میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، ان کی تقاریر و خطبات سن کر یوں لگتا جیسے.......... تفسیر و حدیث، تاریخ و انساب، سیرت و سوانح اور مغازی کی کتب بیک وقت ان کے سامنے کھلی موجود ہیں اور شاہ جی پوری روانی کے ساتھ صفحات کے صفحات پڑھ رہے ہیں اور ورق الٹتے جا رہے ہیں۔ بات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، کوئی واقعہ بیان ہو رہا ہے تو اس واقعہ کا محل وقوع، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت ہیئت کا ذکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود جانثار صحابہ کی تعداد، ان صحابہ کے قبول اسلام، خاندان، اور پیشہ کا تذکرہ، اور اسی طرح کی دیگر جزئیات کا بیان .... سامع جب خطاب سماعت کر کے اٹھتا تو قلب و دماغ ان نئی معلومات پر مسرت زا ہوتے اور حیران و ششدر بھی، معلوم ہوتا کہ آدمی اپنی زندگی کا معتد بہ حصہ ایک بڑی لائبریری میں گزار آیا ہے۔

راقم جن دنوں تعلیم کی غرض سے ملتان گیا ان دنوں حضرت شاہ جی خطبات و تقاریر کا سلسلہ موقوف کر چکے تھے۔ کچھ ہی عرصہ قبل تانگے کے حادثہ کا شکار ہوئے۔ جس سے کولہے کی ہڈی شدید متاثر ہوئی۔ اس

سے سنبھلے تو احمد پور شرقیہ کے تبلیغی سفر سے واپسی پر کار کے حادثے کا شکار ہوگئے اور یوں رہی سہی کسر بھی نکل گئی۔ کہیں آنا جانا بالکل موقوف ہوگیا۔ اب گھر پر ہی زیادہ ملاقاتیں ہوتیں۔ راقم التزام کے ساتھ ہر جمعہ کی صبح شاہ جی کے پاس حاضری دیتا۔ تقریباً گیارہ بجے تک شاہ جی کی مجلس میں بیٹھ کر ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری کے ہاں جمعہ پڑھنے دار بنی ہاشم چلا جاتا۔ رفتہ رفتہ شناسائی مضبوط تعلق اختیار کر گئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد شاہ جی نے فرمایا کہ بھئی! آنا تو ہوتا ہی ہے۔ جمعہ کی صبح ناشتہ یہیں آ کے کر لیا کرو۔ چنانچہ شاہ جی کی نظر کرم سے ہر جمعہ علی الصبح حاضری ہونے لگی سات آٹھ بجے شاہ جی بیٹھک میں تشریف لے آتے اسی دوران بعید و قریب کے احباب بھی شاہ جی کے پاس حاضری دینے کیلئے پہنچنے لگتے۔ مجلس گرم ہوتی مختلف احباب قسم قسم کے سوالات کرتے اور شاہ جی ان کے بالتفصیل جوابات ارشاد فرماتے جاتے۔ راقم نے کچھ عرصہ تک التزام کیا کہ شاہ جی کے ملفوظات کو لکھ لیا کروں چنانچہ جب واپسی ہوتی تو قیام گاہ پہنچ کر اپنے حافظے کی بنیاد پر ملفوظات کو لکھ لیتا۔

چونکہ راقم جامعہ خیر المدارس میں زیر تعلیم تھا اس لئے اکثر شاہ جی اسباق کے متعلق پوچھتے کہ ان دنوں کونسی کتابیں پڑھ رہے ہو۔ چونکہ شاہ جی بھی اسی مکتب علمی کے فیض یافتہ تھے اس لئے اپنی مادر علمی کا تذکرہ فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے آپ کے شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب میرے ہم درس ہیں بانی جامعہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ علیہ میرے نہایت ہی شفیق استاد تھے۔ مجھ سے بہت محبت فرماتے .... فرمایا کہ خیر المدارس میں میرے داخلے کا عجیب قصہ ہے۔ "اباجی" ایک مرتبہ دیو بند، سہارنپور کے دورہ کے موقع پر مجھے بھی ہمراہ لے گئے۔ خیال تھا کہ اس طرح میں چل پھر کر مدارس دیکھ لوں گا اور جہاں کا ماحول مجھے پسند آئے گا داخل کرا دیا جاؤں گا۔ جبکہ اباجی کا اپنا خیال یہ تھا کہ میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لوں۔ میں ابا جان کے ہمراہ تمام مدارس میں گیا۔ مگر کہیں بھی دل نہیں مانا۔ دا[redacted] دیو بند اتنا بڑا علمی مرکز کہ جہاں کے اساتذہ خیر القرون کی یاد تازہ کرتے، عام طالب علم کیلئے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ حاصل کرنا ایک سعادت تھا۔ مگر میرا دل نہیں مانا۔ پھرتا پھراتا جب اباجی کے ہمراہ جالندھر جامعہ خیر المدارس میں آیا تو میں نے اباجی سے کہا کہ میں تو یہیں داخلہ لوں گا۔ یہاں حضرت مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ علیہ تھے ابا جان نے ان کے سپرد کر دیا اور داخلہ کیلئے فرمایا۔ مولانا فرمانے لگے "حضرت شاہ جی! ہم میاں بیوی نے تو آپ کا بیٹا اللہ سے مانگ کر لیا ہے۔ یہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتا تھا"۔

دارالعلوم دیو بند کے سفر کے سلسلہ میں فرمایا کہ دیو بند میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ سے میری پہلی اور آخری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کو جب بھی یاد کرتا ہوں تو پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ وہیں ایک مکان میں مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ ابا جان اور میں کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک مولانا عبید اللہ سندھی نے گرج دار آواز میں فرمایا "حسین احمد! (اس دوران حضرت مدنی نے والد صاحب کی طرف اشارہ کیا جسے میں نہ سمجھ سکا مولانا سندھی پھر گرج دار آواز میں بولے "حسین احمد! میں ان مولویوں کو بم سے اڑا دوں گا"! اس پر اہل مجلس زیر لب مسکرائے، حضرت مدنی فرمانے

لگے "حضرت، ان مولویوں کا یہی علاج ہے"۔ بعد میں ہم نے [illegible] کر وہیں کھانا کھایا یہ حضرت سندھی سے میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ پھر تعلیم کے سلسلہ میں مدرسہ خیر المدارس داخل ہو گیا اور آئندہ ملاقات کی حسرت ہی رہی۔ تا آنکہ مولانا سندھی کا انتقال ہو گیا۔

شاہ جی، مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کی شفقتوں کا ذکر فرمار ہے تھے۔ فرمایا کہ مولانا [illegible] بہت ہی شفقت، محبت سے پیش آتے۔ مجھے انہوں نے بڑی محنت اور محبت سے پڑھایا۔ (اس پر شاہ جی زار و قطار رونے لگے ذرا سنبھلے تو فرمایا کہ کئی دفعہ تو ایسا ہوا کہ مولانا خود گھر سے کھانا لا کر مجھے کھلاتے۔ قیام پاکستان کے بعد جب والد ماجد، والدہ محترمہ اور بھائیوں کے ہمراہ خان گڑھ قیام پذیر [illegible] التزام کے ساتھ مولانا کے گھر سے میرے لئے کھانا آتا رہا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ میں تدریس اختیار کروں چنانچہ فراغت کے بعد ایک ڈیڑھ سال تک خیر المدارس میں پڑھایا بھی، مگر میرا دل چاہتا [illegible] کام بھی کروں اور ڈرتا بھی تھا کہ مبادا مولانا تدریس چھوڑنے پر ناراض ہو جائیں۔ اسی کشمکش میں پڑھانا چھوڑ دیا۔ مولانا خیر محمد کی وفات کے بعد ایک مرتبہ خیر المدارس جانا ہوا تو اس وقت مولانا کے فرزند گرامی مولانا محمد شریف جو جامعہ کے مہتمم تھے۔ وہ فرمانے لگے کہ شاہ جی! اباجی تو آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جب آپ نے یہاں سے پڑھانا چھوڑا تو کہنے لگے، شاہ تو چلا ہی گیا میرا ارادہ تھا کہ اسے نائب مہتمم بناؤں گا اور میرے بعد وہ اہتمام سنبھال لے گا۔

حضرت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے مرشد گرامی حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ تھے......اسی طرح ایک مرتبہ مجلس میں حاضر تھا کہ شیخ کا تذکرہ چھڑ گیا...... فرمایا ایک مرتبہ میں نے اباجی سے پوچھا کہ آپ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس قدر معتقد تھے۔ مگر بیعت حضرت رائپوری سے ہوئے۔ فرمانے لگے بیٹا! کیا بتاؤں؟ حضرت مدنی میں جلال بہت تھا اور مجھے ماں کی محبت و شفقت درکار تھی اور یہ چیز حضرت رائپوری میں تھی۔ اس لئے کہ حضرت مدنی میں باپ کا جلال جھلکتا تھا اور حضرت رائپوری میں ماں کی شفقت تھی۔ میں نے ماں کی شفقت کو ترجیح دی اور حضرت رائپوری سے بیعت ہو گیا۔ یہ اور بات کہ اباجی حضرت مدنی کی تعریف بھی بہت کرتے۔ یہ محض زبانی اعتراف عظمت نہ تھا بلکہ حقیقتاً اباجی حضرت مدنی کا بہت احترام کرتے۔

مرشد گرامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ کبیر والا کے علاقہ میں مولوی محمد شفیع بڑے نڈر مولوی گزرے ہیں۔ باطل کے خلاف ڈٹ جائیں تو کوئی مائی کا لال انہیں پیچھے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ اباجی سے بیعت تھے مگر والد صاحب نے حضرت رائپوری کے سپرد کر رکھا تھا کہ انہیں آپ ہی سنبھالیں۔

حضرت رائپوری نے بہت کہا کہ اسے آپ سنبھالیں مگر اباجی نے کہا کہ یہ بڑی بلا ہے میں اسے نہیں سنبھال سکتا۔ چنانچہ حضرت رائپوری نے ان کو اپنے دامن میں لے لیا...... یہ حضرت نعت بہت اچھی پڑھتے تھے۔ حضرت رائپوری انہیں نعت سنانے کا کہتے اور وہ نعت سناتے۔ ایک مرتبہ میں بھی حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھا، اپنی قیام گاہ پر بیٹھا ہوا تھا، تنہائی تھی، میں نے فارسی نعت کا کوئی شعر ذرا ترنم میں بلند آواز سے پڑھا مولوی محمد شفیع صاحب نے سن لیا اور حضرت کو جا کر بتا دیا کہ شاہ بھی نعت کہہ لیتا ہے۔

حضرت نے حیرت سے کہا اچھا؟ بلاؤ اسے، چنانچہ بلایا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ شکایت پہنچ گئی ہے، حاضر ہوا...... فرمایا ہمیں بھی نعت سناؤ، میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو نعت گوئی نہیں آتی، حضرت نے اصرار فرمایا، دو تین اور علما نے بھی کہا کہ حضرت اتنی مرتبہ کہہ چکے ہیں، کیوں نہیں سنا دیتے؟ میں نے ان سے کہا آپ حضرات چپ رہیں...... خود حضرت کے سامنے ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا کہ مجھے معاف فرما دیں۔ بڑی مشکل سے خلاصی ہوئی۔

والد گرامی حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ابا جان سے پوچھا آپ کی زندگی میں سب سے طویل تقریر کہاں اور کونسی ہوئی تو کہنے لگے ایک مرتبہ میرٹھ میں تقریر تھی، عشاء کے بعد شروع ہوا اور صبح اذانوں تک میں نے تقریر کی۔ نماز فجر کے بعد پھر شروع ہو گیا اس دوران یوں ہوا کہ بارش شروع ہو گئی۔ لوگ جانے لگے تو میں نے انہیں کہا لوگو! کہاں جاتے ہو؟ مجھے یہاں بلا کے خود بھاگتے ہو؟ بس اسی پر لوگ واپس پلٹ کے آنے لگے۔ بارش اتنی زبردست ہوئی کہ لوگوں نے اپنے بچوں کو اوپر اٹھایا ہوا تھا اور پانی ان کی گودوں سے بہہ رہا تھا۔ اس پر میں نے دن کے آٹھ بجے تقریر ختم کی۔ جو زندگی کی طویل اور مسلسل تقریر تھی۔ ابا جان نے بتایا کہ دہلی میں کچھ دیندار لوگوں نے "انجمن سیف الاسلام" کے نام سے ایک انجمن بنائی ہوئی تھی اس کے زیر اہتمام دینی و اصلاحی جلسے ہوتے تھے۔ وہ مجھے بھی بلاتے ویسے بھی دہلی میرا دوسرا گھر تھا۔ ہفتہ ہفتہ میرا قیام دہلی میں ہوتا۔ رات کو وہاں میری تقریر ہوتی...... لوگوں کی یہ حالت تھی کہ رات کا کھانا گھر سے کھا کر چلتے اور صبح کا کھانا ساتھ لے کر آتے۔ گھروں کے اندر بوڑھے لوگوں کو چھوڑ جاتے۔ راستے میں اگر کوئی پوچھتا بھائی کہاں جا رہے ہو؟ تو جواب دیتے "شاہ جی" آئے ہوئے ہیں ان کی تقریر سننے جا رہے ہیں۔ اکثر یوں ہی ہوتا کہ عشاء کے بعد تقریر شروع ہوتی اور صبح فجر تک جاری رہتی۔

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں ہی فرمایا کہ ایک مرتبہ امرتسر میں ہم سب گھر کے افراد صبح کے ناشتے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں باہر سے اخبار دیکھ کے آیا۔ اخبار میں خبر تھی کہ انگریز، شاہ ہمدان (سندھ) کے دو بیٹوں (پیر پگارا اور ان کے بھائی) کو زبردستی پکڑ کر تعلیم کیلئے انگلستان لے گئے ہیں۔ اس پر ابا جی نے فرمایا بیٹا! میری بات لکھ لو یہ جب واپس آئیں گے تو اپنے اعمال سے مسلمان نہیں رہیں گے اور ان کے ہاتھوں میں تیر و تلوار کی بجائے کتے پکڑے ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم ھند کے بعد جب ہم یہاں آ گئے (ملتان) تو ایک دن امروز میں پیر پگارا اور اس کے بھائی کے واپس آنے کی خبر چھپی۔ ساتھ ایک تصویر بھی چھپی ہوئی تھی جس میں دونوں بھائیوں نے دو کتوں کی رسیاں اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں۔ میں بھاگ کر اخبار ابا جی کے پاس لے گیا اور یہ خبر اور تصویر ابا جی کو دکھائی اور کہا کہ آپ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی وہی کچھ ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔

ایک روز مجلس میں حاضر تھا۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کا ذکر چل پڑا...... حضرت سید بوذر بخاری رحمہ اللہ فرمانے لگے میں نے علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ مسجد میں دوزانو

بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر اللہ کر رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ حرکت بھی کر رہے ہیں۔ سر پر ریشمی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ چہرہ بہت پر نور اور جلال والا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی بھی خاص وجہ تھی کہ ایک تو ابا جی کا تعلق بہت تھا اور پھر انہیں حضرت انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے امیر شریعت کا لقب عطا فرمایا تھا اور اتنی بھاری ذمہ داری سونپی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے ابا جی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ لاہور میں انجمن خدام الدین کے سالانہ اجتماع میں مجھے امیر شریعت کا لقب دیا اور اس وقت تمام علماء کو فرمایا کہ ان کی بیعت کی جائے۔ مگر ایک مولانا (نام ذہن میں نہیں رہا۔ اس لئے تحریر نہ سکا۔ احمد) نے دوران اجلاس کھڑے ہو کر کہا کہ حق تو یہ ہے پہلے آپ بیعت فرمائیں چنانچہ مولانا انور شاہ کاشمیری اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے ہاتھ آگے کر دیئے۔ اس پر میں نے حیرت سے پوچھا ابا جی! اس کے بعد کیا ہوا؟..... پھر آپ نے حضرت شاہ صاحب کو بیعت کر لیا؟ تو کہنے لگے حافظ جی! میں کوئی بیوقوف تو نہ تھا جوان کے مق... لو نہ سمجھتا۔ میں نے جلدی سے اپنے ہاتھ حضرت شاہ صاحب کے ہاتھوں میں دیدیئے۔ اب حالت ... ں نہ ہم دونوں زار و قطار رو رہے تھے۔

ابا جی اکثر میرے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا کرتے اللہ تمہیں انور شاہ کی گدی پر بٹھائے، کسی نے کہا شاہ جی آپ بھی عجیب دعا فرماتے ہیں ابا جی کہنے لگے میں نے علما سے سنا ہے کہ اللہ سے جب بھی کچھ مانگو تو بڑی سے بڑی شے مانگو۔ میں نے اپنی زندگی میں کروڑوں انسانوں سے خطاب کیا ہزاروں سے تعلق ہوا۔ آدمیوں کو میں نے چھانا اور کھنگالا ہے میری آنکھوں نے اور میرے دل و دماغ نے صدیوں کی تاریخ چھاننے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اس دھرتی پر انور شاہ کا ثانی کوئی نہیں...... میری دانست میں یہ بہت بڑی نعمت ہے میں خدا جیسے سخی اور کریم آقا سے مانگوں اور وہ بھی کوئی چھوٹی سی چیز۔

فرمایا ایک مرتبہ دیو بند گیا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے مزارات پر گیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی قبر بھی وہیں ہے ان کی قبر سے جا کر لپٹ گیا۔ باپ کی دعائیں یاد کرتا تھا۔ اب تک یاد ہے کہ چار گھنٹے وہاں پاگلوں کی طرح بیٹھا رہا تھا۔ اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ ابا جی پوچھنے لگے کیا تھا وہاں؟ میں نے کہا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہ صاحب فرما رہے ہیں بیٹا! آج یہیں بیٹھے رہو"۔

حلقۂ احرار میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ اور حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ "ام الاحرار" کے نام سے یاد کی جاتی تھیں ان کا وجود مسعود صرف خانوادۂ امیر شریعت کیلئے ہی باعث برکت نہ تھا بلکہ تمام حلقۂ احرار ان کے فیوض و برکات کا متمنی تھا۔ جون ۱۹۹۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اماں جی کی وفات کے ایک دو روز بعد کی بات ہے عصر کے بعد راقم شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ تعزیت کیلئے آ رہے تھے۔ علماء طلباء مشائخ، تاجر، وکلاء اور سیاستدان آ جا رہے تھے اس روز کچھ علماء کرام بھی آئے ہوئے تھے۔ مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم و مغفور بھی شاہ جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران جماعت اسلامی ملتان کے سر کردہ رہنما ملک وزیر غازی، مرکزی رہنما محمد اسلم سلیمی، ایک دو اور اصحاب جماعت تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

ملک وزیر غازی صاحب حضرت مخدومہ اماں جی رحمہ اللہ علیہا کی وفات پر اخبارات کی بے حسی کا ذکر کرنے لگے کہ بہت مختصر سی خبر لگائی - شاہ جی رحمہ اللہ گویا ہوئے بھائی! یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ کوئی اداکارہ مرے، کوئی فاحشہ، زانیہ، مرے تو اخبارات کے صفحات اس کیلئے وقف ہوجاتے ہیں وہ تو عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ان کے انتقال کی خبر کیسے نمایاں شائع ہو؟ انہی دنوں جماعت اسلامی کے یہ رہنما ایران یاترا سے واپس لوٹے تھے۔ واپسی پر ایرانی انقلاب کے حق میں ان کے بیانات بھی شائع ہوئے۔ حضرت ابوذر بخاری نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان حضرات کی توجہ رافضیت کی طرف مبذول کرائی۔ حضرت شاہ جی نے کہا کہ خمینی نے نام نہاد اسلامی انقلاب کی آڑ میں سنیوں پر وہ مظالم ڈھائے ہیں کہ انسانیت شرما جائے - ایران میں سنیوں کو وہ حقوق بھی حاصل نہیں جو پاکستان میں شیعوں کو حاصل ہیں - خمینی نے اپنی کتابوں میں نعوذ باللہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، اصحاب رسول اور امہات المؤمنین سے متعلق ایسے جملے ہیں کہ آدمی کپکپا اٹھتا ہے - سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق خمینی نے جابجا بکواس کی ہے۔ شاہ جی رحمہ اللہ اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہوئے قدرے غضبناک بھی ہوئے اور آبدیدہ بھی! جب یہ حضرات چلے گئے تو شاہ جی فرمانے لگے بھائی! ہم نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ ایک اور موقع پر "پاکستان کی مذہبی سیاست اور اس میں رافضیت کا عنصر" کے موضوع پر گفتگو کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ شاہ جی فرمانے لگے پتہ نہیں یہ لوگ کس برتے پر رافضیوں سے اتحاد کرتے ہیں جمعیت علماء کے نزدیک مجلس احرار ان کی دشمن ہے اور رافضیوں کا عارف الحسینی جو ایران کا ایجنٹ تھا وہ ان کا دوست ہے۔ شاہ جی جلال میں آگئے، فرمانے لگے۔

یاد رکھو! سانپ کے منہ میں اور بچھو کی دم میں زہر کا نہ ہونا مانا جاسکتا ہے حالانکہ ڈنگ مارنا ان موذیوں کی فطرت ہے مگر، یہ کہا جائے کہ رافضی میں وفا ہے قطعاً غلط ہے۔

قائد احرار سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی صحت کچھ عرصہ سے متاثر رہنے لگی تھی۔ پہلے دو مرتبہ تانگہ اور کار کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے صاحب فراش رہے۔ والدہ ماجدہ کی وفات نے صحت کو اور زیادہ متاثر کیا۔ پھر فالج کا حملہ ہوگیا۔ یوں یکے بعد دیگرے بیماریوں کے حملوں سے مسلسل بیمار رہنے لگے..... چلنا پھرنا بھی محض لاٹھی کے سہارے ہوتا اور وہ بھی اندر سے بیٹھک تک۔ ملاقات کے اوقات بھی اب کم ہوتے جا رہے تھے۔ راقم کا چونکہ مسلسل آنا جانا تھا اس لئے بعض کاموں کی فائلیں مرتب کرنے میں وقت لگا - اس سے جو فارغ وقت بچتا تو مختلف احباب و متوسلین کے آنے والے خطوط کے جوابات لکھواتے - تحریر میں حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کا خاص انداز تھا۔ پہلی مرتبہ جب شاہ جی نے مجھ سے ایک خط کا جواب تحریر کرایا تو دیکھ کر کچھ ہدایات دیں مثلاً میں نے ایک جگہ "کے مطابق" کو اکٹھا "کیمطابق" لکھا تو فرمانے لگے مجھے سمجھ نہیں آتی یہ "کیمطابق" کون سی یونانی دوا کا نام ہے؟ ہم انگریزی تہذیب میں اس قدر غرق ہوچکے ہیں کہ اپنی زبان کی تحریر و تقریر اور کتابت بھی بھولتے جا رہے ہیں - جس طرح انگلش لکھنے کے کچھ اصول ہیں اسی طرح اردو لکھنے کے بھی کچھ ضوابط ہیں - پھر شاہ جی نے "ۃ" اور "ت" میں فرق بتلایا اور ان کا موقع کتابت بھی مثلاً شاہ جی

"ختم نبوت" کو یوں نہیں لکھتے تھے بلکہ "ختم نبوہ" لکھتے، تیار کو "طیار" "اخوت" کو "اخوہ" تحریر فرماتے۔ راقم نے بھی یہ باتیں پلے باندھ لیں اور آئندہ اسی انداز کی تحریر شروع کر دی۔ شاہ جی کو بار بار بتلانا نہیں پڑا۔ اس پر بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے بھی نوازا۔

حضرت شاہ جی کو اللہ پاک نے خوش کلامی اور بذلہ سنجی سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ شاہ جی کے دیرینہ خادم محترم مستری محمد عبداللہ صاحب آپ کی مجلس کے حاضر باش رکن تھے۔ وہ آتے تو بیٹھک میں داخل ہوتے ہی چٹکی لیتے، ادھر شاہ جی رحمہ اللہ مستری صاحب کو سامنے پا کر لطائف وظرائف کا انبار لگا دیتے۔ سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔

ایک مرتبہ تین چار روز شدید بخار میں مبتلا رہے۔ احباب میں تشویش ہوئی، کوئی صاحب بیمار پرسی کیلئے حاضر ہوئے اور مزاج معلوم کیئے..... شاہ جی مسکرائے فرمانے لگے گاؤں کی مساجد میں اکثر بوڑھے لوگ ہی نماز پڑھا کرتے ہیں۔ نماز فجر کے بعد مسجد میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے احوال بھی پوچھتے ہیں۔ اسی طرح ایک بوڑھے نے دوسرے بوڑھے سے پوچھا سنا بھئی! کیا حال ہے؟ تو دوسرا بوڑھا ایک آہ بھر کر کہنے لگا کیا بتاؤں مدینہ شریف سے "شیخ احمد" کا خط آیا ہے (یہ ایک فرضی وصیت نامہ ہے جو تقریباً گزشتہ پچاس، ساٹھ برس سے شائع ہو رہا ہے) کہ تمام مسلمان اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اب وقت کم رہ گیا ہے قیامت آنے والی ہے۔ نیک اعمال کر لو۔ نیکیاں کما لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت آ جائے اور ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔ ان بوڑھوں میں ایک میراثی بھی گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ کھنکار کر بولا..... بچپن گزر گیا، جوانی آئی وہ بھی گزر گئی، اب بڑھاپے نے آلیا ہے یہی کچھ سنتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ شیخ احمد کون ہے جو پچاس سال سے ایک خط لکھ کر بھیج رہا ہے کیا مدینے شریف سے کبھی کوئی خیر کی خبر بھی آئے گی؟ تو میرے بھائی اب ہمارے ہاں بھی یہی حال ہے۔ بیماریوں نے پورے جسم پر حملہ کر رکھا ہے۔ خیر کی خبر کہاں۔ اب آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے (آمین)

حضرت شاہ جی عمر کے آخری سال بہت زیادہ تکالیف کا شکار رہے۔ آہستہ آہستہ بستر سے اٹھنا بھی موقوف ہوتا گیا.... کوٹلہ تولے خان کا وہ مکان جہاں سے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے اب نو تعمیر شدہ ہے۔ یہ بھی حضرت کی بیماری کے آخری ایام میں تعمیر ہوا۔ صورت اس کی یہ تھی کہ ایک کمرہ گرا لیا جاتا اس کی جگہ نئی دیواریں کھڑی کی جاتیں پھر دوسرا کمرہ پھر تیسرا۔ اس کے بعد ان پر لینٹر ڈال لیا جاتا۔ مستری محمد عبداللہ صاحب اس تعمیر کے نگران تھے۔ ان دنوں حاضر ہوتا تو شاہ جی اندر ہی بلا بھیجتے بسا اوقات توجہ دلا کر فرماتے اس جگہ اماں جی بیٹھ کے روٹیاں پکایا کرتیں۔ اس جگہ اباجی اکثر تشریف فرما ہوتے، بعض مرتبہ فرماتے کہ ہم نے یہاں اکٹھے بیٹھ کے بارہا ناشتہ کیا..... یہ ذکر کرتے جاتے اور ان قدیم آثار کی تخریب پر آبدیدہ ہو جاتے۔ اسی تعمیر کے عرصہ میں حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم ملاقات کیلئے تشریف لائے دوپہر کا وقت تھا۔ شاہ جی اندر کمرہ میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ جونہی خواجہ صاحب کمرہ میں داخل ہوئے شاہ جی باوجود شدید بیماری کے بستر سے نیچے اتر آئے اور سہارا لیکر استقبال کیلئے کھڑے ہو

گئے......وہ منظر بھولنے کا نہیں دو عظیم انسان گلے مل کر ماضی کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ شاہ جی بھی جان گئے تھے وظن آنّہُ الفراق کہ اب عنقریب کوچ ہونے والا ہے۔ ہم نشینوں کی وہ محفلیں اب نصیب میں نہ ہوں گی۔

شاہ جی رحمہ اللہ نے ساری عمر جس عزیمت و استقامت سے گزاری وہ انہی کا حصہ تھا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء یا تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۷۴ء، دہریت، لادینیت، کافرانہ نظام ہائے زندگی ہوں یا اباحیت پسندی کے خلاف محاذ، تحریک مدح صحابہ و تحریک مدح معاویہ ہو یا تحریک تجدید اسماء الصحابہ، خارجیت و رافضیت کے خلاف محاذ ہو یا قادیانیت کا استیصال...... غرض ہر تحریک، میں قائدانہ کردار ادا کیا، بہت سے قومی و دینی معاملات میں تو انہیں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

- اس دھرتی پر سب سے پہلے "یوم معاویہ" سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے منایا
- اپنے بیٹے کا نام "معاویہ" رکھا۔
- سب سے پہلے سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے تحریک تجدید سماء صحابہ برپا کی جس کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں معاویہ، مغیرہ، مروان، وردان، صفوان، اسامہ، ابوبکر، عمر، عثمان، ابان، حذیفہ، خباب خبیب، بریرہ، لبابہ، ماریہ، خولہ، عائشہ اور دیگر صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی پر ہزاروں بچوں بچیوں کے نام ہیں۔
- پاکستان میں پہلی مرتبہ سوشلزم اور جمہوریت کے خلاف پوری شدت کے ساتھ خطبات و بیانات میں گفتگو کی۔ اشتراکیت، ماؤازم، لینن ازم، کے تار و پود کو اس وقت بر سر عام بکھیرا جب ہمارے بہت سے "علماء حق" اشتراکیت اور کمیونزم کو اسلام کے قریب تر اور امام شاہ ولی اللہ اور امام مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہم کے افکار کا ماحصل بتا رہے تھے۔
- شاہ جی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے نام نہاد ترقی پسند شاعروں، ادیبوں، مصنفوں، محققوں کی ہزلیات و خرافات اور جو آئے روز اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اگلتے رہتے تھے، کا جواب انہی کی زبان میں دینے کے لئے صالح اور نیک طینت شاعروں ادیبوں کی ایک مجلس علم و ادب "نادیۃ الادب الاسلامی" قائم کی اور باقاعدہ ایک سہ ماہی جریدہ "مستقبل" کے نام سے جاری کیا۔
- غرض دین اسلام کے خلاف کوئی محاذ ہو، ہر مقام پر شاہ جی نے مجاہدانہ اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو بے دریغ خرچ کیا۔ دین دشمنوں کے خلاف تحریک و مزاحمت کا وہ باب رقم کیا کہ آج کے دور میں صرف سوچا جا سکتا۔ اس کے مقابل دروس و قرآن حکیم کے ذریعے قرآنی علوم و حکم کے دریا بہا دیئے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے بیان و تبیان اور تحفظ عقیدۂ ختم نبوت، تحفظ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شب و روز ایک کر دیئے۔
- مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ جی رحمہ اللہ نے اس وقت اپنے فرائض انجام دیئے جب دوسرے اس راہ میں قدم نہیں رکھتے تھے، اور اس وقت خم ٹھونک کر سامنے آئے جب دوسرے کونوں کھدروں میں

چھپے ہوئے تھے اور اس وقت اپنی زبان کھولی جب ہر سو ان موضوعات پر گفتگو اجنبیت کی علامت تھی۔ تب شاہ جی کی اکیلی آواز تھی، گو بہت دھیمی تھی مگر یہ بازگشت مسلسل سنائی دیتی رہی۔ چنانچہ اس پیہم سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج سینوں کی اکثریت تحفظ مقام و منصب صحابہ کے جذبات سے سرشار ہے۔ آج سیدنا معاویہ سلام اللہ علیہ کا نام گرامی اجنبی نہیں رہا۔ آج اشتراکیت کو اسلام گرداننے والے اپنی موت آپ مر گئے اور جمہوریت مردہ باد کا نعرہ لگانے والے آج لاکھوں کی تعداد میں اس پاکستان میں موجود ہیں۔

شاہ جی رحمہ اللہ کا دائرہ عمل زیادہ تر تحفظ و دفاع مقام صحابہ رہا اس لئے منطقی طور پر فرقہ ضالہ رافضیہ آپ کا کھلا دشمن تھا شاہ جی کے خلاف یہ گروہ کھل کر تو سامنے نہ آسکا البتہ چھپ کر وار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس میں بہت حد تک کامیاب بھی رہا۔ شاہ جی رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری ایام اس بات کے گواہ ہیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں۔ مگر شاہ جی مسلسل اذیت میں مبتلا ہیں۔ اچھی سے اچھی دوا اپنا کوئی اثر نہیں دکھا رہی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ شاہ جی جادو کے مسموم اثرات کا شکار ہو چکے ہیں...... شاہ جی رحمہ اللہ کی صحت یابی کیلئے مختلف عامل بلائے جاتے ہر عامل اپنا کوئی تعویذ، کوئی عمل، کوئی وظیفہ بتلاتا مگر......

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والا معاملہ بنتا گیا...... آخری دنوں میں استغراق و محویت کے عالم میں رہنے لگے۔ باوجود بیماریوں کے شدید حملہ کے چہرہ کی رونق برقرار تھی۔ راقم حاضری دیتا...... ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتا اور شاہ جی کے پرنور چہرہ کو مسلسل دیکھتا رہتا تب بھی جی سیر نہ ہوتا۔ آہستہ آہستہ یہ احساس قوی ہونے لگا کہ اب یہ نورانی چہرے والا شخص، اصحاب رسول اور ازواج رسول علیہم الرضوان کی سیرت و اسوہ کا مناد، نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا عاشق و فداکار کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے...... شاہ جی رحمہ اللہ کو دیکھے دو چار دن گزرتے تو دل ملاقات کیلئے بے قرار ہو جاتا۔ فوراً شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دل کی بے قراری دور کرتا۔

انہی آخری ایام کی بات ہے کہ راقم کا جامعہ خیر المدارس میں دورہ حدیث شریف کا سال چل رہا تھا۔ اب شاہ جی کے پاس حاضری ہفتہ بعد ہی ہو پاتی۔ لیاقت پور سے قاری ظہور الرحیم صاحب ملتان تشریف لائے تو انہوں نے برادر مکرم جناب سید محمد ذوالکفل بخاری کو سورت تکویر کا ورد شاہ جی کے پاس بیٹھ کر کرنے کو کہا۔ محترم ذوالکفل بخاری زید مجدہ کی نظر انتخاب راقم پر ٹھہری ...... عصر کے بعد کا وقت طے ہوا چنانچہ روزانہ ایک ماہ سے زائد تک ذوالکفل شاہ جی موٹر سائیکل پر راقم کو عصر کے بعد شاہ جی کے پاس لیکر جاتے اور مغرب کے قریب واپس چھوڑتے۔ ان کے بڑے بھائی سید محمد کفیل بخاری بھی چند روز مجھے لے کر جاتے رہے۔ ایک انسان کے ذمہ تدبیر ہی تو ہے، اور یہ بھی ایک تدبیر تھی کہ شاید شاہ جی صحت یاب ہو جائیں پہلے پہل جانا شروع ہوا تو شاہ جی ناراض ہوتے کہ تم نے یہ کیا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند دنوں کے بعد ایسا کہنا چھوڑ دیا۔ بلکہ بعض اوقات میں اور سید ذوالکفل بخاری اندر داخل ہوتے اور شاہ جی کے قریب پہنچتے تو مسکرا کر استقبال کرتے اور فرماتے لو! دیکھو مجھے ٹھیک کرنے آگئے ہیں۔ راقم اپنے کام میں مشغول ہو جاتا اور

ذوالکفل بخاری لطائف و ظرائف اور علمی و ادبی نکات بیان کر کے شاہ جی کا دل بہلاتے۔ قاری ظہور الرحیم صاحب نے جانے کیا خیال کر کے سورہ تکویر پڑھنے کو بتلائی مگر راقم جب سورہ تکویر کے معانی و مطالب پر غور کرتا اور شاہ جی کی حالت پر نظر کرتا تو اکثر اندر ہی اندر آنسو گرنے لگتے کہ یہ عظیم انسان آفتاب علم تھا مگر آج روشنی ماند پڑ رہی تھی۔ نجم ہدایت تھا مگر گہنا رہا تھا۔ کوہ استقامت تھا مگر آج محتاج محض ہوا جا رہا تھا۔

وقت تیزی سے جانب منزل سفر کر رہا تھا۔ زندگی کی طنابیں کھنچی جا رہی تھیں۔ فاصلے تیزی سے سمٹ رہے تھے۔ ہر گھڑی، ہر لمحہ کھٹکا سا لگا رہتا۔ شاہ جی کا استغراق بڑھتا جا رہا تھا۔ بسا اوقات مسلسل ایک جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتے تکبیر و تہلیل، اور استغفار اکثر زبان پر رہتے۔ کھانا بہت کم ہوتا گیا اور آہستہ آہستہ زبان بھی بالکل ساتھ چھوڑ گئی۔ بڑی مشکل سے اپنا مدعا بیان کر پاتے...... انہی دنوں کا یہ عجیب واقعہ ہے کہ ملتان میں لاسال ہائی سکول میں کوئز پروگرام منعقد ہوا اس میں ایک سوال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری صحابی کون ہیں؟ سوال اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل تھا اور خود سوال کرنے والوں کو اس کا جواب معلوم نہ تھا چنانچہ فکر پیدا ہوئی کہ اس کا جواب کہاں سے معلوم کیا جائے، ادھر اُدھر بعض دینی مدارس سے معلوم کر کیا گیا۔ مگر جواب ندارد بالآخر کسی نے کہا ملتان میں اس کا جواب صرف سید ابو معاویہ بخاری ہی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ برادرِ محترم سید محمد کفیل بخاری زید مجدہ راوی ہیں کہ میں یہ سوال معلوم کرنے شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا تب شاہ جی کی بیماری کا یہ عالم تھا کہ بات بڑی مشکل سے کر پاتے۔ گفتگو میں نہایت دقت ہوتی، سننے والا غور سے کان لگا کر سنتا تو کچھ سمجھ میں آتا...... سید کفیل بخاری صاحب نے سوال کیا...... پہلے تو اشارہ سے کہا مجھے کچھ یاد نہیں۔ بعد میں دوسری باتیں شروع ہو گئیں قریب بیٹھے احباب اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے اچانک شاہ جی نے اشارہ سے جناب کفیل بخاری صاحب کو قریب کیا...... زبان میں ہکلاہٹ تھی قوت گویائی پوری طرح ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ رک رک کر جواب ارشاد فرمانے لگے، فرمایا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری صحابی یمن سے آنے والے دو نوجوان تھے۔ پھر ان کا نام و نسب، قبیلہ، خاندان، سب کچھ بتایا تھوڑی دیر میں شاہ جی سخت اضمحلال اور کمزوری کی وجہ سے خاموش ہو گئے ذرا دیر کے بعد پھر لڑکھڑاتی زبان میں کہا "میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس پر تقریر کروں" ساتھ ہی رونے لگے...... سیرت و تاریخ کے امام اور اسوۂ رسول و اصحاب رسول کے اس پیکر کے دماغ میں اتنی دیر میں باوجود شدید بیماری و نسیان کے ان دو صحابہ کے متعلق اتنا استحضار ہو چکا تھا کہ فرمانے لگے "میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس پر تقریر کروں" اللہ اللہ شاہ جی صحابہ کی محبت میں فنائیت کے کس درجہ پر فائز تھے۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انہی دنوں کی بات ہے، راقم اپنے ورد میں مصروف تھا۔ برادر محترم سید ذوالکفل بخاری مجھے شاہ جی کے پاس چھوڑ کر باہر کسی کام کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ آپ کے دیرینہ اور قدیم خادم جناب ابو ہندہ مستری محمد عبداللہ صاحب جو شاہ جی کی مزاج پرسی کیلئے آئے تھے واپس جانے لگے تو اجازت طلب کی اور مصافحہ کیا ابھی چند قدم ہی واپسی کیلئے چلے ہوں گے...... جانے دل میں کیا سمائی، پھر واپس پلٹے اور اپنا چہرہ

شاہ جی کے قدموں میں رکھ دیا اور زار و قطار رونے لگ گئے مستری عبداللہ صاحب کا شاہ جی سے تعلق تب سے تھا جب سب سے پہلے ملتان میں مجلس احرار اسلام کی طرف سے شاہ جی نے "اجتماع معاویہ" منعقد کیا مستری عبداللہ صاحب کو اس بات کی اوّلیت اور شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اس دھرتی پر سب سے پہلی "مسجد معاویہ" کی بنیاد رکھی...... اسی مسجد میں حضرت شاہ جی برس ہا برس خطبہ و خطابِ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ اس طرح مستری عبداللہ صاحب اور شاہ جی رحمہ اللہ کا برسوں پر محیط محبت کا علاقہ رہا...... میں عرض کر رہا تھا کہ مستری عبداللہ صاحب اپنا چہرہ شاہ جی کے قدموں میں رکھے زار زار رو رہے تھے...... شاہ جی کی اپنی حالت یہ تھی کہ اشاروں کنایوں میں بات کر پاتے۔ برعظیم کے خطیب اعظم کا فرزند، مسلسل آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے علم و عمل کی لو جلانے والا اپنے والد گرامی کی طرح بستر علالت پر ساکت و جامد، تصویر حیرت بنے اپنی حیات مستعار کے تیزی سے گزرتے دن گن گن کر گزار رہا تھا...... ان میں اتنی سکت نہیں کہ وہ اٹھ کر مستری عبداللہ صاحب کو اس عمل سے منع کر سکیں بڑی مشکل سے شاہ جی نے اشارہ کر کے جناب ابو ہندہ کو اپنے قریب بلایا اور بڑے پیار اور محبت سے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر مستری صاحب کے چہرے کو چند لمحوں کیلئے تھاما، پھر انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ اب عالم یہ تھا کہ مستری صاحب مسلسل بچوں کی طرح بلک کر رو رہے ہیں اور دوسری طرف شاہ جی رو رہے ہیں...... جانے اس وقت کیسے کیسے واقعات و حوادث ان کی نظروں سے گزر رہے ہوں گے۔ برسوں کی محبت و رفاقت، انس اور لگن، دفاع صحابہ کے سلسلہ میں مشقت و جانکاہی سب ایک ایک کر کے دونوں کے سامنے گزر رہے تھے۔ ابو ہندہ کہہ رہے تھے...... شاہ جی!...... شاہ جی! مجھ سے بہت سی کوتاہیاں ہو گئی ہوں گی۔ اللہ کیلئے مجھے معاف فرما دیں...... واللہ مجھے تو مسلمان ہی آپ نے کیا، شاہ جی!...... آپ نہ ہوتے تو جانے میں کیا ہوتا؟...... شاہ جی نے انہیں سینے سے لگا کر تسلی دی، حوصلہ بڑھایا اور اشاروں میں ہی بتایا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت سے ٹل نہیں سکتی، جب یہ زندگی پوری ہو جائے تو کس کی مجال کہ وہ یہاں ٹھہر سکے؟

۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی شام حلقۂ احرار کیلئے قیامت سے کم نہ تھی۔ وہ لمحات اور ساعات کبھی دماغ سے محو نہ ہوں گے۔ جب آخری تدبیر کے طور پر شاہ جی کو ملتان کے معروف سیال کلینک لیجایا گیا۔ وقت موعود آ چکا تھا۔ سیال کلینک کے ایک کمرہ میں وقت کا عظیم مفکر و مدبر، تحفظ ناموسِ صحابہ کا عظیم سپاہی، امام الاحرار سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اپنے رب کے حضور پہنچنے کے لئے بڑی بے تابی کے ساتھ جان، جانِ آفریں کے سپرد کر رہا تھا۔ علالت کے آخری ایک دو ماہ چہرے پر وہ رعنائی نہ رہی تھی۔ مگر تب میں نے دیکھا کہ چہرے کی رونق بڑھتی جا رہی ہے۔ شاہ جی کے چاروں طرف عزیز و اقربا کا جمگھٹا تھا۔ شاہ جی کے بہنوئی سید محمد وکیل شاہ صاحب بخاری، بیٹے سید محمد معاویہ بخاری، دونوں بھانجے سید محمد کفیل بخاری، سید ذوالکفل بخاری اور شاہ جی کے دیگر قریبی جاننے والے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے تھے اسی دوران شاہ جی کے بھائی محترم سید عطاء المؤمن بخاری بھی پہنچ گئے۔ اور صورت حال سمجھ گئے۔ ہلکی آواز میں سورہ یٰسین اور کلمۂ طیبہ کا ورد جاری تھا۔ سب کی آنکھیں پرنم تھیں ہر شخص جدائی کے ان لمحات میں شدید کرب میں مبتلا تھا۔ مگر شاہ جی رحمہ اللہ

کے چہرہ پر سکون واطمینان کی لہر رقم تھی ...... انہوں نے آخری تین سانسوں میں تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہا۔ رات قریباً دس اور گیارہ بجے کے درمیانی وقت میں اسلام کے اس عظیم فرزند اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے محافظ وسپاہی نے اس فانی دنیا سے آنکھیں موند لیں۔ اور روح پُر فتوحَ یاایھاالنفس المطمئنۃُ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ کی نداء حق پر لبیک کہتے ہوئے قفس عنصری سے نکل کر عالم جاوداں کو پہنچ گئی...... اگلے روز سپورٹس گراؤنڈ میں ہزاروں انسانوں کے ایک جم غفیر نے شاہ جی کی نماز جنازہ ادا کی۔ شام عصر کے بعد شاہ جی کو ان کے والد ماجد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور والدہ ماجدہ کے درمیان کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا......

اس سے قبل ایسے ہی ایک موقع پر جلال باقری قبرستان میں آنا ہوا تھا جب حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا۔ انہیں بھی اسی چار دیواری میں تہہ خاک رکھا گیا تھا۔ وہ بھی رابعہَ وقت تھیں۔ احرار کا ہر رضا کار انہیں اماں جی کہہ کے یاد کرتا...... تب اماں جی کے احترام میں ہر سوگوار شخص خاموشی سے تدفین کے عمل میں شریک تھا۔ آہ وبکا کا شور نہ تھا...... حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی تدفین کے دوران ان کے چاہنے والوں کی سسکیوں کا وہ منظر دیکھنے میں آیا کہ بھولنے کا نہیں۔ ہر شخص کی کوشش تھی کہ وہ ایک نظر شاہ جی کو دیکھ لے۔ اس صورت حال سے تدفین کے عمل میں رکاوٹ ہونے لگی۔ بالآخر محترم سید محمد کفیل بخاری نے بڑی مشکل سے ان کو خاموش کرایا اور تدفین عمل میں آئی۔ ہر متنفس شاہ جی رحمہ اللہ کی قربانیوں کو یاد کر کے بلندیٔ درجات کی دعا کر رہا تھا۔ ان لمحات میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور لوگ آنسوؤں کی جھڑیاں لئے دیوانوں کی طرح مرقد پر مٹی ڈال رہے تھے اور دعا کر رہے تھے...... اللھم اغفرلہ ورحمہ عافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج وابرد ونقہ من الخطایا کمانقیت الثوب الا بیض من الدنس

شیزان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

یاد رکھیئے! ہم مسلمان ہیں اور مرزائی کافر مرتد!

ہم اگر ان کی مصنوعات استعمال کریں گے تو وہ ہمارے سرمائے سے ہمارے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے آسانیاں پائیں گے،

فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ بائیکاٹ یا------؟

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

"لٹ گیا دین خانقاہوں میں"

حسن رسوا ہے شاہراہوں میں
عشق برباد ہے گناہوں میں

دل ہو مسرور جب گناہوں میں
کیا اثر ہوگا اس کی آہوں میں

کب سے کافورِ فطرت انسان
مسخ و پامال ہے سیاہوں میں

بھائیوں کی دراز دستی سے
کتنے یوسف پڑے ہیں چاہوں میں

کتنے عیسیٰ گئے ہیں سولی تک
اپنے نادان خیر خواہوں میں

مسند علم ہوگئی ویراں
لُٹ گیا دین خانقاہوں میں

جس کا تذکار بھی عبادت ہے
ہے وہ محبوب میری باہوں میں

جب سے دیکھا ہے حسنِ سادہ ترا
ہر حسیں ہیچ ہے نگاہوں میں

تیری یاد اور آنسوؤں کی جھڑی
تارے گرتے ہیں تیری راہوں میں

یہ سنا تھا کہ دل ہے تخت ترا
تو انوکھا ہے پادشاہوں میں

رازؔ موتی ہیں تو سمندر ہے
کون پہنچے گا تیری تھاہوں میں؟

✤

احمد معاویہ

اسلاف کے مزاحمتی کردار کے امین

اپنے دین و مذہب تہذیب و تمدن، افکار و خیالات، اور معاشرتی روایات کے تحفظ و بقا کیلئے ہر قوم اور گروہ پوری کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔ اگر ضمیر مردہ نہ ہو گیا ہو، غیرت و خودداری کو دفن نہ کر دیا گیا ہو، اگر شجاعت و تہور کی جگہ سستی اور بزدلی نے نہ لے لی ہو تو قومیں اپنے دینی و مذہبی مسلمات اور اسلاف کی روایات کے تحفظ کیلئے ہر جبر سے ٹکرا جاتی ہیں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کی حفاظت کرتی ہیں.... اس عمل یا رد عمل کو مزاحمت کا نام دیا جاتا ہے۔

احرار کا ماضی و حال اس بات پر شاہد عدل ہے کہ اس نے ہر جبر کے خلاف مزاحمت کا علم بلند رکھا۔ یہ جبر چاہے انگریزی استعمار کی شکل میں ہو، انگریز کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کی شکل میں ہو، یا کشمیر میں ڈوگرہ راج کی شکل میں، طاغوت کے نظام ہائے باطلہ کمیونزم، سوشلزم اور جمہوریت کی شکل میں ہو یا ان نظام ہائے باطلہ کے خلاف علم بلند رکھتے ہوئے اپنوں کی مخالفت و عداوت کی شکل میں یا روافض کی طرف سے تاریخ اسلام میں لگائے گئے ڈائنا مائٹ کی صفائی کی بات ہو..... احرار نے اپنے دینی و ملی فریضہ کو نبھاتے ہوئے ہمیشہ سر دھڑ کی بازی لگا کر قوم کی صحیح راہنمائی کی۔ تحریک کشمیر، تحریک تحفظ ختم نبوت، اور انگریز کے خلاف، حصول آزادی کیلئے احرار کی قربانیاں اس کی زندہ و جاوید مثالیں ہیں۔

احرار کے جن اکابر نے پوری جوانمردی و ثابت قدمی کے ساتھ اس مزاحمتی کردار کو نبھایا ان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، مولانا گل شیر شہید، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا قاضی احسان احمد شجاعبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا غلام غوث ہزاروی، جانباز مرزا، سائیں محمد حیات پسروری، علامہ انور صابری دیوبندی اور شورش کاشمیری کے علاوہ ایک اور نام احرار کی تاریخ میں پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا ہے اور وہ نام ہے سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا، جو ان اکابر کے ہم عصر تو نہ تھے مگر ان کی جملہ روایات کے امین تھے۔ سید ابوذر بخاریؒ کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے دو برس ہو چکے مگر

ابھی سینوں میں لہراتے ہیں تیری یاد کے پرچم
ابھی تک ثبت ہیں مہریں دلوں پر بادشاہت کی!

کا معاملہ ہے ان کی قومی و دینی خدمات، تحفظ ختم نبوت، تحفظ ناموس اسلام، تحفظ ناموس ازواج و اصحاب رسول سلام اللہ علیہم کے سلسلہ میں ان کی قربانی و جاں فشانی نے اکابر احرار کے مزاحمتی کردار کو ساری عمر تازہ کئے رکھا۔

سید ابوذر بخاریؒ کی قیادت نے جس عہد ستم میں آنکھ کھولی، وہ عہد فتنۂ قادیان، فتنۂ رفض اور روس و امریکہ کے اشتراکی و جمہوری خبائث سے معمور تھا۔ نام نہاد ترقی پسندوں، دین و مذہب کے خلاف بکواس لکھنے والے ادیبوں، شاعروں اور اہل صحافت کا دور دورہ تھا.... طرفہ تماشا یہ کہ وارثان منبر و محراب اور جلوہ نشینانِ

مسندِ ارشاد بھی ان ابالسۂ ارض کے قدم بقدم اور شانہ بشانہ چل کر اپنے تئیں دین اسلام کی "حفاظت" کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔

اس ماحول میں امیر شریعت کے اس فرزند دلبند نے تحریر و تقریر اور شعر و ادب کے ذریعے ان دشمنان دین کے خلاف بھر پور مزاحمت کی، ان کی فکری کجی اور علمی گمراہی کو ہر سٹیج پر عریاں کیا۔ وہ ماحول میں پھیلے ہوئے گمراہی کے علمبرداروں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

ایک مجہول ثقافت کے علمبردارو!
ایک لاریب صداقت کا گناہ گار ہوں میں
ایک گمراہ تفکر کے پرستار ہو تم
ایک پائندہ ہدایت کا خریدار ہوں میں
تم ہو سفاک امارت کے لٹیرے قاصد
ایک تفویض امانت کا نگہدار ہوں میں
ایک پوشیدہ خباثت کے فسوں کار ہو تم
ایک معروف دیانت کا پرستار ہوں میں

انہوں نے مذہب بیزار عناصر کا منہ توڑ جواب دینے کیلئے "نادیۃ الادب الاسلامی" کے نام سے علمی و فکری اور ادبی مجلس بھی قائم کی اور سہ ماہی "مستقبل" جاری کیا۔ یہ رسالہ اپنے علمی و فکری مضامین کی وجہ سے جلد ہی مقبول خواص و عام ہوا...... ابھی یہ جریدہ اپنے عروج کی منزل کو نہ پہنچ پایا تھا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا ہنگامہ خیز دور شروع ہو گیا۔ احرار ہی اس تحریک کے بانی و محرک تھے۔ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت میں احرار کے مہیا کردہ پلیٹ فارم سے ملک کی تمام دینی جماعتوں نے حصہ لیا۔ تحریک کی ابتدا ہوئی تو ریاستی جبر و قہر ایک آفت ناگہانی بن کر مجاہدین ختم نبوت پر ٹوٹ پڑا۔ حکومت میں چھپے ہوئے قادیانی غنڈوں کی سازشوں کی وجہ سے تحفظ ختم نبوت کا جائز و اصولی مطالبہ کرنے والے ہزاروں نہتے کارکنوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ سینکڑوں کی لاشوں کو غائب کر دیا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب موت دندناتی پھر رہی تھی اور تحفظ ختم نبوت کا مطالبہ کرنے والے کارکنوں کو بندوق کی گولیاں تلاش کر رہی تھیں۔ اس تحریک کی قیادت امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کر رہے تھے۔ حضرت ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے والد گرامی کے قدم بقدم اس تحریک میں شامل تھے۔ ان پر بھی کئی ایک مقدمات قائم ہوئے اور گرفتاری کے آرڈر جاری ہوئے۔ چونکہ مرکزی قیادت جیلوں میں پہنچ چکی تھی۔ اس لئے سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو قائدین کے حکم پر روپوش ہونا پڑا۔ پولیس نے ان کی عدم موجودگی میں گھر پر چھاپہ مارا۔ نہ ملنے کی صورت میں حرم امیر شریعت کو وہ مغلظات سنائی گئیں کہ شرم و حیا سر پیٹ کے رہ گئی اور انسانیت چیخ اٹھی۔ روپوشی

کے ان صبر آزما اور حوصلہ شکن ایام میں جبکہ تحریک کی لَو حکومتی مظالم کی وجہ سے مدھم پڑ چکی تھی سید ابوذر بخاری کے احساس فکر و خیال کے آئینہ سے منعکس ہو کر اشعار کی صورت میں ڈھلتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں۔

بہا خونِ مسلماں جب نبوت کے تحفظ پر — تو میں سمجھا کہ پھر سے فتنہ ترک و تتار آیا
بڑھے مقتل کی جانب سر ہتھیلی پہ لئے عاشق — یہ دیوانوں کی عید آئی کہ وقت گیر و دار آیا
ملا ہے یہ ثمر فصل بہاراں کی تمنا پر — کہ پھولوں کے لہو سے خشک کانٹوں پہ نکھار آیا
یہاں اظہار حق ہے جرم غداری کے ہم معنی — محمد کے غلاموں کو یہاں پیغام دار آیا
فرنگی کی شریعت کا یہاں اقرار لازم ہے — محمد کی نبوت کا بدل، یہ مستعار آیا

مگر سید ابوذر بخاری ان خونی حالات کی وجہ سے اپنی قوم سے نا امید نہیں ہوتے۔ وہ پوری جرأت و بسالت کیساتھ اپنے پیغام حق کا صور پھونکتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ ایک دن آئے گا کہ جبر کو گھٹنوں کے بل جھکنا پڑے گا، چنانچہ وہ ملت اسلامیہ کو پیغام دیتے ہیں۔

وہ شب ڈھلکنے لگی ہے سحر ہمکنے لگی ہے — خزاں دبکنے لگی ہے، گلوں کا دل نہ دکھاؤ
ہوا سنکنے لگی ہے کلی چٹکنے لگی ہے — فضا مہکنے لگی ہے چمن کو نہ بھول جاؤ
یہ قادیانی لٹیرا، فرنگی گھاگ سپیرا — نفاق جس کا پھریرا ہے، ربوہ جس کا پڑاؤ
اٹھا دو اس کا یہ ڈیرا، یہ ارتداد بسیرا — لگا کے ایک پھیرا، اسے بھی کلمہ پڑھا دو

سیدنا معاویہ سلام اللہ و رضوانہ علیہ حضور نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی مبین ہیں۔ ان کی ذات گرامی کو ایرانی سازش، یہود و مجوس کی ملی بھگت سے تاریخ کے گرد و غبار کی آلودگیوں میں چھپا دیا گیا۔ ہر کوئی روافض کے مسلسل اور طویل پراپیگنڈے کے بعد یہی باور کرنے لگا کہ معاذ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سلطان جائر، خائن، اقربا پرور، اور نجانے کیا کچھ تھے۔ علماء بھی مجوسیت کے اس مزموم و مسموم پراپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے بھی روافض کی غلاظت بھری مکذوبہ روایات کو آنکھوں پہ پٹی باندھ کر تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ "معاویہ" کو معاذ اللہ گالی کا نشان بنا دیا گیا۔ رافضیت نے مسلمانوں کے مسلمہ دینی عقائد کو ڈائنامائٹ کر دیا..... ایسے ماحول میں سید ابوذر بخاریؒ نے تاریخ کے گرد و غبار اور جھاڑ جھنکار کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے صاف کیا۔ صحابہ کرام کی ذات کو قرآن و حدیث اور تاریخ کی صحیح و مستند روایات کی روشنی میں اجلی اور دمکتی شخصیات کے طور پر پیش کیا۔ سید ابوذر بخاریؒ نے مدح صحابہ کو عام کرنے کیلئے ۱۹۶۱ء میں سب سے پہلا یوم معاویہ منایا۔ یہ کوئی چھوٹا "جرم" نہ تھا۔ رفض کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہو گیا۔ ان کے کفر و ضلال کی عمارت دھڑام سے نیچے آ گری، چنانچہ سید ابوذر بخاری کو صلہ میں کیا ملا خود انہی کی زبانی سنئے......

" دعویٰ کروں تو غلط نہیں ہے کہ ملک میں یہ آگ میں نے ہی لگائی ہے۔ اس ملک میں سب سے پہلی مرتبہ، ۱۹۶۱ء کے ستمبر میں، سب سے پہلا وہ شخص میں ہوں جس نے "یوم معاویہ" منانے کی داغ بیل ڈالی، ملتان میں! پابندیاں قبول کیں، جیل جانا قبول کیا، لاکھوں گالیاں کھائیں، ساتھیوں کو پٹوایا، گھروں پہ گالیوں کی بارش ہوئی، آگ لگائی گئی، دس بارا چوریاں ہوئیں، قاتلانہ حملے ہوئے بائیکاٹ ہوا"

مگر اس مرد حق آگاہ نے اپنی آواز میں لرزش و کمزوری نہیں آنے دی بلکہ پوری قوت کیساتھ ابن سبا کی نسل بد کو للکارا، عجمی سازش کے تارو پود کو بکھیر کے رکھ دیا۔ اس راہ میں انہوں نے کوئی سی مفاہمت اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بر سر میدان اعلان کہا کہ

بندش زبان پر ہو کہ پہرے قلم پہ ہوں
یوں جوش انتقام بجھایا نہ جائیگا

نور نگاہ سیدہ بندہ کا مرتبہ
کوئی بھی ہو کسی سے گھٹایا نہ جائیگا

واجب ہوا ہے ہم پہ دفاع معاویہ
دامن معاویہ کا چھڑایا نہ جائیگا

ابن سباء کی نسل بھی سن لے یہ واشگاف
نام معاویہ کو مٹایا نہ جائیگا

کٹتا ہے سر، تو کٹ گرے لیکن سبائیو!
پرچم معاویہ کا گرایا نہ جائیگا

سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے ابن سبا کی نسل کے خلاف اپنی جدوجہد کے سلسلہ میں تحریک تجدید اسماء الصحابہ کو جاری کیا۔ سب سے پہلے اپنے حلقہ میں صحابہ کے ناموں کی ترویج دی۔ پھر اس عمل کو بتدریج آگے بڑھایا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ قریہ قریہ گلی گلی معاویہ، مغیرہ، عثمان، مروان اور دیگر صحابہ کے نام گونج رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ کہ اس تمام تحریکی عمل کے باوجود کہیں کوئی فرقہ وارانہ تشدد کا واقعہ نہیں ہوا۔ کوئی قتل نہیں ہوا۔ سید ابوذر بخاریؒ نے جذبات کی رو میں بہہ کر بات نہیں کی بلکہ قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ کی روشنی میں دلائل و براہین کا انبار لگایا۔ لوگوں کے قلوب و اذہان کو حق کی طرف موڑا، انہیں تحفظ ناموس صحابہ کا فکر و شعور بخشا۔ رافضیت، خارجیت اور خمینیت کے خلاف علمی جنگ لڑی، اور ساری عمر اسی راہِ عزیمت پر عمل پیرا رہے۔ حق بیان کرتے ہوئے کسی بڑے سے بڑے جبے قبے اور طرّے کو خاطر میں نہیں لائے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک تقریر میں فرمایا تھا!

(پنجابی میں) ساڈی اک رسم ہے، ساڈا اک کردار ہے۔ حق سننا، حق منا، تے حق آکھدیاں آکھدیاں مر جانا، بھانویں کجھ ہو جاوے"

حضرت ابوذر بخاری، ابا کے اسی قول کو نبھاتے ہوئے ساری زندگی بتا گئے۔

جانشین امیر شریعت کو صرف باطل قوتوں کے خلاف مزاحمت نہیں کرنا پڑی بلکہ اپنوں کے تیر و نشتر سے لگنے والے زخم بھی سہنا پڑے۔ جب حضرت سید ابوذر بخاریؒ نے وارثان محراب و منبر کو ان کی عملی اور فکری کجی پر ٹوکا، ان کی سیاسی قلا بازیوں، اور سراسر کفریہ و شرکیہ جمہوری نظامِ ریاست کیلئے جنگ

لڑنے پر انہیں ان کا اصل مقام و منصب یاد دلایا، تو طبقہ علماء ان سے نالاں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ علماء کی جناب میں اس گستاخی پر سید ابوذر بخاریؒ کو یہ سزا بھگتنا پڑی کہ جُبّہ و دستار کے حاملین نے اپنے مدارس میں (جنہیں وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں سمجھتے ہیں)، داخلہ بند کیا۔ شاہ جی کو اس طبقہ نے کبھی خارجی کا لقب عطا کیا تو کبھی یزیدی ہونے کا الزام دھرا۔ شاہ جی کی صاف گوئی اور بے باکی کو ہٹ دھرمی اور ضد پر محمول کیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی پر یہ لوگ ڈٹے ہوئے ہیں۔ پے در پے دینی جماعتوں کی شکست وریخت، طبقہ واریت، ذاتی انا اور خواہش کی جنگ، عہدوں کی لڑائی، اور دین دشمنوں، ملحدوں، فحاشی و عریانی کے علمبرداروں کے پہلو بہ پہلو اور قدم بقدم چلنے پر طبقہ علماء کے ایک گروہ کے تحفہ میں "میڈیم طاہرہ" آئی تو دوسرے طبقہ کے حصہ میں "مسرت شاہین"! یہ ذلت و رسوائی اور شکست و ہزیمت کی انتہا تھی۔ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے بہت پہلے علماء کو متنبہ کیا تھا اور کہا تھا.......

"بعض علماء اور فریب خوردہ رہنما، دین اور قوم کا نام لے کر برسر کار ہونے والی جماعتیں، برسوں تک ہمارے ساتھ اس بحث و مناظرہ میں مصروف رہیں کہ آپ پہلے جمہوریت بحال کرالیں پھر اسلام آجائیگا۔ میں نے پہلے مسلسل دو سال کہا، آج بھی کہتا ہوں کہ اسلام کو جمہوریت کی چادر میں لپیٹ کر لانے والو! دس سال تک جمہوریت کے نام پر اسلام کو رسوا کیا، اسلام نہیں آیا۔ پھر دس سال تک جمہوریت کو امارت و ڈکٹیٹر شپ کے دامن میں پالنے والوں نے ڈکٹیٹری کا کاروبار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدارت بھی گئی جمہوریت بھی گئی، اسلام پھر یتیم کا یتیم تھا۔"

"بد نصیب ہیں وہ علماء، بد نصیب ہیں وہ دینی جماعتیں اور وہ سیاسی لیڈر جو جمہوریت کا نام لے کر پرچم اٹھاتے پھرے، قیادت کا راگ الاپتے رہے۔ لیکن مسلمانوں کی قدر مشترک، مسلمانوں کی اجتماعیت کے نشان اور مرکزیت کی علامت "ختم نبوت" کیلئے ان کو اکٹھے ہونا یاد نہ آیا۔ آج سن لو جب تک اسلام کو اسلام کے نام سے نہیں لایا جائیگا، قیامت تک اسلام نہیں آئیگا۔ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں، کوئی کافرانہ جمہوریت کوئی امریکی صدارت، کسی ماؤ، لینن اور سٹالن کا کفریہ نظام، سوشلزم اور کمیونزم اسلام کو نہیں لاسکتا۔ اسلام اپنے نام سے آئے گا اور کفر اپنے نام سے آتا ہے۔ جب تک مداریوں کی ان پٹاریوں کو کھول کر عوام کے سامنے عریاں نہیں کر دیا جائیگا۔ جب تک آپ کی قوت فکر و عمل ایک نہیں ہو گی، آپ لکھ لیں، آپ کی مساجد باقی نہیں چھوڑی جائیں گی، مدارس چھین لئے جائیں گے۔ دینی اداروں کو ختم کر دیا جائیگا۔ بخارا اور تاشقند کی یاد تازہ کرنے کا ناپاک پروگرام آؤٹ ہو چکا ہے"۔ ("برق و باراں" خطاب چنیوٹ مارچ ۱۹۷۳ء)

یہی وہ جرم تھا جس کی بنا پر جانشین امیر شریعت کے خلاف عباداللہ نانیر اور عباد الدراھم نے مکروہ پراپیگنڈہ کیا.... اس دنیا میں رہتے ہوئے کسی شریف اور نیک طینت انسان کیلئے ماں ایک مقدس رشتہ کی حامل متاعِ حیات قرار دی جاسکتی ہے اور جب اس ماں کے روپ میں رابعۂ وقت، اہلیۂ امیر شریعت رحمہ اللہ ہوں تو سبحان اللہ! مگر ان شرعی لفنگوں، گدی نشینوں اور سراپا جہد و عمل اکابرین دیو بند کے نام پر لقمے توڑنے والوں نے کہا..... "امیر شریعت" کی اہلیہ کو مولانا مودودی ماہانہ پہنچاتے ہیں۔ ان کے اپنے بیٹے سخت

نافرمان ہیں، وہ اپنی ماں کو کچھ نہیں جانتے، نہ ڈھنگ سے خرچ دیتے ہیں" یہ کسی شریف النفس انسان کے خلاف نفرت و حقارت کی انتہا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سید ابوذر بخاریؒ اس قسم کے نفرت انگیز پراپیگنڈے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں..... "قریباً ۱۸ برس سے بخاری اور اس کی جماعت کے متعلق انتہائی نفرت اور تحقیر آمیز جذبات مسلسل ابلتے چلے آرہے ہیں اور آتش حسد و انتقام کی حدت و شرر باری مسلسل پھیلتی اور بہت سے بے خبر لوگوں کے دل و دماغ کو مسموم بناتی چلی جارہی ہے" (صدائے حق صفحہ ۱۷)

کفر یہ عقائد افکار کے خلاف مزاحمت کرنے کے جرم میں سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کو یہ صلہ ملا کہ ان کی ..... انکی نہیں ہم سب کی..... سراپا عظمت و احترام، "ماں" کو بھی نہ بخشا گیا۔ کیا کہ عزیمت کے اس مقام پر کھڑا ہونے کا سوچا بھی جاسکتا ہے جس مقام پر قائد احرار سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ تھے..... سید ابوذر بخاری نے مبنی برحق نظریات نہیں بیچے، اسلاف کا نام لے کر چندے نہیں کھائے، نہ اپنے عظیم المرتبت باپ کے کفن کو تار تار کر کے روٹیاں توڑیں۔ جس بات کو حق جانا برسرعام بیان لیا۔ گو اس راہ میں انہیں شدید مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے بیگانے بن گئے، قدم قدم پہ مشکلات کے پہاڑ کھڑے کئے گئے۔

اپریل ۱۹۸۰ء میں خانپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے دیو بندی مسلک کی تمام تنظیموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے انہیں اتحاد و اتفاق اور باہمی تعاون کے ساتھ چلنے پر آمادہ کرنے کیلئے ایک اہم اجتماع منعقد کیا۔ مجلس احرار اسلام کو بھی دعوت دی گئی۔ چنانچہ السید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ بھی اس اجتماع میں شریک ہوئے..... اس اجتماع میں ملک بھر کے علماء و مشائخ، مقررین، واعظین اور دینی تنظیمات کے امراء و نظماء پہنچے ہوئے تھے، شاہ جی رحمہ اللہ کے ہمراہ قائد محترم سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ بھی مدرسہ مخزن العلوم خان پور میں تشریف رکھتے تھے۔ پراپیگنڈا یہ کیا گیا اور حضرت درخواستی کو یہ بتایا گیا کہ "شاہؒ" کے دونوں بیٹے ہمارا جلسہ خراب کرنے کیلئے پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ بات جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تک بھی پہنچ گئی۔ چنانچہ لازم ہو گیا کہ عوام الناس کو علماء کی موجودگی میں اپنے اصل اختلاف کی وجوہ بتائی جائیں اور اس مسموم پراپیگنڈے کا تسلی بخش جواب دیا جائے۔

سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے اس موقع پر کہا.....!

"سوال یہ ہے کہ عدم ارتباط کی وجہ کیا تھی اور کیا ہے؟ جب تک اسباب شکستگی معلوم نہ ہوں، وحدت و ارتباط دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میں دیو بند میں نہیں پڑھا، میرا باپ دیو بند میں نہیں پڑھا لیکن یہ بات کہہ دوں کہ اکابر دیو بند کے نام پر روٹیاں جھوٹے عاشقوں نے کھائی ہیں، جوتیاں ہم نے کھائی ہیں۔ میں روٹی کھانے والے عاشقوں میں سے نہیں ہوں۔ کراچی سے چترال تک میں کبھی "امیر شریعت" اور "اکابر دیو بند" کے نام پر ایک پیسے، ایک ٹیڈی کے کروڑویں حصے کی بھیک مانگوں تو مجھ پر خدا کی لعنت! میں ان کے مشن کا پکارنے والا ہوں، میں ان کی دعوت کا سپاہی ہوں، میں ان کی جدوجہد کا حامی ہوں، ان کے نام پر ٹکڑے بٹورنے والا نہیں..... جب "اپنا" سمجھ کر بلایا ہے تو پھر اپنوں کی سنو اور زبانوں کو بدلو، رخ بدلو اپنے فکر و عمل کا، درس دیتے ہو لا تتخذ و اعدوی وعدوکم اولیاء درس حدیث پڑھتے ہو اتقوا فراسة

المومن تو وہ فراست کہاں گئی؟..... بھٹو دور حکومت میں صوبہ سرحد کے گورنر ارباب سکندر خان خلیل، جس کو آغا شورش نے بڑے اعتماد اور جوش و خروش کے ساتھ صوبہ سرحد کے "متقی گورنر" کا خطاب دیا تھا اس سب سے متقی گورنر نے راولپنڈی میں (قومی) اتحاد کی وزارت کے بعد جب بیان دیا کہ "ہم نہیں جانتے حدیث کو، وہ مشکوک چیز ہے، ہم قرآن کا احترام کرتے ہیں، زیادہ باتیں مت بناؤ۔ ہم تمہارے اسلامی نظام کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں"...... مجھے کوئی بتائے، کوئی میرا دیو بندی بزرگ اور نوجوان، کسی نے جواب دیا؟...... ایک عورت جس کی معیت میں ہمارے دوستوں بزرگوں نے جلوس نکالے تھے، یاد ہے اس کی گفتگو؟ اس نے کہا تھا زیادہ باتیں نہ بناؤ، ورنہ میں سارے راز کھول دوں گی۔ جواب دینا فرض تھا، بزرگوں کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے صرف یہ کہہ کر گزارا نہیں ہو سکتا کہ میں نسیم عبدالولی خاں کو بیٹی برابر سمجھتا ہوں اس لئے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ سات سلام اس جواب پر۔ ۴۸ء کے اواخر یا ۴۹ء کے اوائل میں احمد حلوہ مرچنٹ کی دکان کے افتتاح کے موقع جب ایک ہی اسٹیج پر سر ظفر اللہ بھی بیٹھا تھا اور علامہ شبیر احمد (عثمانی) کی کرسی کے مقابل دوسری کرسی پر ان کے پہلو میں فاطمہ جناح بیٹھی تھی تو حضرت مدنی کے معتقدین نے کہا کہ یہ اکابر کی شان کے خلاف ہے تو پھر اگر اسی طرح (قومی) اتحاد کی کسی جنرل میٹنگ میں شریک ہو کر ایک ہی صوفہ پر نسیم عبدالولی ہمارے کسی ہم مسلک عالم و مفتی کے پہلو میں بیٹھے گی تو کیا یہ اکابر کی شان کے مطابق ہے؟ قیامت آ جائے، میں اسے نہیں مان سکتا۔ یہ سیاست نہیں، دنیا داروں کی مکاری ہے۔ علماء کی سیاست وہی ہے جو محمود حسن کی تھی، جو شاہ اسمٰعیل شہید کی تھی، جو ابن حنبل کی تھی، جو ابن تیمیہ حرانی کی تھی" (طلوع سحر۔ طبع اول مطبوعہ مئی ۱۹۸۱ء)

سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ انہی علماء سیاست کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں۔

میں اگر زلیخ تفکر کا گلہ کرتا ہوں — تم دلیلوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہو
میرے معتوب سے ماحول کو مذہب کے عوض — کتنی تلبیس سے پیمانِ وفا دیتے ہو
میں اگر حکمت و الہام کا دیتا ہوں سبق — تم اسے جہل کے پردوں میں چھپا دیتے ہو
تم مساوات و اخوت کا امیں بن کر — بغض و تفریق کا اک جال بچھا دیتے ہو
الغرض دین و سیاست ہو، معیشت یا معاد — ساری دولت، کو شکم پر ہی لٹا دیتے ہو

جب ہر طرف بغض و عناد اور مخالفت و منافرت کی آندھیاں اور جھکڑ چل رہے ہوں۔ جب "اپنے" کہلانے والے آپ کو دھتکارنے لگیں، جب کفر شیطنت، شرک و بدعت، ضلال و گمراہی کا دور دورہ ہو تو بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پورے عزم و استقامت کے ساتھ اپنے دین پر ڈٹ جائیں اور پھر اس دور ناہنجار میں؟..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر کہ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس زمانہ میں اپنے دین پر پوری طرح جما رہنے والا اس طرح ہو گا جیسے اس نے آگ کے انگارے کو مٹھی میں پکڑ رکھا ہو۔)

قائد احرار جانشین امیر شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری نور اللہ مرقدہ نے ساری عمر اپنے دینی اعتقادات، دینی اعمال، دینی افکار و نظریات کے تحفظ کیلئے انہی انگاروں پر زندگی گزار دی۔ انہوں نے انگاروں کی شاہراہ پر چل کر عظمت صحابہ و مدح صحابہ کا پرچم بلند رکھا، کبھی باطل نظریات کی طرف التفات نہیں کیا، حقیقت کے روپ میں کفر و نفاق کے ہجوم سے فریب نہیں کھایا۔ وہ پوری استقامت کے ساتھ مزاحمت کی اس شاہراہ مستقیم پر چلتے رہے۔ سید ابوذر بخاری کے اس کردار کی عظمت کا ثبوت اور ان کے مزاحمتی کردار کا نتیجہ یہ ہے کہ آج "نعرۂ صفدری، حق معاویہ" کا نعرہ بلند کرنے والے صحابہ کے پروانے بھی موجود ہیں اور "جمہوریت" مردہ باد کا نعرۂ رستاخیز بلند کرنے والے دیوانے بھی،...... قافلۂ حق و صداقت، قافلہ احرار سید ابوذر بخاری کی انہی روایات، نظریات اور جہد و کردار کا امین و آئینہ دار بن کر بڑی جرأت و عزم کیساتھ اس مزاحمتی کردار کو نبھانے کیلئے میدان عمل میں موجود ہے۔ سید ابوذر بخاری نے فرمایا..... "جب بادِ خزاں چلتی ہے تو سبز پتے بھی سوکھے پتوں کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں۔ برف باری ہوتی ہے تو بڑا قوی ہیکل، مضبوط جسم کا آدمی بھی وقتی طور پر سردی سے ٹھٹھر جاتا ہے، تیز لو چلتی ہے تو بڑے سے بڑا صحیح الحواس آدمی بھی لو کی لپیٹ میں کچھ دیر کیلئے مدھوش ہو جاتا ہے۔ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے صحیح اعتقاد دیئے ہیں، صحیح قویٰ بخشے ہیں، وہ ان تمام حوادث کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنے رستے اور منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔"

الحمدللہ! جن بزرگوں کا دامن ہم نے پکڑا، جن بزرگوں کی قیادت ہمیں نصیب ہوئی، جن چہروں کی زیارت ہمارے مقدر میں تھی، جن جانبازوں کی رفاقت ہمیں میسر آئی، وہ دو لاکھ مجاہدین و شہدا کا انقلابی لشکر، سرخ پوشوں کا وہ لشکر، ان کی صحبت، رفاقت، اور محبت کے صدقہ میں اللہ کریم نے ہمیں یہ شرف عطا کیا کہ ہم نے کبھی بھی حق اور باطل کی آمیزش کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے اللہ کی طرف سے دی ہوئی عقل و فکر اور شعور کو استعمال کرتے ہوئے اپنا وہ اجتماعی فریضہ ہمیشہ ادا کیا کہ ہر کڑے اور مصیبت کے وقت میں اور ہر دھاندلی کے وقت میں فقیروں کا یہ ٹولہ حق و باطل کے امتیاز کا اعلان کرنے کیلئے برسر میدان رہا ہے۔"

(لمعات حق، خطاب رحیم یار خان مطبوعہ ۱۹۸۴ء)

* * *

انسانی حقوق کے علمبردار کون تھے؟

آج پھر دین حق پر کفر آمیز تنقید کی وباء پھوٹ پڑی ہے۔ ازلی و ابدی سچائیوں کی تردید کا طاعون پھیل گیا ہے۔ خلاف شریعت عقائد و نظریات کی توپیں چل رہی ہیں۔ پھر وہی زبان بولی جا رہی ہے، علماء کی غیرت کو چیلنج ہو رہا ہے۔ پھر پیغمبر کی عزت پر حرف آ رہا ہے۔ قرآن کی غلط تفسیریں ہو رہی ہیں۔ حدیث کے نام پر تہمتیں باندھی جا رہی ہیں۔ ناپاک جمہوریت کو اسلامی نظام پر ترجیح دی جا رہی ہے اور افلاطون کو انسانی حقوق کا علمبردار بتایا جا رہا ہے۔

میں کہتا ہوں! کائنات میں اس سے بدترین جھوٹ کوئی نہیں۔ یہ پیغمبروں کی پوری جماعت پر تہمت ہے۔ وہ افلاطون جو اپنے ایمان کی ضمانت نہیں دے سکتا وہ دنیا کو سب سے پہلے انسانی حقوق سے کیسے آشنا کر سکتا ہے؟ اگر اللہ کی مخلوق کو پہلی مرتبہ اس کے حقوق سے آشنا کرنے والا افلاطون یا اس کا بدمعاش شاگرد ارسطو ہے تو پھر انبیاء کس لئے بھیجے گئے؟ وہ دنیا میں کیا کرنے آئے تھے؟ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ساری کائنات کو اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے عوامی حقوق سے آشنا کرایا اس وقت جمہوریت کے کسی باپا جان کا عالم ارواح میں بھی وجود نہیں تھا۔ کائنات میں ایسا کوئی زمانہ نہیں گزرا کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نبی اور رسول خطہ زمین پر بسنے والے عوام کو ان کے حقوق نہ بتا رہا ہو اور انہیں ان کی پامال زندگی سے اٹھا کر انسانیت کے مرتبہ پر فائز نہ کرتا رہا ہو۔

جانشینِ امیر شریعت

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ

خطاب، حاصل پور، ۶ مارچ ۱۹۸۲ء

سیدابومعاویہ ابوذر بخاری

"امروز و فردا"

صُبحِ نشاط شامِ غریباں ہے آجکل
صحنِ چمن بھی عکسِ بیاباں ہے آجکل
داغِ جگر بھی گنجِ شہیداں ہے آجکل
سر اشکِ خوں بھی شمعِ فروزاں ہے آجکل

دل ہے مثالِ کُلبۂ تاریک و پُرزغم
روحِ علیل مسکنِ حرماں ہے آجکل

دردِ فراق، اشکِ تحسّر، فغانِ شب
افسانۂ حیات کا عنواں ہے آجکل
کونین جس کے واسطے تھے وسعتِ زقند
وہ فکرِ قدس طائرِ زنداں ہے آجکل

دینِ نبی ہے ترکِ شعائر پہ سوگوار
خوں نابہ ریز عظمتِ قرآں ہے آجکل

پروفیسر محمد عباس نجمی

ہمارے شاہ جی

وہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، یہ حسن اتفاق ہے۔ انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ سنت خیر الانام کی پیروی اور اطاعت خداوندی میں گذارا، اسے ہم توفیق الٰہی کہتے ہیں ۔ اس دنیا میں دانستہ کسی کو دکھ نہیں دیا اور مقدور بھر حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، یہ انکے اعلیٰ انسان ہونے کی گواہی ہے۔ مہد سے لحد تک تبلیغ اسلام کو اپنا شعار بنائے رکھا، یہ انکے مومنِ کامل اور عالم با عمل ہونے کی دلیل ہے۔ زہر ہلال کو قند نہ کہنے کی پاداش میں....... کیا اپنے کیا بیگانے سبھی ناخوش رہے، یہ انکے مردِ جری و حق پرست ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قدم قدم پر خوف کے عفریت سے سامنا ہوا لیکن اس مردِ قلندر کی زبان ہمیشہ اس کے دل کی رفیق اور دل سچ کا ترجمان رہا۔

اس دنیا میں باتیں کرنے والے، باتیں بنانے والے اور باتیں بنانے والے تو کروڑوں ہیں لیکن بات نبھانے والے کم کم دکھائی دیتے ہیں۔ قول و عمل کے دھنی ان بندگان الٰہی پر اپنے رب کی خاص عنایت اور مہربانی ہوتی ہے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند اکبر سید عطاء المنعم ابو معاویہ ابوذر بخاری کا شمار بھی ایسے ہی اعلیٰ مرتبت نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے۔

اس وقت مجھے صحیح طور پر تو یاد نہیں کہ ممدوح گرامی سے میری پہلی ملاقات کب، کہاں اور کیسے ہوئی تھی، ہاں البتہ یہ اچھی طرح یاد ہے کہ سید صاحب سے میرا تعارف پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کے وسیلے سے ہوا اور یہی تعارف آہستہ آہستہ عمر بھر کی نیاز مندی میں تبدیل ہو گیا۔ اپنی گزری ہوئی تیس پینتیس سالہ شعوری زندگی میں مجھے لاکھوں انسانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، ان میں درجنوں اہل علم و عمل اور فضل و کمال سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مختلف وقتوں میں، مختلف حوالوں سے ان اہل فکر و دانش سے فیض بھی حاصل کیا۔ تاہم میری تعلیم و تربیت اور فکر و نظر پر ایک ہی سائے، ایک ہی رنگ اور ایک ہی خوشبو کے آثار نظر آتے ہیں جو سارے کے سارے مرشدی و مولائی سید ابوذر بخاری کی دین اور عطا ہیں۔ نظریے اور سوچ کے حوالے سے مجھ میں اگر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ اس سخی لے جوتوں کا صدقہ ہے جسے انکے ابا جی کے مرید "حافظ جی" اور ہم نو گرفتاران بخاری "بڑے شاہ جی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ ہمارے جیسے عام آدمی ہر گز نہیں تھے۔ ان کا ظاہر انکے باطن سے اور انکا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ روشن تھا۔ بلاشبہ وہ اہل پاکستان کے لئے خالقِ کائنات کی عظیم نعمت تھے۔ ہم اس نعمت کو پہچان نہ سکے، اس کی قدر نہ کر سکے۔ وہ اپنی چند بشری کمزوریوں کے باوجود ایک باکمال ہستی تھے۔ عصرِ حاضر میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی چلتی پھرتی تصویر! بقول اقبال....... گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان!

زندگی کے کسی مبارک لمحے میں ان کے دل پر ایک الہامی شعر اترا، جسے انہوں نے اس طرح لفظوں کا روپ دیا

جو قصدِ منزلِ حق ہے تو پھر کتابِ مُبیں کو
ہجوم تیرہ شبی میں چراغ راہ بناؤ

بیسویں صدی کے گمراہ شاعروں اور بے عمل واعظوں کی طرح ان کا یہ پیغام محض لوگوں کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ آپ نے اولاً ان حروف کو اپنے خون جگر میں شامل کیا، بعد میں دوسروں کو اس کی تلقین کی۔ انہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کی امانت جانا اور امانت الٰہی میں سر مو خیانت نہ ہونے دی۔ اپنے جلیل القدر باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کا نور پہلے اپنے سینے میں بھرا اور پھر مرتے دم تک اس روشنی سے تاریک سینوں کو منور کرتے رہے۔

خالق کائنات نے ہمارے شاہ جی کو زندگی تو ایک ہی عطا کی تھی لیکن نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک وقت میں کئی محاذوں پر سرگرم عمل رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار اور راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ قرآنِ مجید فرقان حمید کی آیات بیّنات سے ہی راہ نمائی حاصل کی۔ انہوں نے جب ہوش سنبھالا تو بڑی سہولت اور آسانی سے دین و دنیا میں دین کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ یا پھر یوں کہیے کہ خالق نے اپنے اس شکر گزار بندے کو اپنے محبوب کی روشن راہوں پر چلتے چلتے زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ وہ چاہتے تو "دو نمبر" مولویوں، پیشہ ور مبلغوں، کاروباری عالموں، بے عمل پیروں اور جاہ پرست ملاؤں کی طرح بڑی ذہانت اور چالاکی سے دنیا کو دوست بنا سکتے تھے۔ لیکن دینی غیرت کے اس پیکر عظیم کی فطرت میں دنیاداری اور جاہ پرستی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ فطری اور پیدائشی طور پر راہ دنیا کے نہیں راہ راستی کے مسافر تھے۔

شخصی اعتبار سے وہ حسن و جمال، شرافت و نجابت، جرأت و ہمت، دلیری و بہادری، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، تسلیم و رضا، جودوسخا، علم و عمل، فکر و دانش، تقویٰ و پرہیز گاری، زہد و عبادت اور ذکر و فکر میں اپنی مثال آپ تھے۔

اصل عظمت و عزیمت کی بات تو یہ ہے کہ ان شخصی اور ذاتی خوبیوں کی بنا پر انہوں نے اپنی شخصیت کے مجسمے کو کسی خانقاہ میں نصب کرا کے لوگوں سے اپنی پوجا نہیں کرائی بلکہ خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے معبود حقیقی کی اطاعت، فرماں برداری اور پرستش کے لئے دعوت و تبلیغ کی سنت کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھا۔

قرآنی تعلیمات اور محبوب خدا کی سیرت سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لئے وہ کسی دارالعلوم کے مہتمم یا ناظم بھی نہیں بنے بلکہ انہوں نے اللہ کی ساری زمین کو دارالعلوم جانا اور جہاں، جس وقت، جس جگہ

موقع ملا، اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

علمائے سُوء اور دینی مدارس پر قابض مولویانہ شکل وصورت رکھنے والے بندگانِ حرص و ہوس نے اپنی مساجد اور مدرسوں کے دروازے ان پر بند رکھے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جنہوں نے سچی بات کہنا ہوتی ہے، جنہوں نے کلمۂ حق بلند کرنا ہوتا ہے، جنہوں نے نورِالٰہی تقسیم کرنا ہوتا ہے، وہ دن تاریخ اور مقام ایسے لوازمات کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ اٹھتے، بیٹھتے، کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے سنتِ رسول کی خود بھی پیروی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس حسن عمل کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔

میرے مرشد.... ممتاز عالم دین، خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ، قدیم و جدید علوم کے بحرِ بے کنار بھی تھے۔ خدا نخواستہ وہ راندۂ درگاہ مذہبی پیشوائیت کا نمونہ نہیں تھے۔ بلکہ وہ اسوۂ صحابہ کی روشنی میں مجاہدانہ طرزِ عمل کی قابلِ فخر اور زندہ جاوید مثال تھے۔ وہ عوام الناس کی بہتری اور بہبود کے لئے ایک شاندار اسلامی فلاحی ریاست کا قابلِ عمل نقشہ اپنے ذہن میں رکھتے تھے اور اس حوالے سے وہ "بندوں پر، بندوں کے ذریعہ سے، بندوں کی حکومت" کو قطعاً درست خیال نہیں کرتے تھے۔ وہ اسلامی تعلیمات سے ناواقف سیاسی راہ نماؤں اور اسلام کے اقتصادی اور سماجی نظاموں سے ناآشنا مذہبی سیاست کاروں کے ان خیالات سے قطعاً متفق نہ تھے کہ پاکستان کے لئے سوشلزم یا جمہوریت مناسب نظام ہیں۔ وہ صدارتی پارلیمانی یا جمہوری طرزِ حکومت کی بجائے اسلام کے شورائی نظام کے احیا اور نفاذ میں ہی مسلم دنیا کی عافیت خیال کرتے تھے۔ وہ اپنے والد گرامی اور انکے رفقاء کار کے اسی نعرۂ مستانہ کو بلند کرتے کرتے جان کی بازی ہار گئے کہ اللہ کی دھرتی پر اللہ کا قانون ہی انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں سیاسی، سماجی اور مذہبی حوالوں سے اتحاد، یگانگت، یکجہتی اور وحدت ملی کے راگ الاپ کر، مفاد پرستی کے جنرل سٹور چلانے والے کاروباری لیڈر تو آپ کو بے شمار مل جائیں گے، لیکن نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے اتحاد کے داعی، جن کے قول و عمل میں تضاد نہ ہو، خال خال ملیں گے۔ ہمارے شاہ جی جہاں اسلام کے بنیادی اعتقادات پر سمجھوتہ کرنے یا نام نہاد رواداری برتنے کے قائل نہیں تھے وہیں وہ باکردار، غیور اور خوف خدا رکھنے والے مسلمانوں میں اتحاد کے زبردست حامی بلکہ داعی اور مناد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ جی کی تعلیمات سے فیض حاصل کرنے والے متوسلین و منتسبین اپنے تعارف کے لیے کسی جگہ یا شخص کے نام سے رواج پانے والے مذاہب یا مسالک کی بجائے محض مسلمان کہلوانے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی زندگیوں سے روشنی حاصل کرنے اور انہیں معیارِ حق تسلیم کرنے کا درسِ ملی شاہ جی کی تبلیغی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے۔

کم علمی، جہالت، جھوٹی عقیدت اور گم کردہ راہ ارادت نے تاریخ، مذہب اور اہلبیت کے نام پر امت میں جو ذہنی اور علمی انتشار پھیلایا، سید ابوذر بخاری نے اس خوفناک اور زہرناک بیماری کا علاج تلاش کیا اور اسے پورے ایمانی جذبے اور دینی عزم کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا۔ میرے مرشد نے جہاں توحید و رسالت کا پرچم بلند رکھا وہیں اصحاب رسول کی محبت اور ازواج مطہرات کی حرمت کی اصل حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرایا۔

کذب و افترا پر مبنی مذہبی اعتقادات، اور تاریخ کے نام پر رائج جھوٹ کی کوکھ سے جنم لینے والی بیمار روایات کا تریاق دریافت کیا۔ جرأت حیدری کے ساتھ، ڈنکے کی چوٹ ساری زندگی سچے اور حقیقی اسلام کی تبلیغ کی۔

پاکستان بننے کے بعد سیاست کے میدان میں لقندروں اور منچلوں کی غالب اکثریت پریکٹس کرنے لگی۔ آزادی کی سچی علمبردار جماعت مجلس احرار اسلام کے کارکنوں کے لئے سیاست دشوار بنا دی گئی۔ احرار کا نام لینا گناہ سمجھا جانے لگا۔ کارکن پریشان تھے۔ حضرت امیر شریعت اور انکے چند دوستوں کے علاوہ اکثر لیڈر احرار کے نام سے کنی کترانے لگے۔ حضرت امیر شریعت کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تو حالات بہت دگرگوں ہوگئے۔ بیگانے تو بیگانے تھے، اپنوں نے بھی نظریں بدلنا شروع کر دیں۔ وہ اپنا "چسکا" پورا کرنے کے لئے غیروں کی پناہ گاہوں میں جا چھپے۔ وہ جس ماضی پر فخر کرتے تھے، اس پر شرمندہ دکھائی دینے لگے۔ لیکن وہ جس کی رگوں میں عطاء اللہ شاہ بخاری کا خون ہی نہیں، خون میں اپنے باپ کی دینی غیرت بھی تھی۔ وہ اپنے باپ کی وراثت کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ اور انکے ایثار پیشہ ساتھیوں کے ساتھ غداری کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سو وفا شعاری کو نشانِ ایثار بنا کر احرار کی عزت و آبرو کا محافظ بن گیا۔ شاہ جی نے اپنے ابا جی کی وفات کے بعد بڑے پر خطر، کٹھن اور مشکل حالات میں مجلس احرار اسلام کا احیا کیا اور از سر نو، جانشین امیر شریعت کی قیادت و سیات میں قافلہ احرار پھر سے پوری شان اور پورے شکوہ کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام کی منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ آج احرار کے سرفروش کارکن، مجاہد اسلام سید عطاء المحسن بخاری کی قیادت میں توحید و ختم نبوت اور اسوہ صحابہ کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔

سید ابوذر بخاری کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انکے ساتھ نیازمندی اور نسبت پر میں جتنا فخر کروں کم ہے۔ سچی بات ہے میں اگر اس ہستی سے نہ ملا ہوتا تو [redacted]اید آج گمراہی اور لادینیت کی تاریک گلیوں میں بھٹک رہا ہوتا اور مجھے اس کا احساس تک نہ ہوتا۔ میں اگر دو جملوں میں اپنے ممدوح اور محبوب کی زندگی کا نقشہ بیان کروں تو وہ کچھ یوں بنتا ہے کہ...... وہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے دوستوں کے چاہنے والوں کے چاہنے والے، اور اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے دوستوں کے دشمنوں کے دشمن تھے۔

میرے مرشد آج اس دنیا میں نہیں لیکن ان کے علمی و روحانی، فکری و نظریاتی اور اعتقادی کارنامے رہتی دنیا تک انہیں زندہ جاوید رکھیں گے۔ انشاء اللہ!

شاہد کاشمیری

جانشینِ امیرِ شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری

غالباً ۶۲ - ۱۹۶۱ء کی بات ہے...... میں نے ابھی شعور کی آنکھ نہیں کھولی تھی جب اباجی مرحوم کریم پورہ سیالکوٹ میں ایک جلسہ سنوانے لے گئے، جس کے مہمان خصوصی شیخ حسام الدینؒ تھے اور صدارت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ فرما رہے تھے۔ شیخ صاحب کا نام ہمارے لئے کوئی نیا نہیں تھا۔ لیکن دیکھا انہیں بھی پہلی ہی مرتبہ تھا۔ اسی جلسے سے آخری خطاب جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ کا تھا۔ میں نے ان کی پوری تقریر سو کر سنی

والد صاحب نے مجھے اٹھایا۔ میں ان کی انگلی پکڑے اسٹیج کی جانب رواں دواں تھا۔ اسٹیج پر انہوں نے شیخ صاحب کے بعد میری ملاقات شاہ جی سے کروائی۔ میں نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے انہوں نے بھی کمال شفقت سے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ لے لئے اور پھر یہ ہاتھ جب تک وہ حیات رہے ان کے ساتھ ہی رہے۔ ہم گھر چلے آئے یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ تب ان کی ڈاڑھی کالی تھی اور وہ کھڑے ہو کر تقریر کرتے تھے۔ میری دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب شعور مجھے سنبھال رہا تھا۔ تب ان کی داڑھی سفید ہو چکی تھی اور وہ بیٹھ کر تقریر کرتے تھے۔ میں سیالکوٹ سے انہیں ملنے کے لیے لاہور آیا طلباء سے ان کا خطاب تھا۔ علم کے موتی بکھر رہے تھے۔ خطابت اپنے جوبن پر تھی ان کی حقیقت کی بات ہے۔ تقریر کا ایک ایک لفظ میرے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ میں جھوم اٹھا یہ عقیدت کی بات نہیں،

۱۹۷۴ء میں ہم لاہور منتقل ہو گئے تو شاہ صاحب کے ساتھ اکثر ملاقاتیں رہنے لگیں۔ وہ جب بھی ملتان سے لاہور تشریف لاتے تو محترم سید نفیس الحسینی نفیس رقم صاحب سے ضرور ملنے جاتے۔ میں ان کے ساتھ ہوتا۔ نفیس شاہ جی بھی تعظیماً قلم دوات چھوڑ دیتے۔ قہوہ کا دور چلتا۔ علمی نشست ہوتی۔ اردو، فارسی، اور عربی کے اشعار کا سلسلہ چلتا، کبھی محفل کشتِ زعفران بن جاتی اور کبھی دونوں حضرات اپنے بڑوں کی باتیں یاد کر کے رونے لگتے۔

میں نے شاذ ہی کوئی مضمون اپنی مرضی سے "الاحرار" میں لکھا ہو۔ شاہ جی خود موضوع دیتے۔ میں ان کے حکم کی تعمیل میں اپنی بساط بھر خامہ فرسائی کرتا جسے وہ معمولی ردوبدل کے بعد شائع کر دیتے اور کبھی کبھار ساتھ سمجھاتے بھی۔ مثلاً فرماتے "حواری" کا لفظ عام آدمی یا کسی بھی بدمعاش کے ساتھ مت استعمال کرو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے قرآن پاک نے "الحواریون" استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کی تکریم کو مد نظر رکھا کرو۔ اور بہتر ہے کہ اس کا متبادل "حالی موالی" استعمال کر لیا کرو۔

انہیں اس بات سے چڑ تھی کہ لوگ ہر فارغ آدمی کو یا پھر حجام کو "خلیفہ" کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ کفار کی سازش کا نتیجہ ہے اس سے ہمارے خلفائے اسلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی طرح وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے "محفوظ عن الخطا" کی اصطلاح بھی استعمال فرماتے تھے۔ میں شاہد محمود شاہد کے نام سے

لکھا کرتا تھا۔ جسے انہوں نے شیخ شاہد محمود اور بعد میں اسلام اور جمہوریت کے حوالے سے لکھے جانے والے مضمون پر شاہد محمود کاشمیری کر دیا۔ کہ "سب کاسٹ" چھوڑو "ہیڈ کاسٹ" ساتھ لگاؤ۔ تب سے اسی نام سے لکھتا ہوں۔

میں ان سے اکثر سیکھنے کی غرض سے کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا، خدا کے وجود کے حوالے سے ایک دوست سے بحث چل رہی تھی۔ میں نے شاہ جی سے پوچھا، فرمانے لگے۔ "خدا موثر وجود ہے، متاثر نہیں۔ جو متاثر ہو جائے وہ مخلوق ہے خدا نہیں"

ان کا کمال یہ تھا کہ وہ تین تین چار چار گھنٹے بلا تکان بول جاتے تھے اور مجال ہے جو ایک تقریر کے بعد دوسری تقریر میں لفظی یا واقعاتی تکرار ہو۔ تاریخ پر ان کو عبور تھا۔ صحابہ کے شجرے ازبر تھے۔ بسا اوقات پیچیدہ اور سخت مسائل بھی بیان کر جاتے۔ ہمیں بھی بعض باتوں کی تلقین فرماتے۔ سمجھانے کا انداز ایسا ہوتا کہ بعض اوقات اپنی ذات کو بھی شاملِ حال فرما لیتے۔

مجھے خود بتایا کہ "اوائل عمر میں داڑھی منڈوانے والے سے ہاتھ ملانے سے بھی گریز کرتا۔ پھر ایک دن ابا جیؒ نے سمجھایا کہ حافظ جی ان سے ملو گے نہیں تو دین کے قریب کیسے لاؤ گے" تب سے الحمدللہ کبھی ایسی حرکت نہیں کی"

ہم طلباء کو بھی وہ بعض باتوں سے روک دیتے اور ڈانٹ بھی دیتے مثلاً ننگے سر نماز پڑھنے پر ڈانٹ پڑ جایا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے "ہفت روزہ چٹان" کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے مجلس احرار پر خاصے سخت ریمارکس دے دیئے تھے (جس سے یقیناً شاہ جی بھی نالاں ہوں گے)۔ ایک ساتھی نے "چٹان" میں ہی جواباً مولانا کی ذات کو ہدف تنقید بنا دیا تو ناراض ہو گئے۔ مولانا اختر کاشمیری جو ان دنوں "چٹان" میں ادارت کے فرائض سر انجام دے رہے تھے، اس چھیڑ چھاڑ کو آگے بڑھانے کے لئے انٹرویو کی غرض سے لاہور دفتر تشریف لائے ہوئے تھے جب کہ شاہ جی ہمیں سمجھا رہے تھے کہ جماعت کا موقف الگ بات ہے لیکن ذات کو ہدف تنقید کیوں بنا رہے ہو۔ یاد رکھو میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہاری زبانوں اور قلموں سے میں مولانا کے خلاف نکلنے والے لفظ نہ سنوں نہ پڑھوں"..... اس پر مولانا اختر کاشمیری بھی کھسک گئے۔

۷۷ء میں قومی اتحاد کی تحریک زوروں پر تھی۔ شاہ جی کو مغرب کے قریب ملتان سے لاہور دفتر پہنچنا تھا۔ مجلس احرار نے قومی اتحاد کی تحریک سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ مگر لاہور کے ایک سابق خطیب احرار نے (جو مجھ سے اس لئے سخت نالاں تھے کہ میں نے ان کی مسجد میں چودھری ظہور الٰہی کی آمد اور ان سے چندہ مانگنے پر تنقید کی تھی۔) دفتر میں بیٹھے دانستہ طور پر میرے ساتھ تکرار شروع کر دی جو بعد میں ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ خون گرم تھا، میں فوراً دفتر سے رام گلی گیا اور اپنے چار پانچ عزیز مولوی صاحب کو سبق سکھانے کی غرض سے لیکر دفتر آ گیا۔ میری نشاندہی پر میرے عزیز آگے بڑھے مگر یکدم رک گئے۔ میں نے دیکھا شاہ جی تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھیوں نے شاہ جی کو پہلی مرتبہ ہی دیکھا تھا۔ وہ اور میں غصے میں آگ بگولا تھے۔ شاہ

جی نے پوری بات پوچھی۔ میں نے بتایا کہ ان مولوی صاحب کا الزام ہے کہ چودھری ظہور الٰہی کی ان کی مسجد میں آمد کی اطلاع میں نے سید عطاء المحسن شاہ صاحب کو دی ہے اور اس پر انہوں نے میرے ساتھ ہاتھا پائی کی ہے۔ شاہ جی جی نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اس بچے کے ساتھ لڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ تمہاری اور مسجد کی تصویریں اور خبریں اخبارات میں چھپ چکی ہیں۔ مولوی صاحب مجھ سے معذرت کرنے لگے مگر میں غصے پر قابو پانے سے معذور تھا۔ چنانچہ میں نے گھر جانا چاہا۔ سردی کا موسم تھا۔ شاہ جی نے اپنے خادم کو میرے ہمراہ کیا کہ رکشے میں گھر چھوڑ کر آئے۔ مجھے اپنا کمبل اور رومال دیا۔ میں نے کچھ روز کے بعد کمبل لوٹا دیا۔ رومال نیا خرید کر دے دیا اور ان کا رومال برکت کے لئے رکھ لیا جو الحمدللہ اب بھی محفوظ ہے۔ کیونکہ معاملہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ شاہ جی میرے ارادے کو بھانپ گئے تھے کہ یہ کچھ کر گزرنے سے ٹلے گا نہیں، اور میں بھی بھائیوں سمیت لڑائی ختم کرنے پر راضی نہ تھا کہ اس دوران شاہ جی کا میرے نام خط آ گیا۔ جس میں مجھے اور میری والدہ اور والد کو لکھا تھا کہ

"پیارے شاہد، بھابھی اور بھائی جان..... مجھے یقین ہے کہ میری سفید داڑھی کی لاج رکھ لی جائے گی اور لڑائی آگے نہیں بڑھے گی"..... اس کے بعد امی ابو دونوں نے ڈانٹ دیا کہ اب شاہ جی کا حکم ہے بات بڑھانی نہیں۔ لو معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

۷۹ء میں، میں عباس نجمی صاحب کے ہمراہ رحیم یار خان گیا ہوا تھا۔ ہم گیارہ بجے کے قریب پہنچے، گرمی غضب کی تھی۔ ہمیں پتہ چلا کہ آج عصر کے بعد شاہ جی کی خان پور تقریر ہے (اس کی تفصیل اور پوری تقریر کتابچے کے روپ میں "صدائے حق" کے عنوان سے الگ بھی چھاپ چکا ہوں)۔ ہم دونوں رحیم یار خان سے خانپور آ گئے۔

حضرت درخواستیؒ کے مدرسے میں شاہ جی کا بیان ہوا۔ انہوں نے مختصر وقت میں اتنی خوبصورت، پر مغز اور بے باکانہ انداز میں تقریر کی کہ ہر شخص داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر اس تقریر کا نتیجہ بے اثر! مجھے بس اتنا یاد ہے کہ شاہ جی مدرسے کے مخصوص کمرے میں بیٹھے رہے۔ کہ شاید اتحاد و یکجہتی کے خواہاں علماء، انہیں میٹنگ میں بلائیں۔ میٹنگ ہوئی مگر شاہ جی کو شامل کیے بغیر! اجلاس تھا علماء کے اتحاد کے لیے اور مفتی محمود صاحبؒ حضرت درخواستیؒ سے بحث کرتے رہے کہ "شاہ کو بلایا کیوں"؟ اس کے بعد ہم شاہ جی کے ہمراہ سعید احمد راجپوت کے ہاں چلے آئے۔ جہاں حالات حاضرہ کے حوالے سے نشست ہوتی رہی اور ہم شاہ جی کی باتوں سے محظوظ ہوتے رہے۔ اسی طرح کا واقعہ دارالعلوم دیوبند کی سو سالہ تقریبات میں شرکت کے موقع پر پیش آیا۔ شاہ جی اپنوں، پرایوں کی کوششوں اور کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر نہ جا سکے۔ خان غازی کابلی سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ غازی نے دہلی سے گلے شکوے اور تاثرات کے ملے جلے انداز میں مجھے خط

....

"حضرت ابو معاویہ ابوذر بخاری (عطاء المنعم) مولانا عطاء المحسن اور دوسرے بھائی بھی دیوبند کے میلے میں موجود ہوتے تو ہندوستان کے مولویوں کے مرکز نگاہ ہوتے، بہت سے لوگوں کو ان کا انتظار بھی تھا۔ مگر خدا جانے

مولانا ابو معاویہ ابوذر بخاری اور ان کے بھائی کیوں دیو بند نہیں آ سکے؟ غازی ایسا محسوس کرتے ہیں کہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی یادگاروں کو "کسی معشوق پردہ زنگاری" کی سازش سے ویزا نہ ملا ہو گا۔ کیونکہ حضرت امیر شریعت کی نسبت کی وجہ سے دیو بند میں بخاری بھائیوں کو جو شان ہوتی ویسی شان کسی کی نہ ہوتی۔ بخاری بھائی دیو بند کے میلے میں مثل چاند سورج کے نظر آتے اور دوسرے صرف تارے بلکہ تارے بھی نہیں مٹی کے ٹمٹماتے ہوئے دیئے نظر آتے۔"

ملتان ایک کام کی غرض سے پہلی مرتبہ گیا، رمضان کا مہینہ تھا۔ شاہ صاحب کے ہاں جا اترا۔ ان سے مصافحہ کیا۔ وظائف میں مشغول تھے۔ سامان رکھا اور بغیر بتائے صدر بازار گھریلو سامان کی خریداری کے سلسلے میں نکل گیا۔ روزہ ایک دوست کے ہاں افطار کیا۔ واپس لوٹا تو شاہ جی پریشان بیٹھے تھے، "بھئی کہاں چلے گئے تم؟ میں سب سے پوچھتا پھرتا تھا کہ پہلی مرتبہ آیا، کچھ بتایا بھی نہیں اور نہ جانے کہاں نکل گیا...." کھانے کے بارے میں پوچھا! میں نے عرض کیا وہ تو دوست نے کھلا دیا، البتہ سحری آپ کے ہاں ہی کرلوں گا۔ فرمانے لگے سحری کے وقت دیکھا جائے گا۔ فوراً مٹھائی اور پھل منگوائے، پھر چائے کا دور چلا، رات نو دس بجے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، ادب، سیاست، مذہب موضوع گفتگو رہے۔ پھر فرمانے لگے تراویح کی سناؤ؟ میرے ساتھ پڑھو گے یا دفتر میں؟ (دفتر سید کفیل بخاری ان دنوں تراویح پڑھا رہے تھے۔ کفیل نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ شاہ جی روزانہ سات سے آٹھ پارے پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ سحری سے کچھ ہی دیر پہلے ختم ہوتا ہے)۔ میں نے عرض کیا شاہ جی مسافر ہوں، دفتر میں ہی نماز ادا کروں گا، ہنس پڑے۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے۔ سحری کے وقت ملاقات ہوئی، نماز فجر ان کے ساتھ ادا کی اور ڈھیروں دعائیں سمیٹ کر واپس لوٹا۔ پھر بارہا ملتان جانا ہوا، قیام انہی کے پاس رہا، میں نے کبھی کہہ بھی دیا کہ شاہ جی کھانا کھا کر آیا ہوں تو فرماتے "بھائی میں نے کب کہا تم بھوکے ہو، مجھے جو کچھ کرنا ہے وہ تو کرنے دو"

جب رحیم یار خان کے سفر کے دوران احمد پور شرقیہ کے قریب انہیں حادثہ پیش آیا اور شدید ضربیں بھی آئیں تو میں اتفاق سے چیچہ وطنی میں ہی موجود تھا۔ چیچہ وطنی دو تین جماعتی پروگرام تھے اور عبداللطیف خالد چیمہ صاحب نے حضرت مولانا خان محمد صاحب اور پیر جی عطاء المہیمن شاہ صاحب کو مدعو کر رکھا تھا۔ پروگراموں سے فارغ ہو کر میں اور عبداللطیف، شاہ جی کی عیادت کی غرض سے ملتان چلے گئے۔ شاہ جی چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی مسکرا پڑے۔ خوشگوار ماحول میں گفتگو ہوتی رہی۔ اسی گفتگو کے دوران ہم دونوں کو ایک نصیحت کی کہ "کبھی بھی کسی پر یکدم اعتبار نہ کرلیا کرو، اسے پرکھا کرو" پھر فرمایا کہ "میرے لیے بھی دعا کرو کہ اللہ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں نے آج تک جماعت کے ہی کاموں کے سلسلے میں جماعت کا جو خرچ اپنے ہاتھوں کیا ہے وہ حساب اپنی جیب سے ادا کر کے جماعت کو لوٹا دوں اور سرخرو ہو جاؤں۔ میں نے اس سلسلے میں کوشش شروع کر دی ہے اللہ رب العزت تکمیل فرما دیں"۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو پھر ان کے ہاں ہی ملتان جانے کا اتفاق ہوا۔ مگر میں اس دفعہ اکیلا نہیں تھا۔ بہت سے لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے آئے تھے۔ میں بھی اپنے اسی محبوب قائد کو دیکھنے گیا تھا۔ وہ اب بھی

چارپائی پر ہی تھے ان کو دیکھ کر سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ محمد معاویہ پاس کھڑا رو رہا تھا۔ محمد مغیرہ پریشان حال تھا۔ کفیل کے چہرے پر اضمحلال تھا۔ حضرت نفیس الحسینی کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ عبداللطیف خالد چیمہ کہ شاہ جی کے رنگ میں بہت رنگا ہوا ہے، اس سے ملنے کی ہمت نہ تھی۔ برادران شاہ جی پر ملال تھے مگر صبر کے پیکر بنے چپ تھے۔ ان کی چپ ہی ان کے غم اور دکھ کو عیاں کر رہی تھی۔ جو بھی ملتا، اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے۔ چودھری ظفر اقبال کے چہرے سے روح فرسائی کے آثار نمایاں تھے۔ ملک یوسف لاہور میں ان کا خاص میزبان تھا اور ہمیشہ چہرے پر ایک خاص مسکراہٹ رکھتا تھا مگر آج وہ بھی مغموم تھا۔ عبدالکریم قمر رو رہا تھا، مجھے دیکھتے ہی گلے سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ قمر الحق قمر کہہ رہا تھا شاہد دیکھو! یہ اتنی دنیا اس شخص کے باپ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی اپنی کی ہوئی محنت اور محبت کے عوض آئی ہے"۔ عباس نجمی کہہ رہا تھا "شاہد! یہ شخص اندر سے چُور چُور تھا، اسے کوئی مفتی، قاضی، مولوی برداشت نہ کر سکا۔ مگر اس نے اپنی محنت نہیں چھوڑی۔ اپنے کام میں مگن رہا۔ ہزاروں کو جینے کا سلیقہ اور دین پر چلنے کا ڈھنگ سکھا گیا۔ ذرا غور سے شاہ جی کو دیکھو کس قدر طمانیت کے ساتھ سو رہے ہیں"۔

میں سب کی باتیں سن رہا تھا مگر کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ مجھے یاد آ گیا شاہ جی نے آخری ملاقات میں مجھے اور عبداللطیف سے کہا تھا کہ دعا کرو میں حساب لوٹا کے جاؤں۔ مجھے ایسے لگا وہ حساب لوٹا رہے ہیں میں نے ان کی پہلی تقریر سو کر سنی تھی اور اب وہ میرے شدید کرب کی غماز آواز ابدی نیند میں سو کر سن رہے تھے۔

✤ ✤

جامع مسجد ختم نبوت (دار بنی ہاشم ملتان) کی تعمیر

جامع مسجد ختم نبوت (مدرسہ معمورہ) دار بنی ہاشم ملتان کی بالائی منزل زیر تعمیر ہے
اخراجات کا تخمینہ چار لاکھ روپے ہے۔
اہل خیر مسجد کی تعمیر میں نقد یا سامان کی صورت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر اجر حاصل کریں۔

بذریعہ چیک/ڈرافٹ یا منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان پاکستان

حضرت سید ابوذر بخاری

پیغام دار

تحریک تحفظ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء میں روپوشی کے دوران لکھی گئی ایک یادگار نظم، اس میں تحریک کا پس منظر بھی ہے اور جسٹس منیر کی ہفوات کا جواب بھی۔

صبا کے ہاتھ پھولوں کو جو پیغامِ بہار آیا
جنونِ عقل پرور کے لئے وقت قرار آیا

نمودِ حسن و جوشِ عشق کے انداز تو دیکھو
کہ اک بیگانہ وار اٹھا، اور اک دیوانہ وار آیا

بہت دیکھا تو دیکھا حسن پر بس عشق مفتوں ہے
مگر وہ عشق جس پر حسن کو خود بھی پیار آیا

اگرچہ پے بہ پے جاری رہی انفاس کی گردش
فریبِ زندگانی کا نہ پھر بھی اعتبار آیا

بہ وقتِ نزع ان کا نام لب پر بار بار آیا
وہ خود تو آنہ سکتے تھے پر ان کا انتظار آیا

انہوں نے خود کیا ہے وعدۂ دیدار محشر میں
نہ جانے دل کو پھر بھی لحد میں کیوں نہ قرار آیا

جو پہنچا ان کے در پر وہ سراپا شوق ہی پہنچا
جو لوٹا مضطرب لوٹا، جو آیا اشکبار آیا

خوشا وہ اعتکافِ روضۂ جنت مدینہ میں
نصیب اس کے جو دو گھڑیاں وہاں جا کر گزار آیا

زہے وہ تخلیہ جس میں میسر ہوں مناجاتیں
مبارک وقتِ عرضِ شوق جس کو سازگار آیا

کبھی اپنے معاصی کا لیا جو جائزہ میں نے
تو فوراً ہی خیالِ رحمتِ پروردگار آیا

غرورِ عشق کے اعزاز و استقبال کی خاطر
کبھی کانٹوں کا تاج اٹھا، کبھی پھولوں کا ہار آیا

بہا خونِ مسلماں جب نبوت کے تحفظ پر
تو میں سمجھا کہ پھر سے فتنۂ ترک و تتار آیا

بڑھے مقتل کی جانب، سر ہتھیلی پر لئے عاشق
یہ دیوانوں کی عید آئی کہ وقتِ گیر و دار آیا

ملا ہے یہ ثمر فصلِ بہاراں کی تمنا پر
کہ پھولوں کے لہو سے خشک کانٹوں پر نکھار آیا

یہی مقتل جسے انصاف کا ایوان کہتے ہیں
یہاں سے عدل خود بھی نامراد و بے وقار آیا

یہاں صبر و تحمل بزدلی کا نام پاتے ہیں
یہاں اخلاص کی تصویر پر گردو غبار آیا

یہاں اظہارِ حق ہے، جرمِ غداری کے ہم معنیٰ
محمد کے غلاموں کو یہاں پیغامِ دار آیا

شرافت دم بخود آئی، وفا سر پیٹتی نکلی
حیا زخمی ہوئی، دامانِ غیرت تار تار آیا

فرنگی کی شریعت کا یہاں اقرار لازم ہے
محمد کی نبوت کا بدل، یہ مستعار آیا

خدا کی شان چند اک سفلہ فطرت کفر زادوں کو
ہمارا دیں پرکھنے کے لئے ہاتھ اختیار آیا

نتیجۂ فکر: جانشینِ امیرِ شریعت سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمہ اللہ

دمکتا ہوا سیار ہوں میں

ایک مجہول ثقافت کے علمبر دارو ۔۔۔ ایک لا ریب صداقت کا گنہگار ہوں میں
ایک گمراہ تفکر کے پرستار ہو تم ۔۔۔ ایک پائندہ ہدایت کا خریدار ہوں میں
تم ہو سفاک امارت کے لٹیرے قاصد ۔۔۔ ایک تفویض امانت کا نگہدار ہوں میں
ایک عیار سیاست کا زبوں صید ہو تم ۔۔۔ ایک بے باک حقیقت کا گرفتار ہوں میں
اجنبی دیس کی اک نقرئی، جھنکار ہو تم ۔۔۔ اور اک فقر شہنشاہی کا ایثار ہوں میں
سرخ و اسپید کی تجدید میں محصور ہو تم ۔۔۔ ایک جہانگیر اخوت کا فدا کار ہوں میں
ایک پوشیدہ خباثت کے فسوں کار ہو تم ۔۔۔ ایک معروف دیانت کا پرستار ہوں میں
تم ہو غوغاء عفاریت جہانِ منگول ۔۔۔ عرصۂ دھر میں گونجی ہوئی للکار ہوں میں
تم ہو عصیاں کے جہنم کا دہکتا ایندھن ۔۔۔ ذوقِ طاعت سے مہکتا ہوا گلزار ہوں میں
فلک آرائی انجم سے مجھے کیا لینا ۔۔۔ نورِ ایقاں سے دمکتا ہوا سیار ہوں میں

پاکستان میں کیا ہو گا؟

خطیب الامت، بطلِ حریت، امیرِ شریعت

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے پاکستان کے بارے میں کن خدشات کا اظہار کیا تھا؟

اردو پارک دہلی میں ۱۹۴۶ء کی تاریخی تقریر ○ دہلی دروازہ لاہور میں ۱۹۴۵ء کی تقریر

○ متفرق تقاریر کے منتخب اقتباسات ○ قیمت -/10 روپے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

میاں محمد اویس:

قائد احرار سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ

مجلس احرار اسلام اور خانوادۂ امیر شریعت سے میرا اور میرے خاندان کا تعلق بہت قدیم ہے۔ میرے دادا میاں محمد رفیق نے ۱۹۴۶ء میں احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے اور ان کے بڑے بھائی جناب میاں قمر الدین رئیس اچھرہ کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ احرار کا بنک کہا کرتے تھے۔ وہ مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ کے خازن بھی تھے اور سرپرست بھی۔ مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو جب بھی مالی امداد کی ضرورت محسوس ہوئی میاں قمر الدین اور ان کے خاندان نے ہمیشہ مالی اعانت کے کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نانا جی میاں محمد اسلم جان مجددی جو عالم دین اور صاحب تقویٰ بزرگ ہیں، آج بھی اپنے بزرگوں کی اس روایت کو نبھا رہے ہیں۔

مجلس احرار اسلام کی طرف سے قادیان میں اپنا مستقل مرکز قائم کرنے کا اعلان ہوا تو اچھرہ سے تین بزرگ، میاں قمر الدین صاحب، میاں محمد اسلم جان اور سید امیر شاہ قادیان میں مسجد کی جگہ خریدنے کیلئے پہنچے۔ تب قادیان میں مولانا عنایت اللہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ بطور مبلغ مجلس احرار کی طرف سے متعین تھے۔ انہوں نے ان بزرگوں کا استقبال کیا۔ ان حضرات نے ایک سکھ سے مسجد و مدرسہ کیلئے زمین خریدی۔ یہ کام اتنی خاموشی اور راز داری سے ہوا کہ کسی قادیانی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور تینوں حضرات واپس اچھرہ پہنچ گئے۔ اگلے دن قادیانیوں کے اخبار "الفضل" نے صرف اتنی خبر لگائی کہ لاہور سے تین آدمی قادیان کی سیر کیلئے آئے تھے۔

مجلس احرار اسلام اور خانوادۂ امیر شریعتؒ سے محبت مجھے اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی۔ میرے گھر میں شاہ جیؒ اور مجلس احرار کے تذکرے اکثر ہوا کرتے۔ میں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو نہیں دیکھا لیکن شاہ جی نے جس خلوص اور لگن کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد کی اور انگریزی نبی کا مے مردود کے دجل و فریب کو عوام الناس کے سامنے ننگا کی..... یقیناً اسی کا اثر ہے کہ میں جب بھی شاہ جی کی باتیں سنتا ہوں دل و دماغ میں ایک نیا جذبہ، جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ دین پر کٹ مرنے کی امنگ اور حوصلہ ابھرتا ہے۔ بچپن میں میں دیکھا کرتا کہ میرے دادا میاں محمد رفیق صاحب کی الماری میں حضرت امیر شریعت کی تصویر رکھی ہے۔ دادا جان جب بھی الماری کھولتے تو تصویر دیکھ کر یوں لگتا جیسے کوئی شخص مجھے گھور رہا ہو۔ میرا رواں رواں ان کے رعب و دبدبہ کا اسیر ہو جاتا۔

۱۹۷۵ء میں میرے دادا جان کا انتقال ہو گیا۔ اب مجھے والد محترم میاں محمد شفیق احمد (کہ جن کا بچپن حضرت امیر شریعتؒ کی گود میں گزرا) کی زبانی شاہ جی کے حالات و واقعات سننے کو ملتے۔ دل میں امنگ پیدا ہوتی کہ کاش میں بھی ان کو دیکھ پاتا۔ مگر شاہ جی تو میری پیدائش سے بھی تین سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ کے تذکروں کے ساتھ اکثر ایک اور نام سنتا، اور وہ نام حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ کا تھا جنہیں اکثر لوگ "حافظ جی" یا "بڑے شاہ جی" کے لقب سے یاد کرتے۔ میری تمنا تھی میں انہیں دیکھوں اور ان کی علمی مجالس سے فیض یاب ہوں۔

میرے والد صاحب ڈیرہ غازیخان میں ایک بزرگ حضرت علی المرتضیٰؓ سے بیعت تھے، جو اپنے وقت کے ولی اللہ تھے وہ التزاماً ان کے پاس جایا کرتے۔ یہ ۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ والد صاحب نے اپنے شیخ کے پاس ڈیرہ غازیخان جانے کا پروگرام بنایا تو میں بھی ان کے ہمراہ ہو گیا۔ واپسی پر ارادہ تھا کہ جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی جائے۔ چنانچہ واپسی پر ہم ملتان "بڑے شاہ جی" کی جائے قیام محلہ ٹبی شیر خاں پہنچے۔ جب ہم تانگے پر بیٹھ کر محلہ ٹبی شیر خاں کی طرف جا رہے تھے تو ساری راہ میں سوچ رہا تھا کہ جانشین امیر شریعت کیسے ہونگے۔ ان کا نین نقش کیسا ہو گا۔ کیا وہ بھی اپنے والد گرامی کی ہوبہو تصویر ہوں گے؟ انہی سوچوں میں مگن تھا کہ کوچوان کی آواز کانوں سے ٹکرائی "سائیں! چوک برف خانہ آ گیا ہے" میں خیالوں کی دنیا سے واپس پلٹا۔ ہم "حافظ جی" کے مکان پر پہنچے تو اس وقت شاہ جی نوافل ادا کرنے کے بعد وظائف و اوراد میں مشغول تھے۔ میں نے خیالات میں شاہ جی کی جو تصویر بنائی آپ ہوبہو وہی تھے، میں نے نظر کی پہلی ساعت میں ہی فیصلہ کر لیا کہ اب اس در کو نہ چھوڑوں گا۔ میں نے عزم کیا کہ جب تک زندگی ہے شاہ جی کی راہنمائی میں گزارنی ہے۔

میں اپنی زندگی کی ۳۴ بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ اپنی ہوش کی آنکھ کھولنے سے لیکر اب تک بہت سی شخصیات کو دیکھا ہے مگر شاہ جی جیسی کوئی اور شخصیت میری نظر سے نہیں گزری۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مجموعہ کمالات بنایا تھا۔ شاہ جی جہاں علم کے سمندر اور عمل کے کوہ گراں تھے وہاں اللہ نے اُنہیں مردانہ حسن و جمال بھی عطا کیا تھا۔ ان کی ہر ادا سے ایک قرینہ ٹپکتا، طہارت و پاکیزگی ان کا خاص وصف تھا۔ کھانے پینے کے معاملہ میں بھی بڑے باذوق اور نفیس طبع واقع ہوئے تھے۔

۱۹۸۵ء میں مارشل لاء کے اختتام کے بعد جب تمام جماعتوں سے پابندی اٹھالی گئی تو شاہ جی لاہور تشریف لائے اور مجلس احرار اسلام لاہور کا اپنی نگرانی میں انتخاب کرایا۔ مجھے اس انتخاب میں نائب ناظم مجلس احرار اسلام لاہور نامزد کیا گیا۔ تب لاہور میں جماعت کا کام نہ ہونے کے برابر تھا۔ دفتر احرار میں شاہ جی کے دروس قرآن مجید کا باقاعدہ ماہانہ سلسلہ شروع ہوا۔ جماعت کے کام کو بڑھانے کیلئے میں نے اپنے گھر میں شاہ جی کا درس قرآن رکھا۔ شاہ جی کا گلبرگ میں یہ پہلا درس قرآن تھا۔ پروگرام کے مطابق شاہ جی ہمارے گھر تشریف لائے۔ ان دنوں مہمان خانے سے متصل باتھ روم میں فلش کی بجائے کموڈ لگا ہوا تھا۔ شاہ جی نے اس روز درس میں آغاز ہی بیت الخلا کی شرعی حیثیت سے کیا اور قریباً آدھ گھنٹہ صرف بیت الخلا کے استعمال پر قرآن و حدیث کے حوالہ سے بیان فرمایا۔ درس کے اختتام میرے دوست مجھ سے مذاق کرنے لگے کہ بیت الخلا کے علاوہ شاہ جی کو کچھ اور بھی آتا ہے؟ میں نے کہا نہیں بھائی! ایسی بات نہیں کوئی اور مولوی ہوتا تو صرف پانچ چھے منٹ اس اہم مسئلہ پر بیان کرتا۔ شاہ جی نے پورا آدھ گھنٹہ اس پر بیان کیا ہے۔ جو شخص ہمیں اس قدر تفصیل سے بیت الخلا کی شرعی حیثیت سمجھا سکتا ہے اس کے علم کے کیا کہنے۔

شاہ جی کا اصل موضوع سیرت صحابہ ہوا کرتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس کو سیرت النبی اور سیرت الصحابہ پر اتنا عبور ہو۔ ہم نے جب بھی شاہ جی سے صحابہ کے متعلق اپنے تئیں مشکل سے مشکل سوال کیا، انہوں نے اس کا جواب اس طرح دیا جیسے وہ کھلی کتاب پڑھ رہے ہوں۔ وہ دقیق

سے دقیق مسئلہ بھی چند منٹوں میں بتادیا کرتے تھے۔

نوجوانوں پر شاہ جی خاص طور پر شفقت فرماتے اور ان کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے جیسے وہ انہی میں سے ہوں۔ میں اکثر ان کے پاس ملتان حاضر ہوتا تو میرا بہت خیال کرتے۔ میں جس قسم کا بھی سوال کرتا وہ اسکا ضرور جواب دیتے۔ واپسی کیلئے اجازت چاہتا تو ایک آدھ دن اور رکنے کا کہتے۔

کہتے...... "اویس میاں، کچھ دیر اور ٹھہر جاؤ کل چلے جانا۔" میں انہیں اپنی مجبوری بتاتا تو اجازت مرحمت فرما دیتے۔ آخری دفعہ جب میں ان سے ملنے ملتان گیا تو شاہ جی نشتر ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ فالج کے اٹیک کی وجہ سے بولنے میں دشواری پیش آرہی تھی .....انہی دنوں والد محترم کا انتقال ہوچکا تھا جس کی اطلاع شاہ جی کو بھی ہو چکی تھی، شاہ جی اس روز مجھے سینے سے لگا کر بہت روئے اور تعزیت کی۔ کچھ اور نوجوان بھی شاہ جی کی عیادت کو آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر شاہ جی [illegible] لی باتوں کے جواب اس طرح دینے لگے کہ گویا کوئی بیماری ہی نہیں۔

خطابت شاہ جی کو وراثت میں ملی تھی۔ بیان میں سمندر کی لہروں جیسی روانی ہوا کرتی۔ شاہ جی ان عام مقرروں کی طرح نہیں تھے جو رٹی رٹائی تقریریں کیا کرتے ہیں۔ بلکہ میں نے اکثر تقریر سے قبل مطالعہ کرتے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیان میں علم ہوتا۔ ایسی ایسی معلومات ہوتیں کہ انسان دنگ رہ جاتا.... بات کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے کہ سننے والے کو سمجھ بھی آجائے اور گراں بھی نہ گزرے۔ سیرت رسول ﷺ سیرت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حکومت الٰہیہ.....ان کے موضوعات ہوا کرتے۔ انداز خطابت نرا مبلغانہ تھا نہ نرا واعظانہ۔ کبھی ہنساتے، کبھی رلاتے، سننے والا کبھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتا انہی کا شعر ہے

ساز وجداں سے سنو نغمہ عرفان ویقیں
یہ وہ نغمے نہیں جو تم کو ربابوں میں ملیں

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو شاہ جی ہمیں روتا ہوا چھوڑ کر بہت دور چلے گئے کہ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ شاہ جی کی ساری زندگی اتباع رسول ﷺ میں گزری، ہمیں منصب صحابہ کا ادراک نہیں تھا، شاہ جی نے منصب صحابہ ہمیں بتایا، سمجھایا اور یاد کرایا۔ شاہ جی نے ساری عمر قوم کو کمیونزم، سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا اور ہمیں بتایا کہ حکومت الٰہیہ کا قیام کس طرح ممکن ہو گا...... آج شاہ جی کو اس دنیائے فانی سے کوچ کئے ۲ برس بیت گئے اور لوگ پکار پکار کر شاہ جی کی تصدیق کر رہے ہیں۔ آخر میں شاہ جی کے ایک پیغام پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں

شاہ جی نے فرمایا:

"کامیاب وہ ہے جس نے اپنا مشن نہیں چھوڑا کامیاب وہ ہے جو مقصد کیلئے جان دیدے، کامیاب وہ ہے جو غداروں سے روشناسی کے لیئے قوم کو بروقت بیدار کردے، کامیاب وہ ہے جو نونہالان وطن کو حقیقت کا راستہ بتائے، کامیاب وہ ہے جو محمد رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے تحفظ کیلئے مرتے دم تک اس کے ساتھ وابستہ رہے وہ کامیاب ہے۔"

محمد عمر فاروق

وہ اکثر یاد آتے ہیں

شاہ جی کو رخصت ہوئے دو سال کا عرصہ پلک جھپکتے ہی بیت گیا۔ لیکن وہ ایک لمحے کیلئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوئے۔ شاہ جی ہمیشہ ہمارے سامنے موجود رہیں گے۔ وہ ہم سے دور کیسے رہ سکتے ہیں۔ وہ ہماری ہر بات کا حوالہ ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تحریر و تقریر اور محفل و مجلس...... غرض ہماری زندگی کے بیشتر گوشے نامکمل رہ جاتے ہیں۔ کم از کم میں اپنی حد تک بلا تأمل کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تیس سالہ عمر عزیز پر ان کی اثر آفریں شخصیت کے گہرے نقوش قدم قدم پر محسوس کیے ہیں۔

شاہ جی کی شخصیت، خطابت، شاعری، زبان و ادب شناسی، مفکرانہ و قائدانہ خصوصیات وغیرہ کا احاطہ کرنے والے بہت موجود ہوں گے۔ لیکن میں اپنی ذات کے حوالے سے ان کے ساتھ تعلق اور اپنی یاد داشتوں کو ہی موضوع سخن بنا رہا ہوں۔

شاہ جی کے خاندان سے ہمارا تعلق پون صدی پرانا ہے۔ راقم الحروف کے دادا جان کے برادر اکبر مولانا حافظ محمد سعد اللہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے خاندان کی حریت فکر و عمل کے مکمل آئینہ دار و ترجمان تھے۔ حافظ سعد اللہ مرحوم بخوبی علم رکھتے تھے کہ ان کے خاندان کے اکثر افراد تحریک بالا کوٹ، تحریک ریشمی رومال اور اس سے پیشتر شاہ پور کے ٹوانوں کے خلاف آزادی کی تحریک میں شہادت اور قید و بند کے مراحل سے گزر چکے تھے۔ یہی آگ تھی جس نے حافظ صاحب کو بے چین رکھا ہوا تھا کہ ۱۹۲۰ء کے زمانہ میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ تلہ گنگ (ضلع چکوال) میں تشریف لائے۔ یہ علاقہ انگریز کے حاشیہ برداروں کی مکمل گرفت اور ان کے ظالمانہ تسلط میں تھا۔ تحریک خلافت کا دور تھا۔ شاہ جی اس علاقہ میں انگریز اور اس کے نمک خواروں کے آہنی حصار کو ضرب یدُاللٰہی سے پاش پاش کرنے کیلئے آئے تھے، لیکن عوام الناس اس حد تک وڈیروں سے مرعوب تھے کہ شاہ جی کو تقریر کے لیے شہر میں جگہ نہ مل سکی۔ حافظ سعد اللہ مرحوم کو علم ہوا تو وہ آپ کو اپنی مسجد (پیراں والی) میں لے آئے اور اپنی صدارت میں شاہ جی کی تقریر کرائی۔ اسی تقریر کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد یہاں حریت پسندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کسی کے روکے نہ رک سکا۔ شاہ جی کے ساتھ یہ تعلق ہمیشہ کے لیے استوار ہو گیا۔ میرے ماموں جناب رفیق غلام ربانی نے بعد ازاں مولانا محمد گل شیر شہید کے ایماء و ترغیب پر ۱۹۴۲ء میں مقامی سطح پر مجلس احرار اسلام کا قائم کی۔ اب الحمدللہ یہ تعلق و رشتہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم ہے۔ حضرت ابو ذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ تلہ گنگ میں غالباً ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ حضرت کا استقبال بھی دیدنی تھا۔ پورا شہر آپکی زیارت کے لیے امڈ آیا تھا۔ چینجی چوک پر بعد از عشاء آپ کی تقریر ہوئی۔ پھر سالوں آپ تشریف نہ لا سکے۔ لیکن اس درمیانی

عرصے میں حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے تپے درپے بلا مبالغہ سینکڑوں دورے کیے اور علاقہ بھر میں دینی جذبہ بیدار کیا، جس کی بدولت بدعات و رسومات کا ریلا رک گیا اور وڈیروں کا خوف عوام کے دلوں سے نکل گیا۔

حضرت ابو ذر بخاری طویل مدت کے بعد ۱۹۸۲ء میں راولپنڈی اور تلہ گنگ کے دورہ پر تشریف لائے۔ تلہ گنگ میں آپ کا قیام جناب رفیق غلام ربانی کے ہاں تھا۔ آپ نے مسجد تریڑاں والی میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا، موضوع تھا۔ "دشمن خداء، دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمن ازواج اصحاب رسول علیہم اجمعین الرضوان کے علاوہ ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے" میری آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کا یہ پہلا موقع تھا، جب آپ کی زیارت اور رفاقت کا شرف نصیب ہوا۔ جب آپ کا تلہ گنگ سے راولپنڈی کے سفر کا نظم بن رہا تھا تو آپ نے ماموں جان سے راولپنڈی چلنے کے لیے کہا میں نے فوراً کہا کہ شاہ جی میں بھی آپ کے ساتھ راولپنڈی جاؤں گا۔ فرمایا کہ پہلے گھر سے پوچھ کر آؤ۔ میں نے کہا کہ میں نے پہلے سے گھر والوں کو بتا رکھا ہے۔ فرمانے لگے! نہیں بتانا نہیں پوچھ کر آنا ہے۔ میں تو اس عمر میں بھی اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھ کر اپنے سفر کا نظم بناتا ہوں۔ گھر سے مجھے جانے کی اجازت مل گئی تو میں دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ گویا میرے لیے سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے۔ پوچھا اجازت مل گئی؟ میرے اثبات میں جواب سے بہت خوش ہوئے اور محترم ماموں جان، مولانا غلام یٰسین جہلمی اور احقر آپ کے ہمراہ بذریعہ بس راولپنڈی روانہ ہوئے۔ احرار کے نامور مجاہد صوفی عنایت محمد پسروری کے فرزند صوفی غلام نقشبند مرحوم کے گھر "صوفی منزل" محلہ عید گاہ میں ہمارا قافلۂ احرار لنگرانداز ہوا۔ (صوفی عنایت محمد پسروری تحریک مسجد شہید گنج کے دوران مولانا ظفر علی خان کی "نیلی پوش" میں شامل تھے اور پیر جماعت علی شاہ صاحب کے مرید تھے۔ صوفی غلام نقشبند کا نام بھی پیر صاحب نے ہی رکھا تھا۔ تحریک کے دوران حقائق سے باخبر ہوتے ہی صوفی عنایت محمد صاحب شورش کاشمیری مرحوم کے ہمراہ احرار میں شامل ہو گئے۔ راولپنڈی میں ہفتہ بھر کا پروگرام تھا۔ برادرم رفیق اختر ان دنوں بارانی ایگریکلچرل کالج میں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے مقامی جماعت کے رہنماؤں کے ساتھ مل کر یہ پروگرام ترتیب دیا تھا۔ شہر میں دروس قرآن کی دھوم مچ گئی۔ اتنے بڑے اجتماعات پھر کم ہی دیکھنے میں آئے۔ مغرب کے بعد مرکزی لال مسجد اسلام آباد میں درس قرآن مجید کا انعقاد ہوا۔ مسجد کے باہر لان میں شاہ جی نے طویل درس قرآن مجید دیا۔ دوران درس، ایران کے سفیر ابو شریف زمانی بھی آخری صفوں میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ شاہ جی ایران کی مجوسیت کا حوالہ دے رہے تھے کہ ابو شریف زمانی نے صاف اردو میں باآواز بلند کہا کہ "مولانا ایران میں مجوسیت نہیں اسلام ہے"۔ مقصد درس کو روکنا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو سفیرِ ایران کی مرعوبیت کا شکار ہو سکتا تھا۔ وہ تو ابوذر بخاری تھے۔ جو سچی بات منہ پر کہہ دینے کے خوگر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ "اللہ کرے ایران میں اسلام آ جائے۔ میں تو خمینی سے صدیوں پہلے کے ایران کی بات کر رہا تھا۔ خیر......!" اس ایک جملے کے بعد آپ نے شیعہ اور شیعیت کی بجائے سبائی اور سبائیت کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے ایران کی اسلام دشمنی اور رافضیوں کی اندرون خانہ سازشوں کو بے

نقاب کیا۔ درس کے خاتمہ پر ابو شریف زمانی نے آپ سے مصافحہ کیا اور کہنے لگے کہ آپ نے ایران کے بارے میں جو کچھ کہا وہ صحیح نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا جو میں صحیح سمجھتا ہوں اس کا اظہار کر دیا ہے۔ اسی دوران ایک نوجوان نے "لعنت بر خمینی" کا نعرہ بلند کیا تو آپ نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ آپ نے بعد میں اپنی رہائش گاہ پر فرمایا کہ میں اس کے سوال کے انداز سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ اس لیے اسے براہ راست مخاطب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ بہر حال جو بات کہنا تھی کہہ دی۔

شاہ جی نے جامعہ سراجیہ نظامیہ میں خطبۂ جمعہ دیا بعد میں لوگ ملنے کے لیے آئے تو گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی وجہ سے جمعیت علماء ہند کا جلسہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ابا جی نے جلسے کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالی۔ لاہور میں جلسہ منعقد ہوا۔ احرار کارکن حفاظتی فرائض انجام دے رہے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر جاری تھی کہ کسی شرپسند نے جلسہ خراب کرنے کیلئے مسلم لیگ زندہ باد کا نعرہ بلند کیا۔ ابا جی سٹیج پر تھے فوراً مائیک پر آئے اور احرار رضا کاروں سے کہا کہ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ کلہاڑیاں سروں سے بلند ہوئیں اور شرپسند پٹ کر زمین پر لوٹنے لگا۔ ابا جی نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت جہاں سے تقریر روکی تھی وہیں سے شروع کیجئے۔ پھر جلسہ کے آخر تک کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ مولانا چراغ الدین شاہ مہتمم جامعہ نے سوال کیا کہ حضرت شرپسند اگر مارا گیا ہو تو اسکی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ تو شاہ جی نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ بھائی باغی کی سزا یہی ہوتی ہے ناں!

۱۹۸۳ء کا سن تھا۔ میں میٹرک کے امتحان سے فارغ ہو چکا تھا۔ میرے سر میں حفظ قرآن مجید اور حصول علم کا سودا سمایا ہوا تھا۔ میں نے شاہ جی کی خدمت میں خط لکھا کہ میں جامعہ خیر المدارس (ملتان) میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ چونکہ خیر المدارس کی تعریف شاہ جی سے سن سن کر یہ شوق پیدا ہو گیا تھا کہ پڑھنا ہے تو خیر المدارس میں ہی پڑھنا ہے۔ اس دوران یہاں تلہ گنگ میں محترم قاری جاوید اقبال صاحب سے پانچ پارے حفظ کر چکا تھا۔ شاہ جی کا جواب آیا کہ اگر ارادہ پکا ہے تو آ جاؤ۔ میں ماموں جان کے ہمراہ ملتان روانہ ہوا۔ رات شاہ جی کے ہاں قیام کیا۔ صبح شاہ جی نے تانگہ منگوایا اور ہم خیر المدارس پہنچ گئے۔ مدرسہ کے اساتذہ و کارپرداز بڑی محبت و عقیدت سے پیش آئے۔ خیر المدارس کے احاطے میں شاہ جی کی ہمشیر (محترمہ سیدہ ام کفیل بخاری صاحبہ) نے بچوں کی تعلیم کے لئے عارضی رہائش کے طور پر کرایہ پر مکان لے رکھا تھا۔ شاہ جی کچھ دیر کے لیے وہاں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد آئے تو ان کے ہمراہ ۱۰،۱۱ سال کا ایک نو عمر بچہ بھی تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ شاہ جی کے بھانجے ذوالکفل بخاری ہیں۔ یہیں بھائی ذوالکفل سے میرا پہلا تعارف ہوا۔ ان دنوں آپ پانچویں یا چھٹی کلاس میں تھے۔ خیر المدارس کے ایک کمرہ میں محفل جمی تو مدرسہ کے خازن مولانا سخی محمد صاحب نے بھی اپنا ایک شعر سنایا۔ جبکہ شاہ جی نے فیض احمد فیض کے جواب میں اپنی نظم "آفتاب آئے ماہتاب آئے، سب سے آخر میں آنجناب آئے" سنائی۔ وہیں شیخ الحدیث مولانا محمد شریف کاشمیری مرحوم سے پہلی ملاقات ہوئی۔

شاہ جی نے میرے داخلے کی بابت اہل مدرسہ سے بات کی اور مجھے درجہ حفظ قرآن میں حافظ محبوب احمد صاحب کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ گھر سے دور رہنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ دوسرے دن ایک ہم سبق عبدالرؤف غبیب سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ بزرگ احرار رہنما ملک عبدالغفور انوری صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے نواسے ہیں اور ذوالکفل بخاری کے دوست ہیں۔ پھر ان دو احباب سے دوستی کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔

ہر جمعہ کو شاہ جی کے ہاں حاضری دیتا کہ میرا ان کے خانوادے کے سوا ملتان میں کون تھا؟ جمعہ کا دن وہاں گزار کر رات واپس مدرسہ میں آجاتا۔ ایک دن شاہ جی فرمانے لگے کہ میں رحیم یار خان کے دورہ پر جارہا ہوں، میرا یہ رقعہ مولوی محمد حنیف صاحب جالندھری مہتمم مدرسہ کو دے دینا کہ وہ تمہیں رات میرے دفتر میں رہنے کی چھٹی لے دیں۔ میں نے رقعہ مولوی محمد حنیف جالندھری صاحب کو پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ اسے اپنے استاد کے پاس لے جاؤ، اگر وہ تمہیں اجازت دے دیں تو رات کو شاہ جی کے دفتر چلے جایا کرو۔ میں وہ رقعہ لے کر اپنے استاد حافظ محبوب صاحب کے حضور پیش ہوا، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انہوں نے رقعہ کو چھونے اور مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ جو حضرات مدارس کے ماحول سے قریبی آگاہی رکھتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ مدارس دینیہ میں اساتذہ کی ناراضی بھی بڑی عجیب و غریب ہوا کرتی ہے۔ بعد میں ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن جب میں اپنے عزیز دوست حافظ محمد سعید کے ہمراہ شاہ جی سے ملنے گیا ہوا تھا تو حافظ صاحب مجھے مدرسہ میں نہ پا کر جلال میں آ گئے تھے۔ مجھے اب تک حیرت ہے کہ مجھ سے یہ سلوک کیوں ہوا؟ جبکہ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ میرے کمرے میں رہائش پزیر طلبہ نے ریڈیو رکھے ہوئے تھے۔ وہ ہر رات باقاعدہ فلم دیکھنے جایا کرتے تھے اور رات کو اکثر غائب رہا کرتے تھے۔ کسی نے انہیں کبھی پوچھا تک نہیں۔ جب کہ میں جمعہ کو مولوی شیر محمد صاحب (نگران دارالاقامہ) سے باقاعدہ اجازت لے کر شاہ جی کے پاس جایا کرتا تھا اور رات کو مدرسہ میں ہی قیام پزیر ہوا کرتا تھا۔ آخر میرا قصور کیا تھا؟ حافظ صاحب نے میرا اور میرے دوست حافظ محمد سعید کا کھانا مطبخ سے بند کرا دیا، البتہ مہتمم صاحب کے کہنے پر رات کو دفتر جانے کی اجازت مل گئی۔ رات دفتر احرار میں گزار کر دن کو مدرسہ آجاتا، صبح دوپہر شام کھانا ہوٹل سے کھاتا۔ دس پندرہ روز کے بعد نا کردہ گناہ کی معافی مانگنے پر، حافظ صاحب کے حکم عالیہ سے ہمارا ''حقہ پانی'' کھول دیا گیا۔ شاہ جی کی محبت میں میں نے یہ ''ظلم'' بھی چپکے سے دل پر سہہ لیا اور کسی کو بھی کچھ نہ بتایا، حتیٰ کہ شاہ جی کو بھی نہیں، کہ میری وجہ سے آپ کی مدرسہ والوں سے ناچاقی نہ ہو۔ ادھر درس گاہ میں میرے حجازی لہجے کو پانی پتی لہجے میں بدلنے کے لیے ایک سال لگا دیا گیا اور مزید سبق نہ دیا گیا۔ ایک سال ضائع ہوتا دیکھ کر اور مدرسہ کے ماحول وغیرہ کے پیش نظر میرا تصوراتی شیش محل چکنا چور ہو چکا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب گھر واپس جا کر کالج میں داخلہ لوں گا۔ رمضان کی چھٹیوں میں گھر آ کر میں نے حافظ صاحب کو اپنے ارادے کی اطلاع بذریعہ خط دی اور کالج میں داخلہ لے لیا۔

شاہ جی زمانہ شناس تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر میرے دل کی کیفیات کو محسوس کر لیا تھا۔ لہذا

انہوں نے مجھے مدرسہ چھوڑنے پر کبھی سرزنش نہیں کی۔ بلکہ میرے لیے وہ ہمہ وقت دعا گو رہے اور میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں قادیان میں احرار کے اولین مبلغ مولانا عنایت اللہ چشتی مرحوم سے میرا رابطہ ہو گیا اور ان کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب "مشاہدات قادیان" کا مسودہ میں نے شاہ جی کے سپرد کیا تو انہوں نے ازحد مسرت کا اظہار کیا اور کتاب کے مقدمے میں اس کا تفصیلاً ذکر کیا۔ یہ بھی ان کی عظمت تھی کہ وہ چھوٹوں کے دل بڑھانے کا اور عزت افزائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ وہ اکثر لوگوں سے میرا تعارف بیٹا کہہ کر کراتے۔ اس قربت کے سبب بعض لوگ مجھے حقیقتاً ان کا بیٹا سمجھتے۔

پھر طویل عرصے تک میں ملتان نہ جا سکا اور وہ ادھر نہ آ سکے۔ لاہور اتفاقاً جانا ہوا تو معلوم ہوا کہ شاہ جی دفتر احرار میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ برادرم محمد رفیق اختر کے ہمراہ دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ اس وقت درس قرآن مجید دے کر فارغ ہوئے تھے۔ دیر تک حال احوال پوچھتے رہے۔ ایک ایک کارکن کا نام لے کر خیریت دریافت کی۔ دوسرے دن میں نے دفتر میں ہی رات بسر کی۔ صبح اجازت لے کر جانے لگا تو فرمایا کہ تمہارے پاس "آتش ایران" ہے؟ میں نے جواب دیا "نہیں" تو کتاب بدیتہً مجھے پیش کی۔

لاہور میں شاہ جی حاجی محمد جہانگیر صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں دو تین روز ملاقات رہی۔ ایک ملاقات میں مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم بھی شریک تھے۔ شاہ جی اپنے معمولات کے سختی سے پابند تھے۔ بیماری کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن معمولات ابھی اسی طرح جاری تھے۔ کہنے لگے ملتان سے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے میں نے خادم دفتر حافظ شاہ محمد چوہان سے تاکیداً دو بار پوچھا کہ طہارت کے لیے مٹی کا ڈھیلا سامان کے ساتھ رکھ دیا یا نہیں اور جب تک آنکھوں سے دیکھ نہ لیا یقین نہ آیا۔ پھر ایک دفعہ مولانا اجمل خان کی مسجد میں ملاقات ہوئی۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ شاہ جی چند مدرسین اور طلبہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ مولانا اجمل خان شاہ جی سے بے نیاز ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ شاہ جی نے اسی محفل میں کسی کے حال پوچھنے پر کہا کہ "میاں حال کیا پوچھتے ہو؟ میر کا یہ شعر میرے حسبِ حال ہے۔

غموں کا بوجھ اٹھائے ترے فراق میں ہم
چراغ اشک جلائے ترے دیار آئے

غالباً مولوی امجد خان نے اسی وقت شاہ جی سے مکرر سن کر شعر ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

شاہ جی نے ساری زندگی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموس کی حفاظت کے لیے صرف کر دی۔ اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کرتے کہ دینی مدارس کے نصاب میں سیرت صحابہ پر جامع اور مستند کتابیں شامل نہیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں طلبہ کی اکثریت جدید فتنوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

امام سادس خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر دشمنوں کی اڑائی ہوئی گرد کو تیس برس تک صاف کرتے رہے۔ اپنوں پرایوں سے گالیاں کھائیں۔ طعنے سہے، لیکن وہ اپنی دھن میں مصروف کار رہے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ایک جلسہ میں نوابزادہ نصر اللہ خان سے ملاقات ہوئی تو میرا بیٹا سید محمد معاویہ بخاری بھی ساتھ تھا۔ نوابزادہ صاحب نے بیٹے کا نام پوچھا تو میں نے نام بتایا وہ کہنے لگے...... اے تیکوں

خراب کریسی، ایندا ناں بدل چھوڑ (تجھے خراب کرے گا، اس کا نام تبدیل کر دو) - بلکہ ایک دفعہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بتایا کہ ان سے ملاقات ہوئی، بچے کا نام پوچھا تو میرے بتانے پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس کے علاوہ آپ کو کوئی نام نہیں ملا۔ لیکن شاہ جی کو بھلا ایسی باتوں کی کب پروا تھی۔ وہ اپنی لگن میں ناموس معاویہ کے تحفظ کی خاطر ہر صعوبت برداشت کرنے کو تیار تھے۔ ملتان میں پہلے یوم معاویہ کے انعقاد پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا تو فرماتے تھے کہ جیل میں، میں نے ستر اشعار پر مشتمل قصیدہ بحضور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لکھا - کاغذ قلم کی اجازت نہ تھی، میں نے کوئلہ سے جیل کی کوٹھڑی کی دیواروں پر لکھ ڈالا۔ رات سیدنا معاویہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر تبسم تھا۔ مجھے اطمینان قلب ہوا کہ میری جدوجہد پر حضرت معاویہ بھی خوش ہیں۔

اسی یوم معاویہ پر شورش کاشمیری برہم ہوئے تھے اور انہوں نے چٹان میں "سید ابوذر بخاری کا نیا اشتغلہ" کے عنوان سے اداریہ گھسیٹ ڈالا۔ جبکہ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسحق سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تجدید سبائیت" کے دیباچے میں سید مودودی پر تنقید کرتے ہوئے فقرہ لکھا تھا کہ "ہمارے قبلہ جانشین، امیر شریعت سید عطاء المنعم ابوذر بخاری مدظلہ ناموس معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحفظ کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ ادھر مودودی نے صحابہ کرام کی لٹیا ہی ڈبو دی"۔

صحابہ کرام کے خلاف شاہ جی کبھی کسی قریبی دوست کی اشارہ یا کنایہ میں کہی گئی بات کو بھی معاف کرنے کے روادار نہ تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ایک ریلوے سٹیشن پر ممتاز شیعہ رہنما (جو تبرہ باز بھی تھے) مظفر علی شمسی دونوں ہاتھ پھیلائے معانقے کیلئے میری جانب بڑھے لیکن میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں دشمن صحابہ سے معانقہ کروں - لہذا میں نے انکار کر دیا۔ چکوال کے قاضی مظہر حسین صاحب نے اکابر کے نام پر، صحابہ کرام کو اور بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تو آپ نے خیر المدارس ملتان کے جلسہ میں قاضی صاحب کو منہ توڑ جواب دیا۔ فرماتے تھے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ قاضی صاحب کو تحریری جواب نہیں دینا - ان کا تو قلمی مناظرہ بازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے، وہ لگے رہیں۔ قاضی صاحب کے متعلقین ان کو وکیل صحابہ لکھا کرتے ہیں - شاہ جی ایک دن ترنگ میں تھے، فرمانے لگے کہ اگر وہ وکیل صحابہ ہیں تو کیا ہم جہنم کے داروغے ہیں؟

ایران کا انقلاب خمینی کے ذریعے برپا ہوا تو شاہ جی فرمانے لگے کہ ہمارے دین کی رو سے اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن جیسا مذہبی انقلاب لانا چاہیئے، وہ خمینی اپنے مذہب کے رو سے صحیح لایا ہے۔

ایران، کینیڈا، فرانس وغیرہ سے ایرانی لٹریچر شاہ جی کو ڈاک کے ذریعے بھیجا جاتا تھا لیکن ایرانیوں کے بغض کا اندزہ لگائیے کہ وہ شاہ جی کے نام میں "معاویہ" کی وجہ سے ایڈریس میں نام کی بجائے آفس مجلس احرار اسلام ملتان لکھا کرتے تھے۔ شاہ جی لٹریچر کو اٹھا کر ایک نظر دیکھتے اور پھر رکھ دیتے۔

طبری کے متعلق فرماتے تھے کہ طبری شیعہ تھا۔ میں نے تاریخ طبری میں پڑھا ہے کہ طبری نے حضرت معاویہ کا نام لے کر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے۔

بعض لوگ شاہ جی کو علامہ محمود عباسی سے متاثر سمجھتے تھے اور اسی بناء پر بعض ستم پیشہ انہیں خارجی کہنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ لیکن خود شاہ جی نے مجھے بتایا کہ میں نے علامہ عباسی کے علم اور بزرگی کا ہمیشہ احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے چار چار گھنٹے بحث کی۔ ایک دفعہ میں نے انہیں کہا کہ عم محترم! آپ نے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنھم کے متعلق فلاں فلاں مقام پر نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا، ہمارے لیے تو وہ لائق تعظیم ہی نہیں واجب الاحترام ہیں۔ تو عباسی مرحوم کہنے لگے شاہ جی مجھے آج تک کسی نے اس انداز میں نہیں کہا۔ جو بھی اُٹھا، خارجی، نیچری، یزیدی سے کم القاب استعمال کیے بغیر اسے تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے یہ سب کچھ ردِ عمل کے طور پر لکھا ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں آپ یہ الفاظ نہیں پائیں گے۔ لیکن پھر موت نے انہیں مہلت ہی نہ دی کہ وہ نظر ثانی کر سکتے۔

غالباً اماں جی کی وفات پر، بہت سے احباب، محمد رفیق اختر، عبداللطیف چیمہ، عباس نجمی، شاہد کاشمیری، ارشد بخاری، کفیل بخاری اور احقر، شاہ جی سے ملنے اور اظہار تعزیت کے لیے ان کے مکان پر گئے۔ شاہ جی نے ہم سب کو اکٹھا دیکھا تو خوش ہو گئے۔ باتوں کا سلسلہ بڑھا تو وہ اپنے پسندیدہ موضوع سیرت اصحاب و ازواج رسول علیھم الرضوان پر آ گئے۔ بھائی سید محمد کفیل بخاری کو خصوصاً اور ہم سب کو فرمانے لگے کہ عزیزان محترم! یاد رکھو، صحابہ کرام کی مغفرت چھے حوالوں سے ثابت ہے۔ میری یہ بات لکھ لو تمہیں کام دے گی۔ جس پر بھائی کفیل بخاری نے فوراً اسے نوٹ کر لیا۔ بعد میں عباس نجمی کہنے لگے کہ آج چودہ برس کے بعد شاہ جی سے ایسی بھرپور نشست مجھے سننے کو ملی ہے۔

شاہ جی نے احرار کارکنوں میں دینی غیرت بیدار کی اور خود بھی مرتے دم تک احرار میں رہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے دورانِ تعلیم خیر المدارس جالندھر میں مجلس احرار کا فارم پر کیا تھا، وہ میرے پاس محفوظ ہے اور میں نے اہلیہ سے کہ رکھا ہے کہ میں مر جاؤں تو وہ فارم میرے کفن میں رکھ دینا تاکہ میں روز قیامت اپنے اکابر کے سامنے سینہ تان کر کہہ سکوں کہ انا الاحرار من المھد الی اللحد (میں گود سے گور تک احرار میں رہا)۔ ایک روز پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ احرار چھوڑ دو اور جمعیت میں آجاؤ تو میں تمہیں مغربی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ بنا دیتا ہوں میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ مولانا احرار ہماری ماں ہے۔ اور جو بچہ اپنی اصلی ماں کو چھوڑ کر کسی اور کو ماں قبول کر لے آپ ہی فرمائیں کہ اسے کیا کہا جائے گا۔ اس پر مولانا فوراً خاموش ہو گئے۔

شاہ جی نے اکابر احرار کا مشن نہیں چھوڑا بلکہ دم واپسیں تک اسکی تکمیل کے لیے مضطرب اور متحرک رہے۔ ان کی مسلسل محنت ہی کی وجہ سے آج مجلس احرار اسلام کا وجود باقی ہے۔ ایک دفعہ ملنے کے لیے ملتان حاضر ہوا تو مولانا محمد علی جالندھری، مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس احرار اسلام کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگے۔ بلکہ فرمایا کہ یہ واقعات لکھ لو۔ تمہیں کہیں سے نہیں ملیں گے۔ افسوس کہ میں نے حافظہ پر انحصار کیا اور بیشتر واقعات بھول چکا ہوں۔

ایک دفعہ بتایا کہ ۱۹۷۰ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے ملاقات کا

سلسلہ شروع کیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھے ملنے کے لیے دفتر احرار لاہور آ رہے ہیں۔ تو میں نے احباب سے کہدیا کہ اسے کہ دو کہ ہم بکاؤ لوگ نہیں ہیں اور نہ ہی وقتی سیاست و اتحاد ہمارا مطمح نظر ہے۔ اسے کہو کہ وہ یہاں نہ آئے اگر وہ آیا تو میں دروازہ بند کر لوں گا اور اس سے نہیں ملوں گا۔ غالباً اس تک میرا پیغام پہنچ گیا اور پھر اس نے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ فرمانے لگے کہ انہی دنوں میں نے لاہور میں جلسہ کیا۔ احرار کارکنوں نے ایک پمفلٹ چھاپا۔ جس میں میرا ایک شعر بھی تھا۔ کسی کارکن نے وہ پمفلٹ بھٹو کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے ایک نظر دیکھ کر فوراً پتلون کی جیب میں اڑس لیا۔ شام کو جب بی بی سی کے نمائندہ نے بھٹو سے ملکی صورت حال پر تبصرہ کرنے کیلئے کہا تو اس نے جیب سے پمفلٹ نکال کر کہا کہ اس سے بہتر کیا تبصرہ کر سکتا ہوں اور ساتھ ہی میرا شعر پڑھ دیا۔ (افسوس کہ وہ شعر یاد سے نکل گیا)۔ فرمایا کرتے تھے کہ آج ابا جی ہوتے تو خوش ہوتے اور میرا حوصلہ بڑھاتے کہ تو کام ٹھیک کر رہا ہے۔ وائے افسوس کو اب تو حوصلہ افزائی کے دو بول کہنے کی بھی کسی کو توفیق نہیں ہے۔ شاہ جی جب بھی لاہور جاتے، جمعہ کی نماز جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ میں ادا کرتے۔ مولانا عبید اللہ انور سے ان کا خاص تعلق تھا۔ ایک دفعہ میری موجودگی میں کسی شخص نے مولانا سے متعلق رائے چاہی تو فرمایا کہ بھائی فی زمانہ ان کا دم غنیمت ہے۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی مولانا ابوالکلام آزاد سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ جبکہ کشمیری رہنما شیخ محمد عبداللہ سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ اسطرح بیسیوں شخصیات کی زیارت اور ملاقات کا انہیں شرف حاصل ہوا۔ البتہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو نہ دیکھ سکنے پر اظہار افسوس فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جب بھی ذکر آتا تو آپ حد درجہ عزت و احترام سے ان کا تذکرہ فرماتے۔ ایک دفعہ احقر اور ذوالکفل بخاری آپ سے باتیں کر رہے تھے۔ علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ چھڑا تو بھائی ذوالکفل کو خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ یاد رکھنا علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ "محسن احرار اور محسن خانوادۂ امیر شریعت" ہیں۔ ان کی عالی ظرفی تھی کہ انہوں نے ابا جی کو امیر شریعت بنایا۔

علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا احترام بہت زیادہ فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے تمام علماء کرام کو ایک ایک دفعہ پھر علامہ شمس الحق افغانی سے پڑھنا چاہیئے۔ ان کے علم کے معترف تھے۔ بریلوی علما کا نام ہمیشہ احترام سے لیا۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ابا جی ہمیشہ فاضل بریلوی کا نام مولانا احمد رضا خان بریلوی کہہ کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح اہل حدیث علماء کا بھی بہت احترام کرتے تھے۔ خصوصاً مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور اخلاق کا تذکرہ کرتے۔

ایک مرتبہ میں نے شاہ جی سے "ابوذر" نام رکھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات پڑھی تو ان کے فقر اور سادگی نے اتنا متاثر کیا کہ میں نے عطاء المنعم کی بجائے ابوذر کا نام اختیار کر لیا لیکن اب یہ میرے ساتھ مسئلہ بن گیا ہے کہ محرم الحرام میں تین تین ناموں (عطاء المنعم، ابوذر اور ابو معاویہ) سے نوٹس آتے ہیں۔

میں ملتان سے تلہ گنگ آ رہا تھا۔ ملنے کے لیے حاضر ہوا تو میرا زاد سفر دیکھ کر فرمانے لگے ہمیشہ سفر

میں سامان حسب ضرورت اور کم ہونا چاہیئے۔ میں خیر المدارس جالندھر سے امرتسر گھر آیا، سامان زیادہ تھا۔ جوانی تھی، اس لیے بار گراں محسوس نہ ہوا۔ گھر پہنچتے دیر ہو گئی، میں نے گھر والوں کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور قریب کی مسجد میں جا کر لیٹ گیا۔ لیکن سفر کی وجہ سے نیند نہ آتی تھی۔ صبح گھر آگیا لیکن آئندہ کے لیے سبق مل گیا۔ رات کو سفر کرنے سے ہمیشہ منع فرماتے اور خود بھی رات کا سفر پسند نہیں کرتے تھے۔ طویل سفر کا پروگرام ہوتا تو بستر ہمراہ رکھتے تاکہ میزبان کو تکلیف نہ ہو۔ فرمایا کہ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا۔

گرمیوں میں پانی بہت ٹھنڈا پیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ لوگ پانی میں برف ڈالتے ہیں اور میں برف میں پانی ڈال کر پیتا ہوں۔ تلہ گنگ میں جون کے مہینے میں تشریف لائے تو زیادہ ٹھنڈے پانی کا اہتمام فوراً نہ ہو سکا۔ کہنے لگے، بھائی فی الحال ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں تو جنوری فروری میں ٹھنڈا پانی پی چکا ہوں۔ بزرگ احرار رہنما مولانا عبدالرحمن میانوی رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر آپ کو ملی تو مجھے فرمانے لگے کہ رات خواب میں مولانا کو ہوائی جہاز کی دم کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا میں نے دیکھا کہ جہاز آسمان کی طرف پرواز کر رہا ہے اور مولانا چیخ پکار کر رہے ہیں۔ آنکھ کھلی تو طبیعت بوجھل ہو گئی اور میں نے یہی خیال کیا کہ مولانا کی وفات ہو گئی ہے۔ اسی قسم کا ایک خواب تبلیغی جماعت کے حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی موت کے متعلق بتایا تھا۔ تفصیلات اب یاد نہیں ہیں۔ فرماتے تھے کہ خواب دیکھ کر صبح بیدار ہوا تو طبیعت انتہائی مغموم تھی۔ اماں جی نے پوچھا حافظ جی کیوں پریشان ہو؟ میں نے عرض کیا کہ لگتا ہے مولانا محمد یوسف کا انتقال ہو گیا۔ آخر کار وہی ہوا اور ان کو مولانا کی وفات کی خبر آ گئی۔

ایک دفعہ بتانے لگے کہ چنیوٹ سے ملتان تک لیاقت بلوچ (جماعت اسلامی کے رہنما) میرے ہم سفر رہے وہ ان دنوں اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ تھے۔ میں انہیں ساتھ گھر لایا اور "تاریخ احرار" انہیں دی۔ میں ان کے نانا کی گود میں امرتسر میں کھیلتا رہا ہوں (اس سفر کی تفصیلات "الاحرار" میں بھی انہوں نے چھاپ دی تھیں)

فرمایا کہ تقسیم کے بعد اباجی کے کسی مرید نے مجھے غالباً چھبیس (۲۶) روپے بطور ہدیہ پیش کیے تو اباجی پاس ہی بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے کہ یہ رقم والدہ کو جا کر دے دو، وہ خوش ہو جائیں گی۔ میں نے حسب الحکم پیسے والدہ کی خدمت میں پیش کر دیے لیکن انہوں نے فوراً یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ بیٹا یہ تمہارا حق ہے، تم انہیں اپنے پاس رکھ لو اور انتہائی خوش ہو کر مجھے دعاؤں سے نوازا۔ اسی رقم سے میں نے کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور پھر اللہ کے فضل سے کبھی رزق کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

شاہ جی تقویٰ میں قرن اوّل کے مسلمانوں کی یادگار تھے۔ ان کے تقویٰ و بزرگی کا تمام حلقوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ مجلس احرار کے مدارس و مساجد کے لیے زکوٰۃ صدقات اور عطیات کی مدات اور ان کی تقسیم کے بارے میں حد سے زیادہ محتاط تھے۔ کپڑے کے بٹوے میں تین خانے بنے ہوتے تھے۔ کرنسی نوٹوں پر مد لکھ کر علیحدہ علیحدہ خانے میں ڈال دیتے۔ راولپنڈی کے سفر سے ملتان واپسی پر فرمانے لگے کہ رات

بھر مجھے نیند نہیں آئی کہ یہ پندرہ پیسے فالتو کہاں سے آگئے ہیں، تو آپ کے خادم خاص نے یاد دلایا کہ راستے میں اخبار خرید ا تھا یہ بقایا پیسے اخبار والے نے دیے تھے۔ تب جا کر اطمینان ہوا اور انہوں نے فوراً روزنامچے میں درج کر لیا۔

تلہ گنگ تشریف لانے پر مجھے کہا کہ گھر سے دھوتی لے آؤ اور غسل دھوتی باندھ کر کیا۔ غسل ہمیشہ باپردہ کیا کرتے تھے۔

ایک دوست کے پوچھنے پر بتایا کہ ایک دفعہ حج بیت اللہ کے لیے درخواست دی تھی، لیکن جب منظوری آگئی تو اباجی شدید بیمار ہوگئے اور میں ان کی نازک حالت کی وجہ سے حج پر نہ جا سکا۔

پردہ کی پابندی خود بھی کرتے اور متعلقین کو بھی سختی سے ہدایات کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "سید ابو الاعلیٰ مودودی کی کتاب "پردہ" بہت اچھی کتاب ہے۔ لیکن افسوس کہ "صاحب پردہ" کے گھر میں پردہ نہیں ہے"۔

اپنے بارے میں بتایا کہ جب میں سن بلوغت کو پہنچا تو اپنے ماموں کے گھر جانا بند کر دیا۔ ایک دن اتفاقاً قصائی کی دکان پر گوشت لیتے ہوئے ماموں سے ملاقات ہو گئی۔ تو انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا کہ تم اب ہمارے گھر نہیں آتے۔ تو میں نے دبے لفظوں میں کہہ دیا کہ ماموں جان اب آتے ہوئے شرم آتی ہے"...... اب تو شرم وحیاء کے یہ قصے داستان پارینہ بن چکے ہیں۔ بے حیائی اور بے حجابی کا طوفان ہماری نسل نو کو تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچا چکا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ دینی اقدار کی پامالی اور کافرانہ تہذیب کی اندھا دھند نقالی ہے۔

شاہ جی وسیع المطالعہ شخص تھے۔ کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہ تھی جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو۔ فرماتے کہ میں نے لینن، ماؤ، مارکس اور ہیگل کے فلسفہ کو کئی کئی راتیں جاگ کر پڑھا ہے اور تب اس پر برسرعام گفتگو کی ہے۔ عربی اور فارسی ادب کا مطالعہ شاید ہی کسی نے ان سے بڑھ کر کیا ہو۔ دین، تاریخ اور ادب نہ صرف پڑھا بلکہ بے نظیر حافظہ کی خداداد صلاحیت سے آخری عمر تک ہزاروں لاکھوں لوگوں تک منتقل کیا۔ آپ نے خود زیادہ کتابیں نہیں لکھیں لیکن تقریر کے ذریعے لاکھوں افراد کو علمی مسائل سے روشناس کرایا۔ جو درحقیقت آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قادر الکلام شاعر بھی بنایا تھا۔ اس صنفِ عظیمہ سے آپ نے بھرپور کام لیتے ہوئے ملحد و بے دین شاعروں کا ناطقہ بند کیے رکھا۔ فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی اور احمد فراز کے جواب میں انہی کی زمینوں اور بحروں میں منظوم جواب لکھا۔ بلکہ فرماتے تھے کہ احمد ندیم قاسمی نے دین اسلام پر سب سے زیادہ طعن و تشنیع کی ہے، اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس نے اگر ایک نظم لکھی تو میں دو نظمیں لکھوں گا۔ آپ نے اپنی ہمشیر سیدہ ام کفیل بخاری کے ساتھ مل کر ایک ادبی پرچہ "مستقبل" کا ملتان سے اجراء کیا جس نے اشترا کی کوچہ گردوں کو لگام دی۔ جگر مراد آبادی مرحوم حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں آنے سے پہلے رند بلا نوش تھے، اور ڈاکٹروں نے جگر صاحب کو ہدایت کر رکھی

تھی۔ کہ شراب نہ چھوڑنا، ورنہ مر جاؤ گے۔ لیکن انہوں نے حضرت رائپوری کی بیعت کے بعد ام الخبائث سے یکسر ہاتھ اٹھا لیا۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ لاہور میں جگر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کے بارے میں شورش کاشمیری نے لکھا تھا کہ جگر کے پسینے سے بھی شراب کی بو آتی ہے کیا یہ حقیقت تھی؟ جگر نے جواب دیا" ارے شاہ جی! اس سے بھی کہیں زیادہ"!

شاہ جی خود اچھے شاعر تھے اور ہر اچھے شعر پر کھل کر داد دیتے تھے۔ جب کوئی انہیں اپنے بے وزن اشعار سنا کر داد وصول کرنا چاہتا تو ان کی ظریفانہ رگ پھڑک اٹھتی اور حاضرین مجلس لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ ایک دفعہ احقر ان کے پاس بیٹھا تھا کہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا محمد صدیق ولی اللہی تشریف لے آئے۔ مولانا باقاعدہ شاعر نہیں ہیں اور نہ ہی شاعری ان کا میدان ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار شاہ جی کو سنانا چاہے تو شاہ جی نے کہا" چھوڑیئے مولانا! آپ نے تو ارائیوں والے اشعار سنانا شروع کر دیئے (اشارہ مولانا کی قوم اور مولانا محمد علی جالندھری مرحوم کی" شعر خوانی" کی طرف بھی تھا)۔ اس پر خود مولانا اور حاضرین مسکرا کر رہ گئے۔

ایک مرتبہ شاہ جی بیٹھک میں بیٹھے تھے ان دنوں آپ کے ہاں مجذوبوں کا جمگھٹا تھا۔ آپ کہنے لگے شاید سارے زمانے کے مجازیب میرے حصے میں ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے خود ہی یہ شعر کہا تھا کہ.......

جو بھی مجذوب ہے زمانے میں
ہم فقیروں کا یار بیلی ہے

تو فوراً کہنے لگے۔ نہیں نہیں میں نے ہرگز یہ شعر ایسوں کے لیے نہیں لکھا تھا۔

شاہ جی نے بتایا کہ بچپن میں، میں نے ایک نعت لکھی تھی۔ جس میں یہ آرزو کی تھی کہ اے کاش ہم بھی مدینے جائیں اور خاک در رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمۂ چشم بنائیں۔ خود تو مدینہ منورہ حاضر نہ ہو سکا۔ لیکن ایک ساتھی نے جناب محمد کریم علیہ السلام کی قبر مبارک کی تھوڑی سی مٹی لا کر دی۔ میں نے جب اسے بطور سرمہ آنکھوں میں لگایا تو کیا بتاؤں کہ میرے دل و دماغ کے سرور کی کیا کیفیت تھی....... اسی پر ایک واقعہ یاد آیا، جس کے راوی میرے والد محترم ہیں کہ ۱۹۷۰ء میں لیاقت باغ راولپنڈی میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں شاہ جی نے عشاء تا اذان فجر خطاب کیا۔ تقریر میں سراسر سیاسی حالات کا تجزیہ تھا۔ لیکن سامعین نے جم کر ساری رات آپ کی تقریر سنی۔ ایک جلوس بھی نکالا گیا جب جلوس مولانا غلام اللہ خان کی مسجد کے قریب پہنچا تو مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے مسجد کی چھت سے شرکاء جلوس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں اور نیچے آ کر شاہ جی سے مسجد میں آنے کیلئے کہا لیکن آپ نے انکار کر دیا یہ انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع موتی کے مسئلہ پر جمعیت اشاعت التوحید کے امت مسلمہ سے اختلاف کی بنا پر تھا۔ مولانا نے بار بار شاہ جی کو اپنی سالانہ کانفرنسوں پر دعوت خطاب دی۔ لیکن آپ راولپنڈی میں اکثر آمد و رفت

کے باوجود اپنے مؤقف کی مضبوطی کی بناء پر ڈباں نہ گئے۔

۱۹۹۲ء میں شاہ جی سے آخری ملاقات ہوئی۔ جب میری کتاب "مولانا محمد گل شیر شہید... سوانح و خدمات" اشاعت پزیر ہوئی تو کتاب پیش کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ بھائی سید محمد کفیل بخاری بھی میرے ہمراہ تھے۔ اس کے بعد میں ملتان نہ جا سکا۔ البتہ شاہ جی سے خط و کتابت کے ذریعہ سے ان کی صحت و حالات کا علم ہوتا رہا۔ ایک خط میں شاہ جی نے لکھا کہ...... "اسے میرا آخری خط سمجھنا اور میری خطاؤں اور میرے گناہوں کو معاف کر دینا"۔

خط کا نفس مضمون ہی ایسا تھا کہ دل مسوس کر رہ گیا۔ زندگی سے اتنی ناامیدی ان میں کبھی نہ دیکھی تھی۔ فی الواقع یہ ناامیدی نہ تھی بلکہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اب پیمانۂ عمر چھلکنے والا ہے۔ شاہ جی کا یہ خط آخری خط ہی ثابت ہوا۔ اس کے بعد مختلف احباب کی زبانی ان کی طویل علالت کے حالات کا علم ہوتا رہا۔ میں مسائل و حالات میں ایسا پھنسا کہ ان کی عیادت کیلئے بھی نہ جا سکا۔ ناگاہ ایک رات مقامی احرار رہنما ملک محمد صدیق نے دروازے پر دستک دی۔ باہر نکلا تو انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں شاہ جی کی رحلت کی خبر دی۔ یہ غمناک خبر سن کر کلیجہ منہ کو آگیا۔ اور آنکھوں کے سامنے گزشتہ واقعات کی تصویریں متحرک ہو گئیں کہ وہ عظیم شخص جو تمام عمر طاغوتی قوتوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔ بے سرو سامانی اور تہی دامانی کے باوجود کمیونسٹوں، ملحدوں، رافضیوں، مرزائیوں، پرویزیوں، اور جمہوریت زادوں کے خلاف مجاہدانہ لڑتا رہا اور کبھی ہار نہ مانی وہ فقیر منش انسان جو فاقے کاٹ کاٹ کر ظالم جاگیرداروں، سرمایہ پرستوں اور وڈیروں سے ٹکراتا رہا۔ لیکن کبھی کوئی اسے خرید نہ سکا اور نہ کوئی جھکا سکا۔ وہ مرد دلاور جو اکابر کے مسلک و عقیدہ کے تحفظ کی خاطر اپنوں سے بھی ٹکراتا رہا۔ اور میدان وغا میں سینہ تان کر کھڑا رہا۔ شہرت و ناموری کو حصول عقائد پر تج کر، استقامت کا کوہ ہمالہ بن کر، غیرت و حمیت اور شجاعت و دلاوری کا نشان عظیم بن کر مصائب میں بھی خندہ زن رہا۔ لیکن آج موت کے ہاتھوں جان ہار گیا۔

تمہیں اہل دل کی خبر نہیں کہ جہاں میں گنج لٹا گئے
یہ گداگران دیار غم، یہ قلندرانِ تہی کدو

رات کو ہی عازم ملتان ہوا۔ لیکن غم زدہ و ملول، دل شکستہ اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ ملتان پہنچا بھائی کفیل بخاری، ذوالکفل اور محسن شاہ جی مدظلہ غم سے نڈھال مگر مجھے دلاسہ دے رہے تھے۔ دار معاویہ پہنچا تو برادران محمد معاویہ بخاری اور محمد مغیرہ بخاری اپنے تاریخ ساز والد کی وفات پر اشک رواں کے ساتھ ملک کے اطراف و اکناف سے آنے والے سوگواروں کی تواضع میں مصروف تھے۔ برادرم سید محمد معاویہ بخاری مجھے اور حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کو شاہ جی کا رخ انور دکھانے کے لیے اندر لے گئے۔ لیکن وہاں میرے ممدوح شاہ جی نہ تھے وہ کبھی یوں خاموشی سے نہ لیٹے تھے۔ وہ چہرہ شاہ جی کا نہ تھا۔ وہ تو مجھے دیکھتے ہی

فرماتے تھے "فاروق بیٹا خیریت سے پہنچ گئے" میرے شاہ جی کہاں گئے۔ میں بہتی آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ مجھ سے بے نیاز یوں لیٹے تھے کہ اب ایک ہی دفعہ حشر کو اٹھنے کا عزم تھا۔ کہ یہ بھی کوئی ساتھ ہے؟ دنیا کا چند روزہ، عارضی، وقتی اور ناپائیدار ساتھ! اب فاروق بیٹا ہمیشہ وہاں ساتھ رہیں گے۔ لیکن شاہ جی آپ خود چلے گئے، مجھے لے کر کیوں نہ گئے۔ پہلے تو ہر سفر پر مجھے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتے تھے۔ لیکن وہ تو ان باتوں کا جواب بہت عرصہ پہلے دے چکے تھے......

میں چلا جاؤں گا آخرت کی طرف، میرے غم کی نہایت بھی ہو جائے گی
سوچتا ہوں کہ کیا ان پہ بیتے گی جو، وقف تھے خندۂ پُر شرر کے لئے
زندگی کٹ گئی راہ کو دیکھتے، منتظر ہم رہے راہ بر کے لئے
اتنی لمبی شبِ غم گزاری مگر، صرف اک لحۂ مختصر کے لئے

ہماری دعوت

★ ہماری دعوت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اپنے اصول و حقوق کے مکمل دینی، قانونی اور سیاسی تحفظ کی خاطر ہر مصلحت، لالچ اور خوف سے بے پرواہ ہو کر اجتماعی جدوجہد کے لیئے اٹھ کھڑے ہوں! کیونکہ ؟

★ مروت کی ایک حد ہوتی ہے "رواداری" اور "بے غیرتی" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اندھی اور غیر مشروط رواداری "یہودیت و سبائیت" کے دودھ سے پلا ہوا وہ طویل العمر، زہرناک اور خونی اژدھا ہے جس نے اہل سنت کی بے شمار نسلوں کو موت کی نیند سلا دیا اور ظاہر ہے کوئی ہوش مند کھلی آنکھوں "حرام موت" مرنا ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔

★ ہم غیروں سے کچھ چھیننا نہیں چاہتے بلکہ صرف اپنے اصول و عقائد کی تبلیغ، عبادات و شعائر کے بقاء اور تمام اکابر کی یاد منانے اور ان کے فضائل و مناقب کی اشاعت و تشہیر نیز ان کے احترام و تعظیم کیلیئے مکمل تحفظ کے سلسلہ میں اپنے غصب شدہ حقوق کی بازیابی و بحالی ہمارا مطمح نظر ہے۔ لہذا۔

★ جو لوگ اس دعوت کو حق سمجھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دے اور جو سنگ دل غفلت، حسد، منافقت، سازش یا جبر و تشدد کے ذریعہ اس کے راستے میں روڑے اٹکا کر ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کی توہین نیز امت کی اکثریت کی بے عزتی پر مجرمانہ ہنسی ہنستے اور اس کی مظلومی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

وہ خدا کے ہاں اپنا جواب سوچ لیں۔ (سید ابوذر بخاری)

محمد رفیق اختر

حسن کردار کا نقش تابندہ

تحریک طلبا اسلام نے ۱۹۸۴ء میں، قائد احرار، جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خطاب کی اشاعت کا اہتمام کیا تو اس رسالے کے سر آغاز میں، میں نے بھی "عرض مرتب" کے طور پر کچھ باتیں کہی تھیں میں نے لکھا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔

۱۹۷۹ء میں بندہ گورنمنٹ کالج ملتان میں زیر تعلیم تھا۔ ملک میں اکثر علماء کے غیر ذمہ دارانہ اور فتنہ انگیز طرز عمل کے باعث اس کمیونٹی کے بارے میں میرے دل و دماغ میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ بلکہ نفرت کے جذبات تھے۔ عثمان آباد کالونی میں واقع مسجد معاویہ مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہاں جمعتہ المبارک کے اجتماعات پر شاہ جی کے بصیرت افروز خطبات سننے کے مواقع میسر آئے اور پھر متعدد بار آپ کی مجلس میں شریک ہوا تو رسمی ملاقاتیں ایک خاص تعلق میں تبدیل ہو گئیں۔ آپ کی سادگی، درویش منشی، علم و اخلاق، تقویٰ، خطابت، جرأت و بے باکی اور حق گوئی نے بے حد متاثر کیا۔ میں نے ان اوصاف اور حسن کردار کی بدولت نہ صرف آپ کو دین کے نام نہاد ٹھیکیداروں سے قطعی مختلف پایا بلکہ دل نے یوں گواہی دی کہ دنیا میں ابھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جن کی بدولت مغربی مفکرین کے پروپیگنڈے اور عصر حاضر کے فکری اور نظریاتی فیشنوں کے سیلاب کے باوجود اسلام کا آفاقی نظام آئندہ نسلوں تک پہنچ رہا ہے۔

جانشین امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں یہ چند سطور میں نے ۱۹۸۴ء میں تحریر کی تھیں۔ اس وقت راقم کی نیازمندی کو چار سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ آج تیرہ برس کے بعد بھی میرا دل شاہ جی کے بارے میں ایسے ہی جذبات اور احساسات سے معمور ہے۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دل پر ان کی روحانی و علمی عظمت کا نقش مزید گہرا ہوا ہے۔

میرا گھریلو پس منظر مذہبی نہیں تھا اور نہ میرا رجحان مذہب کی جانب تھا۔ پھر جدید تعلیمی اداروں میں ذہنی نشوونما کے باعث سائنسی انداز فکر نے تنقیدی روّیے کو عادت بنا دیا تھا۔ شاہ جی کی وسعت مطالعہ اور مدلل (Logical) انداز گفتگو نے ہمیشہ مجھے سوچ و فکر اور جستجو کی نئی راہیں دکھائیں۔ ان کی جانب سے میرے لئے حوصلہ افزائی اور بزرگانہ شفقت کی انتہا یہ تھی کہ ہر شخص سے میرا تعارف اپنا بیٹا کہہ کر کراتے تھے۔ نومبر ۱۹۸۶ء میں انہوں نے "حکومت الٰہیہ" کے موضوع پر اپنا ایک خطاب شائع کیا تو "تقدیم" میں راقم کے بارے میں لکھا کہ:

" عزیز محمد رفیق اختر کو اس کے اخلاق و انداز ربط و تعلق اور حلقہ جماعت میں بالکل نووارد ہوتے ہوئے بھی اپنے خلوص اور محبت اور حسن کارکردگی کے ذریعہ سے دل کے قریب ہونے کے باعث بیٹوں کے برابر

سمجھتا ہوں اور بیٹا سمجھ کر ہی اس کی علمی و فکری اور دینی تربیت سے گہری دلچسپی رکھتا ہوں
شاہ جی کی اسی شفقت اور محبت کے باعث میں ان کی مجالس میں بعض اوقات "گستاخ" ہو کر ایسے سوالات بھی پوچھ لیتا تھا کہ جن کے پوچھنے کی جرأت شاید کوئی اور نہ کرسکتا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی جرأت و جسارت کی اجازت مرحمت کرنے والے شاہ جی کے علاوہ کوئی اور نہ ہوسکتا تھا۔ ان کی بصیرت، دور اندیشی اور عظمتِ کردار کی دلیل ان کی یہی ادائیں تھیں۔

مثلاً میرے ذہن میں ایک منظر ابھرتا ہے............ غالباً ۱۹۸۱ء میں مدرسہ خیرالمدارس ملتان کا سالانہ جلسہ تھا شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ دورانِ خطاب بخاری شریف کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت عمر کا ذکر آیا تو شاہ جی نے اس ضمن میں غلام احمد پرویز کے تبصرہ پر تنقید کرتے ہوئے جوش خطابت میں کہا کہ "آجکل کا اُلو کا پٹھا" یوریپین مستشرقوں اور دہریوں سے متاثر بلکہ ان کا داشتہ اور چیلا قسم کا شاگرد یہ کہتا ہے"

شاہ جی خطاب سے فارغ ہو کر گھر واپس پہنچے۔ عقیدت مند جمع تھے اور اپنے اپنے انداز میں اس خطاب کی ستائش کررہے تھے۔ میں خاموش ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ جی نے میرا تبصرہ جاننے کے لئے نگاہ اٹھائی۔ میں نے نہایت ادب سے کہا کہ آپ نے اپنے خطاب میں تاریخ و سیرت کے کئی گوشوں پر خوبصورت انداز میں گفتگو فرمائی لیکن آپ نے غلام احمد پرویز کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ اس لب و لہجہ میں اصلاح اور تبلیغ کرنا کس پیغمبر کی سنت ہے؟ یقین کیجئے اس سوال پر شاہ جی نے مجھے سرزنش کرنے کی بجائے فرمایا--- "بیٹا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ جوشِ خطابت میں بعض اوقات ایسے غیر مناسب الفاظ ادا ہوجاتے ہیں۔ اللہ مجھے معاف کرے"

یہ ایک اور منظر ہے.........۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کی تحریک عروج پر تھی۔ ملک کی تمام دینی و سیاسی جماعتیں اس پلیٹ فارم سے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک میں شامل تھیں۔ لیکن شاہ جی انفرادی طور پر حکومت کی مخالفت کے باوجود قومی اتحاد میں شامل نہ ہوئے۔ اس وقت شاہ جی سے میرا ابتدائی تعارف تھا۔ ایک اور ملاقات پر میں نے اس پالیسی کے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا کہ------- "میں نے مولانا مفتی محمود کو دینی جماعتوں کا اتحاد تشکیل دینے کی تجویز دی تھی لیکن وہ اس کی بجائے وسیع تر اتحاد کے حامی تھے۔ اب عبدالولی خان اور بزنجو سمیت تمام جماعتیں اس اتحاد کا حصہ ہیں، جن کو نفاذ اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔ اس اتحاد میں ہر جماعت کے اپنے سیاسی اغراض ہیں جبکہ میرے نزدیک دین کی قدر مشترک کے بغیر نہ تو کوئی اتحاد کامیاب ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے مطلوبہ مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ لوگ بہت جلد قومی اتحاد کے انجام سے اس حقیقت کا اعتراف کرنے لگیں گے"۔ اور اس حقیقت کے اعتراف میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔

اور یہ ایک تیسرا منظر ہے .... قومی اتحاد کی تشکیل کے حوالہ سے مولانا مفتی محمود

اور شاہ جی کے اختلافات کی بازگشت دینی حلقوں میں اکثر سنائی دیتی تھی۔ ایک روز عصر کے بعد قاسم العلوم ملتان میں ایک مولوی صاحب دفتر میں شاہ جی سے ملنے آئے اور ہدیہ پیش کرنے کے بعد بڑی عقیدت کے ساتھ ان کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ مختصر تعارف کے بعد گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھا تو مولوی صاحب نے شاہ جی کی مذمت میں مولانا مفتی محمود کی نجی مجلس کی کوئی گفتگو سنانا شروع کر دی۔ تھوڑی خاموشی کے بعد شاہ جی نے بڑے جلال آمیز انداز میں ہدیہ واپس کرتے ہوئے ان مولوی صاحب سے کہا کہ میرا یقین ہے مفتی صاحب جیسا انسان میرے بارے میں ایسے کلمات اداء نہیں کرسکتا۔ آپ تشریف لے جاسکتے ہیں''۔

شاہ جی نے میری درخواست پر ۱۹۸۳ء کے بعد دو، تین سال مختلف وقفوں سے راولپنڈی اور اسلام آباد کے متعدد تبلیغی دورے کئے۔ میں ان دنوں راولپنڈی میں مقیم تھا۔ ابتداء میں چونکہ وہاں کے جماعتی کارکن بھی زیادہ فعال نہیں تھے تو ہم کئی مرتبہ روالپنڈی سے عام ویگن میں بیٹھ کر اسلام آباد گئے اور پھر خطاب کے بعد ویگن پر ہی واپس آگئے۔ شاہ جی کی سادگی اور درویش منشی کا یہ انداز اسلام آباد اور راولپنڈی کے سرکاری اور غیر سرکاری علماء اور خطباء کے لئے بڑی حیرت کا باعث ہوتا تھا۔

دوسری طرف فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی میں کالج اور یونیورسٹی کے دوستوں کو ملاقات کے لئے مدعو کرتا تو شاہ جی ان کی تواضع کے لئے اپنی جیب سے خرچ کرتے۔ طلباء کے ساتھ بے تکلفانہ مل بیٹھتے۔ لطائف وظرائف، شعر وشاعری، تاریخی واقعات اور علمی نکات سے ایک جادو جگائے رکھتے۔ نوجوانوں کی صحیح تربیت اور فکری رہنمائی میں کوتاہی ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا۔ اس جرم کے مرتکب علما اور مذہبی جماعتوں کو انہوں نے کبھی معاف نہ کیا۔

※ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے امتیازات بہت ہیں اور ان کا احاطہ کرنا بہت دشوار ہے۔ چند باتیں جو فوری طور پر میرے ذہن میں آتی ہیں، یہ ہیں کہ.........

※ وہ تمام عمر مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے۔ زبان وبیان کی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے جماعت کو مستحکم فکری بنیاد بھی مہیا کی اور کارکنوں میں جماعتی عصبیت پیدا کرنے کی شعوری کوشش بھی کی۔

※ انہوں نے حب جاہ اور حب زر سے بے نیاز ہو کر نہایت خاموشی اور نہایت استقلال کے ساتھ تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ یہ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم تمام عمر ان کی دلچسپی اور گفتگو کا اہم موضوع رہا۔

※ اردو، عربی، اور فارسی پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی اور برمحل الفاظ کے استعمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

※ ذرائع ابلاغ کی ترقی کے اس عہد میں جب بڑے بڑے عابد و زاہد خود نمائی کی دوڑ میں شامل ہیں۔

شاہ جی نے اپنے ہم سفروں کے برعکس ہمیشہ خود کو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے دور رکھنے کی کوشش کی اور اس کی بنیادی وجہ اخبارات کے مالکان اور صحافیوں کی ترجیحات، ان کے طرز فکر اور طرز عمل سے ان کی بیزاری تھی۔

* وہ اس یقین کے ساتھ علمی سطح پر ردِ رفض میں ہمیشہ پیش پیش رہے کہ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدف تنقید بنانے کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہؑ تربیت و تزکیہ کو مشکوک بنانا ہے۔

* وہ بنوامیہ کی انتظامی صلاحیتوں کو ہمیشہ خراج تحسین پیش کرتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلامی سیاست کا آئیڈیل قرار دیتے تھے۔

* راقم نے ایک مرتبہ راولپنڈی میں مولانا محمد انظر شاہ کشمیری (فرزند حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ) کا طویل انٹرویو کیا تو انہوں نے قاری محمد طیب صاحب مرحوم کے حوالے سے شاہ جی کے بارے میں کہا کہ "آپ اس وقت پاک و ہند میں علم اسماء الرجال کے امام ہیں"۔

* شاہ جی نے اپنے عقیدت مندوں اور کارکنان جماعت میں تحریک احیاأسماء الصحابہ کا آغاز کیا اور لاکھوں بچوں کے نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں پر رکھے۔ جس کے نتیجے میں بچوں کے عربی نام رکھنے کا رواج عام ہوا۔

* علامہ محمد احمد عباسی کی کتاب "خلافتِ معاویہ ویزید" شائع ہوئی تو تمام مذہبی حلقوں نے اس کی اشاعت پر شدید تنقید کی۔ لیکن شاہ جی نے جہاں مؤلف کے انداز تحریر سے بھرپور اختلاف کیا وہاں پوری جرأت کے ساتھ تاریخی واقعات کے حوالے سے اس کاوش کو سراہا۔ علامہ عباسی کہا کرتے تھے کہ "ان کا اختلاف مجھے گوارا ہے۔ مجھے پنجاب سے صرف سید ابوذر بخاری کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے"۔

* ماحول کی رعایت سے گفتگو ان کی افتاد طبع کے ہی خلاف تھی۔ اجنبی ماحول میں ان کی جرأت اظہار میں اور نکھار پیدا ہو جاتا تھا۔

* جدید تعلیم یافتہ طبقے کی فکری آبیاری کو بہت اہمیت دیتے تھے اور ان سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔

* دینی جماعتوں اور ان کی قیادت سے مایوس تھے اور ان کو نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی فکری اور عملی بے راہ روی کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔

* انگریزی زبان پر دسترس نہ ہونے کے باعث بعض اوقات حسرت کا اظہار کرتے تھے۔

* ملک میں دینی جماعتوں کے اتحاد پر اصرار کی وجہ سے اپنے عہد کی مقبول مذہبی قیادت سے ان کا ہمیشہ اختلاف رہا مگر قومی سطح پر انہی قیادتوں کے ہر اچھے اقدام کو سراہنے میں شاہ جی نے ہمیشہ وسعت ظرف کا مظاہرہ کیا۔

* وہ دنیا کی ایسی انقلابی تحریکوں سے متاثر تھے جن میں معروضی تقاضوں کے پیش نظر نظام جماعت کو

معطل کر کے ایک ڈکٹیٹر کو فیصلوں کا اختیار دیا جاتا تھا۔ برصغیر میں مجلس احرار اسلام کی مختلف تحریکات میں بھی اس سوچ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

* اپنے ہم عصر علما میں علامہ شمس الحق افغانی سے وہ بہت متاثر تھے اور ان کے علم و فضل کا برملا اعتراف کرتے تھے۔

* ترقی پسند شعراء سے فکری و نظریاتی اختلافات کے باوجود انہوں نے فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی اور احمد فراز کی بعض شعری و ادبی کاوشوں کی ہمیشہ داد دی۔ لیکن اپنی نظموں اور غزلوں میں ان سے اپنے فکری اور نظریاتی اختلاف کا بھرپور اظہار بھی کیا۔

* پاکستان میں دینی جماعتوں کی سیاسی روش کو وہ مذہبی قیادت کے لئے خودکشی قرار دیتے تھے۔ آج نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

* مختلف شہروں میں تبلیغی دوروں کے موقع پر آپ اہل ثروت عقیدت مندوں کی بجائے غریب کارکنوں کی دلجوئی کے لئے ان کے ہاں قیام و طعام کو ترجیح دیتے تھے۔

یوں تو شاہ جی کو ہم سے جدا ہوئے دو برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ نہ صرف ان کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ اور کمالات علمیہ کا ذکر علمی و ادبی حلقوں میں بہت دیر تک باقی رہے گا۔ بلکہ وہ اپنے عظیم فکری سرمائے اور اعلیٰ پائے کی شاعری کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیں گے

❖

معاویہ رضی اللہ عنہ — حق بر حق

بشارۃِ رسول علیہ السلام

برائے

خلافتِ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "نَظَرَ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "يَا مُعَاوِيَةُ! إِنْ وَلِيتَ أَمْرًا؟ فَاتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ" اهـ!

"تطہیر الجنان" صفحہ ۱۵، طبع مصر ۱۳۶۵ھ — ۱۹۵۶ء

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق خود براہِ راست حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ: "ایک موقع پر سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ: "اے معاویہ! اگر تم مسلمانوں کے والی و حاکم اور خلیفہ بن جاؤ؟ تو پھر اللہ کا لحاظ رکھنا اور انصاف کرتے رہنا"!

❖

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری

"وقت کی آواز"

کپکپاتی ہیں اگر وحشتیں ڈرتے کیوں ہو؟
طلعتِ شوق کی تنویر یونہی ہوتی ہے
چشمِ ایام سے خوں بن کے برستا ہے جلال
جب وہ اخلاف کی نکبت پہ لہو روتی ہے
دورِ ماضی کا جہانتاب وہ عہدِ زریں!
دُرجِ تاریخ کا یکتا و گراں موتی ہے
ہے یہ دنیا و جہاں مزرعِ عقبیٰ لاریب
حاصلِ عمر ہے تدبیر جسے بوتی ہے
تم میں مفقود ہے گر عزمِ مکافاتِ عمل
پھر نہ دو طعنہ کہ تقدیر پڑی سوتی ہے

*

جب کِھلا غنچۂ ایقاں تو فسوں زار جہاں
صورتِ برق طپاں شعلہ فشاں بھڑکے گا
جب جلی تیرگئی یاس میں شمعِ امید
ظلمتوں میں بھی تجلی کا سماں پھڑکے گا
فکر بدلیں گے، نظر بدلے گی، تم بدلو گے!
پھر تو کردار میں ایثارِ نہاں دھڑکے گا

میں تو کہتا ہوں طواغیت تڑپ اٹھیں گے
دستِ الہام سے جب عقل کا در کھڑکے گا
بجلیاں ظلم کی گرتی ہوئی رک جائیں گی
اتنی شدت سے رعد فغاں کڑکے گا

*

وقت کے قصر میں فغفور و سکندر ہی نہیں
میرے دامن میں خلافت بھی ہے جمہور بھی ہیں
میری منزل کا نشاں نجم سحر ہی تو نہیں
میری وادی میں کئی مہرفشاں طور بھی ہیں
نالۂ دل، دودِ فغاں ہی نہیں میری نوا
میری آواز میں پنہاں کئی منشور بھی ہیں
میری نظروں میں ہیں دہقان و عوام و مزدور
چبھتے نشتر بھی ہیں، رِستے ہوئے ناسور بھی ہیں
میرے افکار کی پہنائیاں دیکھو کہ یہاں
دین و دنیا کے قوانین ہیں دستور بھی ہیں

*

☆☆

جاوید اختر بھٹی

شاہ جی سے پہلی اور آخری ملاقات

ایک دن میں، رفعت عباس اور معاویہ بخاری، ذوالفقار علی بھٹی کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے معاویہ بخاری سے کہا آپ کے ساتھ مدت سے ملاقات ہو رہی ہے اور ایک مدت سے خواہش ہے کہ آپ کے والد سید ابوذر بخاری صاحب سے ملاقات ہو۔ لیکن کوئی صورت ہی نہیں بنتی۔ معاویہ بخاری نے کہا "ابھی چلو"۔ میں اور رفعت عباس ان کے ساتھ چل دیئے۔

میں نے دیکھا ایک کشادہ کمرہ ہے اس میں ایک مضبوط چارپائی پر بوڑھا سپہ سالار لیٹا ہوا ہے۔ وہ ایک ایسی فوج کا سپہ سالار تھا جس میں اس جیسا کوئی نہ تھا۔ اس حقیقت کا علم اس کی فوج کو بھی تھا۔

وہ جنگ ہارا ہوا سپہ سالار نہ تھا۔ اس نے بہت سی فتوحات کی تھیں۔ اس نے کبھی کوئی جنگ نہیں ہاری۔ کبھی کسی محاذ پر شکست نہیں کھائی۔ وہ تنہا ہزاروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔

لیکن ایک کمرے میں تنہا اور کمزور شخص بیٹھا تھا طبیعت میں بے چینی تھی، اداسی تھی، تھکن تھی، بے زاری تھی، لیکن ماتھے پر روشنی اور چہرے پر سچائی کا نور تھا۔ وہ بہت کمزور ہونے کے باوجود بہت طاقتور دکھائی دے رہا تھا۔

معاویہ بخاری نے سپہ سالار سے کہا یہ جاوید اختر بھٹی اور رفعت عباس ہیں۔ سپہ سالار رفعت عباس کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا "آپ شیعہ ہیں؟ یہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ گفتگو کرتے ہوئے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو آپ کو بری لگے"۔ رفعت نے کہا نہیں "شاہ صاحب" میں شیعہ نہیں ہوں" اس کے باوجود گفتگو میں ایسی کوئی بات نہ آئی۔

میں نے ان کی صحت کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ اور تسلی دی کہ آپ اسقدر اُداس نہ ہوں۔ ابھی آپ کو بہت سا کام کرنا ہے۔ آپ چلنے کی کوشش کریں۔ آپ لکھنے کی کوشش کریں۔ آپ ہمت سے کام لیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سپہ سالار جانتا تھا کہ بیماریوں کی ایک فوج اس کے جسم سے برسرپیکار ہے۔

شاہ صاحب نے بار بار مجھ سے کہا "آپ سے پہلے ملاقات ہوئی ہے؟" اور بعد ازاں میں نے کہا کہ وہ شاہ صاحب سے آخری ملاقات تھی۔ تاکہ پہلی ملاقات پر بات ہی نہ ہو۔ مجھے تو سوچتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہی کہ ایسی بڑی شخصیت کے ساتھ ایک ہی ملاقات نصیب میں تھی؟

شاہ صاحب نے کہا "بھٹی تم سے ملاقات ہوئی ہے"۔ میں نے کہا "نہیں پہلی بار حاضر ہوا ہوں"۔ میں نے محسوس کیا کہ کوئی کان میں کہہ رہا ہے۔ ارے او بد نصیب پہلی بار آئے ہو؟ ہاں! آخری بار آئے ہو۔ شاہ صاحب سے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ وہ بار بار اپنی آنکھوں پر ستارے لے آتے اور کہتے "افسوس کہ میں گفتگو میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا"۔ یہ وہ شخص کہہ رہا تھا۔ جو اپنے لشکر سے گھنٹوں خطاب کیا کرتا

تھا۔ وہ شخص آج بولنے سے معذوری کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ شخص جس نے اتنا زیادہ لکھا۔ وہ آج لکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ شخص کہ جو کھائے بغیر تو سو سکتا تھا لیکن پڑھے بغیر نہیں سو سکتا تھا۔ اس میں پڑھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ کہ جو سارا سارا دن لوگوں کے ہجوم میں رہتا تھا۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ تھوڑی سی دیر میں بے چین ہو گیا ہے۔ وہ کہ جس نے بہت بڑے علاقے کو فتح کیا تھا۔ اب زمین پر ایک قدم بھی نہیں رکھنا چاہتا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ ملاقات تھی ہی نہیں۔ یہ عیادت تھی اور ہاں اب میں زندگی بھر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں شاہ صاحب سے ملا ہوں۔ اُن سے باتیں کی ہیں۔ اور ان آنکھوں نے ان کا چہرہ دیکھا ہے۔

محبت کا بے پناہ اظہار تو دیکھئے جب میں اور رفعت واپس آنے لگے تو اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے. میں نے اُن کے رونے کی آواز سنی ہے۔

ایک دن کفیل بخاری کا فون آیا کہ سپہ سالار اپنی فوج کو چھوڑ کر تنہا اس دنیا سے کوچ کر گیا ہے۔ سنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا جنازہ ملتان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ لیکن میں نے تو سپہ سالار کا جنازہ دیکھا ہے۔

کسی نے مجھ سے پوچھا "یہ کس کا جنازہ ہے"؟

میں نے کہا۔ "میرے نہایت عزیز دوست کا جنازہ ہے"

ع... کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لیے۔

✤

"صِدّیق" کا "پہلا نمبر" ــــ "علیؓ" کا "چوتھا نمبر"

"اِمام و خلیفۂ اوّل سیّدنا اَبُوبَکرؓ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل کی تصدیق و ترجمانی ــ اِمام و خلیفۂ رابع سیّدنا عَلیؓ رضی اللہ عنہ کی ــ زبانی"

اَخرَجَ الدّارُ قُطنِیُّ وَ ابنُ عَساکِرَ عَن عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنہُ قَالَ: "قَالَ لِی رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: سَأَلتُ اللہَ أَن یُّقَدِّمَکَ ثَلَاثًا - فَأَبٰی عَلَیَّ - اِلَّا تَقدِیمَ - أَبِی بَکرٍ -"

[رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہُ]

"اَلصَّوَاعِقُ المُحرِقَۃ" مَعَ "تَطہِیرُ الجِنَانِ"
صـ۲۱، طبعِ مصر: ۱۳۷۵ھ ـ ۱۹۵۶ء

مُحدِّثِ شہیر امام دارقُطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ سُنن میں اور مؤرّخ و محدِّثِ شام علامہ ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ تاریخ میں براہِ راست سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے ــ اُنہوں نے بیان کیا کہ: "خود مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا تھا کہ: "میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے پہلا خلیفہ بنانے کے متعلق تین بار درخواست کی ــ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس سے اِنکار کیا ــ اور "اَبُوبَکرؓ" کو پہلا خلیفہ بنانے کے فیصلہ کا اِظہار فرما دیا"

مولانا محمد مغیرہ

حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ
یادوں کے آئینے میں

وہاڑی شہر سے کچھ فاصلہ پر ایک دیہات کی چھوٹی سی بستی میں ایک مدرسہ جو نہایت ہی مختصر مگر خدمات میں اپنی مثال آپ ہے۔ جس میں قرآن مجید حفظ کرنے کی غرض سے میں داخل ہوا اس کے منتظم و استاد علاقہ کی مشہور دینی شخصیت حافظ غلام محمد مرحوم تھے۔ اس مدرسہ کی سرپرستی قاری محمد عبداللہ صاحب مدظلہ آف تونسہ فرماتے رہے جو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ارادت مند تھے اور حافظ غلام محمد مرحوم کو حضرت قاری صاحب سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا جس کے سبب اکثر و بیشتر مدرسہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ وہ اپنی محفلوں میں امیر شریعت کا تذکرہ کرتے اکثر آبدیدہ ہو جاتے۔ اس تذکرہ ابناء امیر شریعت کا تذکرہ بھی کرتے۔ میں چونکہ طالب علم تھا گو کہ بچپن کا زمانہ تھا مگر مسلسل ایک تذکرہ سننے سے اور پھر یہ کہ تذکرۂ خیر، فطرتاً اس طرف مائل ہونا یقینی امر تھا۔ جس کے باعث بچپن ہی سے میرے دل میں خاندان امیر شریعت کی محبت جگہ پکڑ چکی تھی۔ البتہ انکے ملنے کا شوق ہمیشہ تڑپاتا رہا مگر میری نو عمری کی وجہ سے ملاقات کا کوئی سبب نہ بنا۔ حفظ قرآن کے بعد وہاڑی باغ والی مسجد میں دینی تعلیم کے حصول کیلئے والد صاحب کے شوق پر داخل ہوا۔ فارسی کا تعلیمی سال تھا کہ ایک دن حضرت ابوذر بخاری مرحوم وہاڑی تشریف لائے۔ باغ والی مسجد میں ہی ان کا درس قرآن تھا۔ جبکہ وہاڑی کی ایک معروف دینی شخصیت ساجد انصاری کے مکان پر قیام تھا۔ درس قرآن میں تو شریک نہ ہو سکا بعد میں پہنچ کر شرف ملاقات سے دلی تسکین ہوئی کہ جسکی تسلسل کے ساتھ جستجو تھی اسکی زیارت ہو گئی مگر اسکو پا لینے میں ابھی بہت وقت درکار تھا۔ دو سال بعد جہانیاں کے ایک مشہور دینی مدرسہ رحمانیہ میں داخل ہوا۔ ایک دفعہ اتفاقاً ایک ہم درس کے ساتھ ملتان جانا ہوا۔ پوچھتے پوچھتے شاہ صاحب کے مکان پر پہنچا افسوس شاہ جی جماعتی تبلیغی سفر پر تھے چنانچہ مایوس واپس لوٹا، مگر انکی محبت دل میں سمائے ہوئی تھی۔ واپس مدرسہ پہنچ کر میں نے سہمے انداز میں حضرت کو ایک خط پوسٹ کیا جس کا مقصد سوائے دلی تسکین کے اور کچھ نہیں تھا اور یقین تھا کہ اتنا بڑا آدمی مجھ جیسے کو کیا جواب دیگا۔ اس خط کا مضمون مختصر یہ تھا کہ میں زیر تعلیم ہوں اور دعاء کی درخواست ہے۔

جواب کا انتظار رہا مگر کافی دن گزر گئے جواب موصول نہ ہوا۔ اور خیال یقین کی صورت اختیار کر گیا کہ مجھے کیوں جواب نصیب ہو، پھر یہ کہ کوئی جوابی مضمون بھی نہیں تھا۔ تقریباً تین ماہ گزر گئے، ایک دن اچانک ایک خط ملا جس میں ایک چھوٹے سے کاغذ پر نہایت ہی باریک قلم سے لکھی ہوئی تحریر پڑھنے کو ملی جو حضرت شاہ صاحب کی طرف سے مجھ جیسے ایک حقیر طالب علم کا جواب تھا۔ مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ میری جماعتی مصروفیات کے باعث آپکو جواب میں تاخیر ہوئی، معذرت خواہ ہوں۔ اس کے بعد تعلیم کے حصول پر مبنی نصیحتیں اور آخر میں تحریر تھا صبح کی نماز کے بعد کلمۂ تمجید، عصر کے بعد استغفار اور عشاء کے بعد درود شریف

گیارہ گیارہ دفعہ پڑھ لیا کرو اور اگر ہو سکے تو گاہے گاہے رابطہ کر لیا کریں۔

وہ خط میرے لیئے نہایت ہی خوشی کا سبب ہوا۔ کئی دنوں تک اس خط کو بار بار پڑھتا رہا مگر افسوس خط کئی دن تک سنبھال کر رکھنے کے باوجود مجھ سے گم ہو گیا۔ جس کا پچھتاوا اور قلق آج تک برابر ہے۔ ایک دن جمعہ کی چھٹی سے فائدہ اٹھایا، صبح ہی ناشتہ کے بعد جہانیاں سے ملتان روانہ ہو گیا۔ تقریباً دس بجے کے قریب مکان پر حاضر ہوا، دستک دی، غالباً مولوی محمد یوسف احرار جو اُن دنوں دفتر کے ناظم ہوا کرتے تھے باہر تشریف لائے۔ نام و پتہ پوچھ کر حضرت کو اطلاع دی اور مجھے اندر آنے کی اجازت مل گئی۔

اس پہلی ہی ملاقات نے مجھے بے پناہ متاثر کیا میں ایک ابتدائی طالب علم، سوائے زیارت و ملاقات کے دل میں اور حسرت و تمنا نہیں تھی۔ مجھے اس قدر محبت دی، میرے تعلیمی حالات پوچھے، گھر کے حالات پوچھے، ایسے محسوس ہوا جیسے ہمارے گھرانے کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ میرے اساتذہ کے نام پوچھے، انکی خیریت دریافت کی، میں ذاتی طور پر ششدر رہ گیا اور حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ میں ایک طالب علم پھر یہ کہ اس سے قبل کسی قسم کا تعلق نہیں۔ نہ میرے والدین سے واقف اور نہ ہی میری برادری کے کسی فرد سے آشنائی اور پھر پہلی ملاقات....... حقیقت یہ ہے کہ وہ واقعی طور پر ایک بہت بڑے انسان تھے۔ وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے سے چھوٹے پر رحم اور محبت کرنا اپنا وطیرہ بنائے ہوئے تھے۔ انکی محبت نے میری اجنبیت چھین لی اور میں ایسے محسوس کر رہا تھا کہ جیسے میں انکا اپنا ایک فرد ہوں۔ انہوں نے چونکہ جمعہ کی تیاری کرنا تھی اور میں نے واپس مدرسہ جہانیاں آنا تھا۔ اجازت چاہی تو انہوں نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ میں واپس تو ہوا مگر مجھ پر حیرت کافی دنوں تک طاری رہی کہ وہ کتنے بلند مرتبہ انسان ہیں اور اتنے وسیع الظرف کہ مجھ جیسے حقیر کو اتنی محبت بخشی۔ جبکہ آج بڑے بڑے دین کے ٹھیکیداروں کا حال یہ ہے کہ دوسرے کو جب تک حقیر نہ جانے انکی عزت قائم نہیں رہتی۔ نام نہاد بزرگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے خاص تعلق رکھنے والے افراد سے بھی اتنی محبت سے ملاقات نہیں کرتے بلکہ محسن ترستے رہتے ہیں کہ کہیں حضرت سے ملاقات ہو جائے۔

جہانیاں تین سال رہا کبھی کبھار ملاقات کیلئے ملتان آنا ہو جاتا۔ اتفاقاً بعد میں جامعہ قاسم العلوم ملتان میں داخلہ لیا۔ حاضر ہوا اور قاسم العلوم میں داخلے کی اطلاع کی سن کر بڑے خوش ہوئے پھر پوچھا کون کونسے اسباق ہیں اس سال میں؟ عرض کیا حضرت، ہدایہ اولین، نور الانوار، ترجمہ عشرہ آخری اور سلم العلوم ہے۔ فرمانے لگے ادب کا کوئی سبق شامل نہیں کیا؟ میں نے وجہ تو نہ بتائی البتہ نفی میں جواب دیا۔ مسکرا کر فرمایا ہاں بھائی ہم بے ادب تھے اس لئے ہمیں ادب لازمی پڑھایا گیا آپ تو ماشاء اللہ با ادب ہیں آپکو ادب پڑھنے کیا ضرورت ہے۔ اب تو اکثر بیشتر ملاقات کے لئے حاضری ہو جاتی۔ کئی دفعہ خدمت کا موقع بھی ملا۔ مجھے ہمیشہ پڑھائی میں شوق و محنت پر تلقین فرماتے اور اساتذہ کا احترام کرنے کا حکم فرماتے اور فرمایا کرتے کہ علم دین کے حصول میں کامیابی کے جو اسباب ہیں ان میں اساتذہ کا احترام و اکرام سرفہرست ہے۔

ایک دفعہ میرے استاذ الحدیث مولانا منیر احمد صاحب مدظلہ کے ہمراہ طلباء کا گروپ حضرت سے ملنے کیلئے گیا، میں بھی شامل تھا۔ استاد محترم نے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا آخر میں درخواست کی کہ طلباء کو کچھ نصیحت فرمادیں جس پر فرمایا کہ نصیحت تو بزرگ لوگ کرتے ہیں البتہ ایک گزارش پیش خدمت ہے اگر طلباء کرام کے دلوں میں جگہ پا جائے اور فرمایا کہ علم دین سیکھنا اور سیکھانا ایک بہت بڑا کام ہے۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد روزی کیلئے ٹوکری اٹھا کر مزدوری کر لینا، کوئی اور کام کر لینا جس سے روزی میسر ہو سکے مگر روزی کیلئے دین کو نہ بیچنا اور دین کیلئے بدنامی کا سبب نہ بننا۔ اس کے بعد دعاء کی درخواست کر کے ہم چل دیئے۔ ایک دفعہ قاسم العلوم ملتان میں مولانا انظر شاہ صاحب تشریف لائے۔ مدرسہ میں چھٹی ہو گئی۔ میں نے کتابیں سنبھالیں اور حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا حضرت نے پوچھا کیوں بھائی آج پڑھائی نہیں کی؟ وجہ بتائی کہ مولانا انظر شاہ صاحب تشریف لائے ہیں جس کے سبب مدرسہ میں چھٹی ہو گئی ہے۔ فرمانے لگے ہاں بھائی میں نے بھی سن رکھا ہے خیر المدارس میں جا کر ان سے ملاقات کرونگا ابھی بیٹھے ہی تھے کہ میرے استاد مولانا خدا بخش صاحب اس وقت خیر المدارس ملتان میں استاذ الحدیث ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ دروازہ پر آئے اور کہنے لگے حضرت انظر شاہ صاحب آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ اتنی بات سنتے ہی فرمانے لگے بھائی اتنے بڑے آدمی کو میں کہاں بیٹھاؤں گا۔ میرے پاس تو ان کے شایان شان جگہ ہی نہیں اُن کو میں جانتا ہوں وہ کس کا بیٹا ہے اور جلدی سے بیٹھک کا دروازہ کھلوایا مختصر سی صفائی کر ہی رہے تھے کہ انظر شاہ صاحب دروازہ پر پہنچ گئے۔ قاسم العلوم کے مہتمم مولانا عبدالبر صاحب سمیت کئی اساتذہ اور خیر المدارس کے کئی اساتذہ ہمراہ تھے۔ سید ابوذر شاہ صاحب اپنے مہمان انظر شاہ صاحب سے بغلگیر ہوئے۔ دونوں بزرگوں کے چہروں پر کچھ عجیب سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی شاہ صاحب نے انظر شاہ صاحب نے معانقہ و مصافحہ کے بعد انکے ہاتھ تھامے اور پھر اپنے ہاتھ سر سے پاؤں تک اپنے وجود پر پھیرے۔ انظر شاہ صاحب نے ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی مگر شاہ صاحب نے فرمایا میں عملاً آپکے ہاتھ اپنے وجود پر پھیرنا چاہتا ہوں کہ آپ انور شاہ کے بیٹے ہیں آپ کے لئے ہاتھوں کا میرے وجود پر لگ جانا میرے لئے باعث برکت ہے۔ دونوں بزرگوں نے حال احوال کے تبادلہ کے علاوہ کئی امور پر گفتگو کی۔ درمیان گفتگو شاہ صاحب نے اپنے مہمان انظر شاہ صاحب سے فرمایا جو اس محفل کی اہم بات ہے وہ یہ کہ جب علامہ انور شاہ صاحب کشمیری مرحوم کا دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے ساتھ اختلاف ہوا تو ڈھابیل میں قیام کرنے کا پروگرام بنایا جس پر بعض محبین نے کہا حضرت دارالعلوم آپکے نام سے وابستہ ہے ڈھابیل کی بجائے مقابلہ میں بیٹھ جایئے دارالعلوم کی پوری رونق آپکے پاس آ جائے گی مگر جواباً حضرت انور شاہ کشمیری نے فرمایا جس دارالعلوم کو میں نے خون پسینا ایک کر کے پروان چڑھایا ہے میں اسکو اپنی آنکھوں سے اجڑتا دیکھنا نہیں چاہتا اور پھر یہ کہ اختلاف انتظامیہ سے ہے دارالعلوم سے نہیں اور اپنا ڈیرہ ڈھابیل لگا لیا اور فرمایا میں معذرت سے عرض کرتا ہوں آپ اسی انور شاہ کے فرزند تھے مگر آپ دارالعلوم کے مقابلہ میں ایک اور مدرسہ بنا کر بیٹھ گئے یہ اچھا نہیں۔ شاہ صاحب اپنی گفتگو میں یہ بات بھی لائے کہ ہم نے علامہ انور شاہ

کی دی ہوئی لائن پر کام شروع کیا اور آج تک ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اسی راہ حق پر گامزن ہیں۔ اس مشن میں نہ کبھی پہلے کمی آئی نہ آئندہ آنے کی توقع ہے اور فرمانے لگے اچھا کیا آپنے کہ آپ تشریف لائے اگر آپ یہاں آنے کا مجھے موقع نہ دیتے تو ہندوستان آکر حضرت انور شاہ کی قبر پر حاضری دیکر شکوہ کرتا کہ آپ کا بیٹا پاکستان آیا مگر آپ کے کارکنوں کا پتہ نہیں کیا۔ درمیان گفتگو دونوں بزرگوں کی آنکھوں میں آنسو رواں رہے اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

دوسرے دن مدرسہ میں "سلم العلوم" کے سبق میں استاذ محترم مولانا محمد امین صاحب جو مدرسہ میں کچھ عرصہ شیخ الحدیث بھی رہے گزشتہ دن دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر چھیڑ دیا۔ حضرت استاذ نے فرمایا میں آج تک یہی سنتا چلا آرہا ہوں کہ یہ گستاخ ہیں۔ مگر تقریباً پہلی مرتبہ قریب ہونے کا موقع ملا اور سید ابوذر بخاری کے انداز استقبال و الوداع دیکھ کر حیران رہ گیا اور آج تک میں نے کسی کو اتنا آداب بجالاتے نہیں دیکھا۔ حقیقت یہی ہے کہ ان دنوں احرار کیلئے مدارس میں عجیب سی کیفیت پائی جاتی تھی۔ مجھے کئی دفعہ ہم سبق طلباء سے مطعون ہونا پڑا اور عجیب و غریب تبصرے سننے میں آئے۔ حتیٰ کہ میں نے جب ابتداء قاسم العلوم میں ایک استاذ محترم سے سوال کیا کہ کیا میں شاہ صاحب سے ملنے جاسکتا ہوں؟ جواب ملا جاسکتے ہو مگر مدرسہ میں "احرار" قائم کرنے کے درپے نہ ہونا بہر صورت میں نے تو مدرسہ میں احرار قائم کرنے کی کوشش نہیں کی البتہ جماعت اسلامی کو مدرسہ کے طلباء میں اپنا جماعتی کام کرتے دیکھا مگر علم کے باوجود اس طرف توجہ کسی نے نہیں کی (واللہ اعلم بالصواب)

دوران تعلیم ایک دفعہ گورنمنٹ کالج سے متصل واقع جامع مسجد معاویہ میں جمعہ پڑھنے کی غرض سے پہنچے۔ جمعہ کے بعد ایک آدمی نے سوال کیا کہ آپکا مشن کیا ہے؟ شاہ صاحب نے ایک نوجوان کو کھڑا کیا اور پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا حنیف۔ غالباً اس نوجوان کا تعلق میلسی کے علاقہ کے ساتھ تھا اور کالج میں زیر تعلیم تھا۔ ارشاد فرمایا تیرا پہلا نام کیا تھا؟ اس نے کہا اللہ دتہ۔ شاہ صاحب نے فرمایا یہ ہے میرا مشن۔ میری خواہش ہے کہ گھر گھر صحابہ کا تذکرہ ہو جس پر میرے ایک ہم سبق نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں بھی اللہ دتہ ہے۔ جس پر شاہ جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا وہ بھی ٹھیک ہو جائیگا۔ کئی محفلوں میں حضرت نے مجھے فرمایا نام تمہارا بالکل درست ہے۔ شرعاً تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں مگر میری خواہش ہے کہ کسی صحابی کے نام سے اپنے نام کو منسوب کر لو۔ مگر میں اپنے نام کو برقرار رکھنا چاہتا تھا کہ میرے دادا مرحوم کا رکھا ہوا نام ہے، پھر یہ کہ متفقہ طور پر درست ہے۔ بالآخر دورہ حدیث کے سال مجھے یقین ہو گیا کہ شاہ جی کی خوشی میرے نام کی تبدیلی میں ہے۔ حاضر ہوا درخواست کی کہ میرا نام جو چاہو تبدیل کر دو۔ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا بھائی کسی صحابی کا نام جو تمہیں پسند ہو تجویز کر لو۔ میں نے کہا حضرت تمام صحابہ کے نام مجھے پسند ہیں آپ اپنی منشاء سے جو چاہو تجویز کر دو۔ سرد آہ بھری اور فرمایا بھائی ابو بکر سے لیکر وحشی بن حرب تک تمام صحابہ کے نام بابرکت ہیں مگر میری معلومات کے مطابق اس جماعت میں دو صحابی زیادہ مظلوم ہیں "معاویہ" اور "مغیرہ" کہ ان دونوں بزرگوں کی شخصیت ایسی ہے کہ جو لوگ صحابہ

کے نام پر روٹی کھار ہے ہیں وہ بھی انکو معاف نہیں کرتے۔ ان میں سے جو چاہو تجویز کر لو جس پر میں نے مغیرد تجویز کیا اور اسی دن سے آج تک مغیرہ کے نام سے پہچانا جاتا ہوں۔ ستمبر ۸۲ میں تلہ گنگ میں واقع جامع ابو بکر صدیق میں جماعت نے مجھے بحیثیت خطیب تقرر کیا۔ جب بھی گھر حاضر ہوتا ان سے ضرور ملتا اور جب بھی حاضری دی ایسا محسوس ہوا جیسے وہ شخص میرے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اکثر شکوہ کرتے کہ میرے پاس کم وقت لیکر آتے ہو یہ ان دنوں کی بات ہے جب مجلس احرار اسلام کے بزرگوں کا سید نا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی عظمت کے دفاع میں چکوال کے مشہور عالم قاضی مظہر حسین صاحب سے علمی مباحثہ چل رہا تھا۔ قاضی صاحب اپنے فاضل دیو بند ہونے اور حضرت سید حسین احمد مدنی کے خلیفہ مجاز ہونے کے وزن کو اپنے دلائل میں اکثر نمایاں کرتے تھے اور پھر یہ کہ پاکستان میں صرف وہی دیو بند کے ترجمان اور انکے مقابلہ میں آئے ہوئے خارجی ٹولے کے افراد ہیں۔ میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حالات سے مطلع کیا۔ جواباً کیسارد عمل ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا اسکا ایک ہی علاج ہے کہ قرآن و حدیث میں بتائے ہوئے صحابہ کے فضائل و مناقب بیان کرو اور اسلام نے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منصب دیا ہے اسکا تذکرہ کرو سب سے زیادہ قرآن و حدیث نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح سرائی کی ہے۔ تاریخ کی قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں اور ساتھ ہی خیال ہوا کہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ کا نکاح تو اعلان نبوت سے پہلے کا ہے یہاں وحی تو نہیں بغیر وحی کے شادی ہوئی اس وقت مجھ سے اسکا کوئی جواب نہ بن سکا۔ میں نے حضرت کو خط لکھا۔ بعد میں ملتان اتفاقاً حاضری ہوئی۔ ملاقات کے بعد میرے لکھے ہوئے سوال کا تذکرہ کیا۔ بڑے خوش ہوئے، اھل مجلس سے فرمایا کہ یہ حدیث میں تیس سال سے پڑھ رہا ہوں یہ سوال آج تک نہ میرے ذہن میں آیا نہ کسی اپنے پرائے نے سوال کیا۔ میں خط پڑھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا کہ اس عزیز کا سوال بہت اہم ہے۔ پھر مجھے فرمایا انتظار کریں اسکا جواب تیرے خط کے حوالے سے الاحرار میں شائع کروں گا۔ آپکی ان دنوں صحت قدرے بہتر تھی۔ بعد میں مرض در مرض کا شکار ہو گئے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے جواباً کچھ لکھا ہو مگر شائع کرنے کی مہلت نہ ملی۔ ساری زندگی صحابہ کی عظمت کا پرچم بلند کرنے والا اور صحابہ کی ناموس کا تحفظ کرنے والا شخص اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر لبیک کہہ کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا مگر دفاع صحابہ کی ایک ایسی تحریک برپا کر گیا کہ قیامت تک اس مشعل سے راہ پانے والے راہ پاتے رہیں گے۔ انکو خراج تحسین پیش کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم سب مل کر انکے نقش قدم پر چلیں۔

جہاں پناہ! ظل اللہ.....؟

(فرضی امیر المؤمنین کے عاقبت اندیش درباریوں کی عرض داشت)

حضور! آپ کب تک یہ بزم طرب، محفل عیش و عشرت جماتے رہیں گے؟
حضور! آپ کب تک غریبوں کے خوں سے، یہ جشن چراغاں مناتے رہیں گے؟
حضور! آپ کب تک حقائق کو مستور رکھیں گے، انصاف کا خون کر کے
حضور! آپ کب تک تشدد کا احسان فرمائیں گے، عکسِ قانون کر کے
حضور! آپ کب تک یونہی دین مظلوم کو قید رکھیں گے زندانِ شر میں
حضور! آپ کب تک یونہی عدل و تقویٰ کو پامال رکھیں گے اپنے سفر میں
حضور! آپ کیسے امام حرم بن سکیں گے، بتوں کے پرستار بن کر؟
حضور! آپ کیسے وفا دار ملت رہیں گے، شریعت کے غدار بن کر؟
حضور! آپ کیسے خدائی کریں گے، کہ ہیں سب بنی نوع باہم مساوی
حضور! آپ کیسے قیادت چلائیں گے بااین ہمہ کا زبانہ دعا دی

حضور آپ نشہ میں مخمور ہیں، اور دنیا کہاں سے کہاں جا چکی ہے
حضور! آپ مانیں نہ مانیں مگر، انقلابِ نوی کی گھڑی آ چکی ہے
حضور! اب تو کونوں میں دبکی ہوئی صالحیت بھی، میدان گرما چکی ہے
حضور! اب تو بیباک، اکڑی ہوئی معصیت بھی، ہزیمت کی رہ پا چکی ہے
حضور! آپ نے آدمی کو بھی بیگار لینے کی خاطر تو، انساں نہ سمجھا
حضور! آپ نے تو فقط خود فریبی کے باعث، تغیر کا امکاں نہ سمجھا
حضور! آپ نے دین والوں کو مبغوض جانا تھا، اور دیں کی تذلیل کی تھی
حضور! آپ نے کل محاسن مٹا کر، جہاں بھر کی بدیوں کی تکمیل کی تھی

حضور! آپ نے ملک و ملت کے بے لوث خدام کو عُرف غدار بخشا
حضور! آپ نے بس فرنگی کے خود کاشتوں ہی کو ملت کا غم خوار سمجھا
حضور! آپ نے ڈیڑھ سو سال سے دیں پہ جاں دینے والوں کو معتوب رکھا
حضور! آپ نے مستند اور پُشتینی غدار زادوں کو محبوب رکھا
حضور! آپ نے بس حدِ خدا و نبی کی اطاعت کو مفروض جانا
حضور! آپ کا کارنامہ ہے غیروں پہ مرنا اور اپنوں کو ہر دم مٹانا
حضور! آپ کی تیغ بیداد سے آدمیت اماں چاہتی مر گئی ہے
حضور! آپ کے ظلم پیہم کی ممنون ہو کر، شرافت بھی رخصت ہوئی ہے
حضور! آپ کے تیر تلبیس و تزویر نے بھی امانت دیانت کو چھلنی کیا ہے
حضور! آپ کی پاسبانئ عصمت نے شرم و حیاء کو بھی زخمی کیا ہے
حضور! آ آپ کی رسم بندہ نوازی نے رشوت خیانت کو زندہ کیا ہے
حضور! آپ کی شان فیضاں رسانی نے، قحط اور افلاس کو بھی جنا ہے

حضور! آج باغی رعایا نے قصر حکومت پہ یلغار کر دی، سنا ہے
حضور! آپ کی تیرہ بختی نے اب تو اک آتش شرر بار کر دی، سنا ہے
حضور! اب تو روزن سے پردہ اٹھا کر، نتائج کی وحشت کا نظارہ کیجے
عزائم کی شدت، مقاصد کی عظمت، وسائل کی قلت کا اندازہ کیجے
حضور! آپ کا یہ جلال حکومت، یہ سب کروفر، دبدبہ عارضی ہے
حضور! آپ کے سارے اعمال نامی ہیں، انجام بد کی گھڑی آ گئی ہے
حضور! آپ کے اب حواس اڑ چلے کیوں؟ یہ سب آپ ہی کے عمل کا بدل ہے
حضور! آپ چھپ جائیں، لیکن وہ خلعت، وہ کلغی، وہ تاج اور خزانہ کہاں ہے؟
حضور! اب تو جاں بخشی ممکن نہیں ہے وہیں جایئے گا وہ سب کچھ جہاں ہے؟

ناقل: مہدی معاویہ

جامعہ خیر المدارس میں جانشین امیرِ شریعت کی ایک معرکہ آراء تقریر

بزرگانِ ملت، علماء کرام مشائخ عظام:

یہ مدرسہ حقیقتاً میرا اپنا مدرسہ ہے یہ میری مادرِ علمی ہے۔ جس کی گود میں سات برس تک میں نے علم حاصل کیا۔ اس کے بانی، اپنے محسن اور مربی حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد جالندھری نوراللہ مرقدہ کی نگرانی میں میں نے تربیت حاصل کی۔ اور کم و بیش ستائیس برس ان کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ زندگی کا بہت بڑا حصہ الحمدللہ اس عدیم النظیر محسن و مربی کی سنگت اور معیت میں گزارا۔

یہاں میں کبھی بھی تقریر کی نیت سے حاضر نہیں ہوا اور نہ اب اس نیت سے آیا ہوں، میرے لیے نسبت مصیبت بن گئی ہے کہ شاہ جی کا لڑکا ہے یہیں پڑھتا رہا ہے اور شاگرد بھی یہیں کا ہے۔ یہ جان بوجھ کر نکل جاتا ہے، یہ چاہتا ہے کہ میرے پیچھے کاروں والے دوڑتے پھریں ......میں اس تخیل پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔ یہاں آکر خطابت کے انداز میں گفتگو کرنے میں مجھے دراصل شرم دامن گیر ہوتی ہے میرے لیے اتنی ہی سعادت بہت ہے کہ میں اپنے استاذ کی اولاد کا منہ دیکھ لوں، مدرسہ کو دیکھ لوں، یہ آباد نظر آئے۔ یہاں سے جو قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ وہ میری زندگی میں بھی یونہی بلند ہوتی رہیں اور بعد میں بھی۔ اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے جس یزید کی تردید ہو رہی تھی میرا تو ایمان ہے کہ صحابہؓ کی جوتیوں کی برکت سے اگر میں تقریر نہیں کروں گا تو اس یزید کی جوتی کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی ......وہ بہت برا مشہور ہے نا؟ لیکن ......یقیناً وہ ابنِ سبا سے برا نہیں ہے۔ حسن بن صباح سے برا نہیں ہے سکندر مرزا سے بڑا نہیں ہے۔ خمینی سے برا نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ صحابی کا بیٹا ہے۔ صحابی کا پوتا ہے۔ تابعی ماں کا بیٹا ہے اور ام المومنین ام حبیبہؓ کا بھتیجا ہے۔ وہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں تو برا ہو سکتا ہے۔ ہر لپاڑیے کو اس کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا۔ شرابیوں اور زانیوں کو اس کے مقابلے میں کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ جن کے باپ کا سات ضلعوں میں پتا نہ ہو وہ یزید کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حیران مت ہونا، میں جانتا ہوں جو کچھ کہا گیا مجھے اپنے اکابر کا مذہب اچھی طرح معلوم ہے۔ میں کسی گنبد میں بند نہیں رہتا اور کسی غار میں پرورش نہیں پاتا۔ میں نہیں چاہتا تھا یہ موضوع شروع ہو۔ لیکن میرے ایک محترم فاضل بزرگ نے اس مسئلے پر بڑی بمبارٹمنٹ کی ہے۔ جن اکابر کا انہوں نے نام لیا ہے انہی اکابر میں حضرت قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ بھی ہیں۔ میں تو ایک طالب علم ہوں، فاضل بزرگ کی نظر سے وہ تمام فتاویٰ گزر چکے ہوں گے جو اکابر نے دیئے ہیں۔ انہی میں حضرت گنگوہی کا فتویٰ بھی ہے کہ

"اگرچہ میں اپنے بزرگوں کی پیروی میں (یزید کو) فاسق کہہ دیتا ہوں لیکن یہ واضح رہے کہ یہ مسئلہ علمِ عقائد سے

تعلق نہیں رکھتا بلکہ علمِ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے"
یعنی اگر کسی کی تحقیق میں اس کا فسق و فجور تاریخ سے ثابت نہ ہو تو اس سے محبت نہ سہی، اس پر لعنت بھیجنی بھی جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس کو اچھا کہہ دیا ہے تو اس نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا ہے، یہ بات میرے بزرگوں کو اچھی طرح معلوم ہے اور میں اس مسئلے میں حضرت گنگوہی کا پیرو کار ہوں۔
پورے احترام کے ساتھ کہتا ہوں یا حضرت گنگوہی کے فتویٰ کو فتاویٰ رشیدیہ سے نکال دیا جائے یا اس مسئلے پر گفتگو کو احتیاط سے کیا جائے۔ ہمیں رافضیوں سے سند اعتماد نہیں لینی، ہمیں حکام سے نو اوبجیکشن سرٹیفکیٹ (N.O.C) نہیں لینا، ہمیں کسی رافضیت نواز لیڈر کی حمایت درکار نہیں ہے، ہمیں الیکشن میں کسی سنی تبرائی کے ووٹوں کی بھیک نہیں مانگنی۔ اس لئے ہم اس کی خاطر یزید کے لئے لعنت کا دروازہ کھولنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہیں۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں بُرا تھا...... ٹھیک ہے۔ لیکن جس حسینؓ نے اس کے مشیروں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا ہے اُس حسینؓ کی اپنی آواز ہے جو نوحوالوں سے دنیا میں ثابت ہے کہ اختاروامنی ثلاثاً مجھ سے تین باتیں منوالو
اماان تسیرونی الی موضع منه یامجھےوہاں بھیج دو جہاں سے آیا ہوں۔
اوالی ثغرمن ثغوز المسلمین فاکون من اهلهم فلی مالهم وعلی ماعلیهم یامجھے سرحد پر بھیج دو۔ تمہیں اگر میرے وجود سے ڈر ہے کہ میں موومنٹ چلاؤں گا۔ یا تحریک چلاؤں گا اور یزید کی حکومت متزلزل ہو جائے گی۔ یہ خدشہ بھی پورا کرلو، مجھے سرحد پر بٹھا دو جہاں چوبیس گھنٹے جھڑپیں ہوتی ہیں، میں وہاں کام آجاؤں گا۔ میں مر جاؤں گا تو تمہارے دل بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے تمہیں یہی فکر ہے کہ میں شہروں میں رہوں گا تو تحریک بن جائے گی۔ سرحد پر بٹھا دو، اگر کبھی مالِ غنیمت آگیا تو میری بیوی لیلیٰ آمنہ میری بچی سکینہ، میری بیٹی فاطمہ، علی اکبر ہے علی اصغر ہے زین العابدین ہے یہ میری اولاد ہے یہ بھی کچھ کھا پی لیا کریں گے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا، وہاں حملے میں ساتھی مارے گئے اور میں بھی شہید ہو گیا تو اسے قبول کرلوں گا۔ اگر یہ بھی نہیں تو خلوا سبیلی الیٰ یزیدلاذھب وھو ابن عمی پھر میرا راستہ چھوڑ دو، مجھے یزید کے پاس جانے دو، وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔ فاضع یدی فی یدہ۔ میں اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کے لئے تیار ہوں وھویریٰ فی رأیه ویحکم لی وہ اپنی رائے میرے متعلق سوچے گا اور جو چاہے فیصلہ کرے، مجھے قبول ہوگا۔ مجھے اس کے پاس لے چلو، وہ گفتگو کر کے میری شکایت دور کر دے، مجھے منوا لے، میں بیعت کرنے کو تیار ہوں۔
سید مرتضیٰ علم الہدیٰ مصنف کتاب الشافی، مطبوعہ تہران ص ۱۷۵، یہ روایت خود انہوں نے لکھی ہے جو یزید کو انسان کا بچہ بھی نہیں سمجھتے۔ جو علانیہ زانی شرابی ہو، جو کسی بد معاش سبائی کے قول کے مطابق اپنے باپ کی دوسری بیویوں سے زنا کرتا ہو، حسینؓ جیسا پاکباز کیا اس کی بیعت کا تصور بھی کر سکتا ہے......؟
لیکن حسینؓ کی اپنی اولاد میں سترہویں پشت میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کہتا ہے کہ میرے جدّ امجد نے یزید بن معاویہ کے پاس جانے کے لئے وعدہ کیا۔ شرط لگا دی کہ وہاں لے چلو وہ جو کہے گا ماننے کو تیار ہوں۔

میرا مطالبہ پورا کردو۔ معلوم ہوا اس میں کفر بواح نہیں تھا۔ اس میں زنا نہیں تھا اس میں شراب نوشی نہیں تھی۔ اس میں امہات المومنین کی توہین کا تصور بھی نہیں تھا اور کسی ماں کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کی۔

یہ رافضیوں کی من گھڑت ہے جب سیدوں کے باوا جان خود یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں تو اور کون دنیا کا بدمعاش ہے جس کے لئے اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش ہو۔ ہم کسی سبائی کو حسینؓ کی جوتی سے بھی بڑا نہیں سمجھتے۔ میں اس موضوع کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا لیکن

منہ آئی بات نہ رہندی اے

سچ آکھیاں بھانبڑ مچدا اے

ہُن مچدا اے تے مچے...... پہلے کونسی کمی ہوئی ہے۔ (سالانہ جلسہ خیر المدارس ملتان)

۲۹/جمادی الاولیٰ: ۱۴۰۱ھ   پریل ۱۹۸۱ء (خطاب بعد ظہر)

(جانشینِ امیر شریعت، سید ابو معاویہ ابوذر بخاری)

بیادِ امیر المؤمنین خلیفہ ارشد و برحق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

تو ہے خالِ فاطمہؓ، حسنینؓ کا نانا ہے تو
وہ کیا رشتہ ہے تیرا؟ بے خلاف و بے کلام

تیرے فضل و منقبت کے معترف جن و بشر
تیری دانش کا ہے شاید خود یہ چرخ نیلی فام

حلم و حکمت، عدل و تقویٰ، تیری فطرت اور شعار
دھوم ہے تیری عرب میں اور عجم میں تیرا نام

لاکھ کسریٰ اور فلاطوں، تیری جوتی پر نثار،
لاکھ ذوالقرنین اور لقمان ہیں تیرے غلام

ہادی و مہدیِ امت، کاتب وحی مبیں
معتمد شیخین کا اور مستقل پنجم امام

جب علی جیسے صحابی پر ہوئے نہ جمع لوگ
پھر بھلا ان کے پسر کو کیوں بناتے سب امام

تھا خلافت کی بشارۃ ان ولیت کا خطاب
حق بہ جانب تھا علی کے بعد ہی تیرا نظام

تو نے بے شک دی زمامِ کار در دست یزید
یہ عمل نہ کفر تھا، نہ فسق و مکروہ و حرام

حد سے حد تھا ترک افضل، اخذ مفضول و پسر
خود ہیں ظالم اور فاسق، جو کریں تجھ پر ملام

باقی تقلید مر تو خود علیؓ نہ کر سکے
وقت رخصت تجھے خلافت سے حسن کب بے مرام

تو خوارج کی ضلالت اور قسادت سے خبیر
اور سبائیت کی سازش کو کچلنا تیرا کام

قولِ اعمش، تابعی ہیں سیدِ اعظم، ہے تو
کون ہے جس کو سیاست میں ملا ہو یہ مقام

ساری دنیا کے ولی ہوں اک طرف تو اک طرف
تو صحابی! اور صحابہ میں بھی ہے فرخندہ نام!

سید ابوذر بخاری

حیاتِ مستعار

اب یہ آنکھیں نہیں غم کی تصویر ہیں ، اور کجا وقف تھیں اشک تر کے لئے

رونا قسمت میں تھااس لئے ایک دن ، رو لئے ہم بہت عمر بھر کے لئے

زندگی کٹ گئی راہ کو دیکھتے ، منتظر ہم رہے راہ بر کے لئے

اتنی لمبی شب غم گزاری مگر ،، صرف ایک لحۂ مختصر کے لئے

وادیٔ چشم سے چشمۂ اشک تر ، پھوٹ کر جو بہا مثل سیلاب تھا

"ارضِ قلب و جگر اس سے شاداب ہے ، یہ ہے تمثیلِ اک بحر و بر کے لئے

میرے "محبوب" کی ذات نام ایک ہے ، اس کا گھر قبلہ، قبلہ نما ایک ہے

میرا دل،روح، ایک اور جبیں ایک ہے، اس کے سجدے ہیں اِک سنگ در کے لئے

آئے دنیا میں ہم جب تو روتے ہوئے ، لوگ ہنستے تھے آنے کے انداز پر

کاش اب جائیں عقبیٰ کو ہنستے ہوئے ، رونا ہوگا مگر سارے گھر کے لئے

دھیرے دھیرے بنا جسم روح آگئی ، ایسے ہی روئیں روئیں سے نکلے گی جاں

ایسی تعمیر و تخریب لازم ہوئی ، جسم و جاں اور جنّ و بشر کے لئے

میں چلا جاؤں گا آخرت کی طرف ، میرے غم کی نہایت بھی ہوجائے گی

سوچتا ہوں کہ کیا ان پہ بیتے گی جو ، وقف تھے خندۂ پُر شرر کے لئے

جب چھوئیگا رگِ دل کو پیکِ اجل ، ہوش ہوگا نہ پھر جان و ایمان کا

ایسی مشکل گھڑی میں کرم کیجئے ، آپ سے ہے دعاء درگزر کے لئے

جسم خاکی چلے گا جو سوئے عدم ، جان عاجز کو کیسے قرار آئے گا

چار شانوں کے مرکب پہ ہوگا رواں ، آدمی اتنے لمبے سفر کے لئے

روح کا ایک تعلق رہے گا مگر جسم سے ، جیسے سورج کا دھرتی سے ہے

پتلا رہ جائے گا قبر ہی میں پڑا ، روح اُڑ جائے گی مستقر کے لئے

مجیب الرحمن

ہمہ جہت شخصیت

حسن اتفاق کہیے یا سوء اتفاق! کہ میں تاریخ کے اس دورا ہے پر اپنے اصلی گھر سے اس گھ مین وارد ہوا کہ جب ایک تہذیب فنا ہو رہی تھی اور دوسری جنم لے رہی تھی۔ پرانی قدریں دم توڑ رہی تھیں اور ان کی جگہ نئی قدریں لے رہی تھیں۔ مٹی کے تیل کے دیے بجھ رہے تھے اور ان کی جگہ برقی قمقمے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مشینیں گھروں میں داخل ہو رہی تھیں اور انسانی جذبات واحساسات میں مشینی پن آ رہا تھا۔ پھر یہ کہ جس گاؤں میں پیدا ہوا۔ (اور یہ یقیناً حسن اتفاق ہے) وہ نہ صرف یہ کہ قدرتی مناظر سے مالامال تھا۔ بلکہ یہاں متاع دین و دانش کی حفاظت تھی۔ گاؤں نالے کے کنارے آباد تھا۔ کھجوروں کے گھنے جھنڈ عرب کے بادیہ نشینوں کی یاد دلاتے تھے۔ بعض جگہ تو کھجوروں کے درخت اس کثرت سے ہوتے کہ دن کو بھی گزرتے ہوئے ڈر لگتا۔ زندگی بہت سادہ تھی۔ جس پر تکلف کا رنگ نہ تھا۔ آموں کے باغ بھی کثرت سے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتیں اور طیور کی صدائیں گونجتیں تو رنگ بہار پیدا ہو جاتا۔

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمی محفل کی یاد

اب بھی کبھی کارگاہ حیات کے ہنگاموں سے طبیعت بیزار ہوتی ہے، دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہونے لگتی ہے تو اپنے دماغ کے کمپیوٹر میں انہی پرانے مناظر کی ڈسک لگا لیتا ہوں۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

میں نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو گاؤں میں بالعموم اور گھر میں بالخصوص دو بزرگوں کا تذکرہ ہوتے پایا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا احمد علی لاہوری، ابا جی مرحوم مولانا لاہوری کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ دورہ حدیث تو انہوں نے خیر المدارس ملتان سے کیا تھا۔ بلکہ مدرسہ کی دورہ حدیث کی پہلی کلاس تھی جس میں ابا جی بھی شامل تھے۔ لیکن دورہ تفسیر انہوں نے حضرت لاہوری سے کیا تھا۔ زیادہ تذکرہ شاہ جی کا ہوتا۔ کوئی جلسہ ہوا، کسی مقرر نے اچھی تقریر کی تو لیجئے شاہ جی پر تبصرہ شروع

"مقرر تو عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ میں نے ان کی تقریر جتوئی میں سنی تھی۔ تب لاؤڈ سپیکر میں نے پہلی بار دیکھے تھے۔ سپیکروں کے ساتھ جو تاریں لگی ہوئی تھیں میرا خیال تھا کہ مقرر کی آواز ان رسیوں میں سے گزر کر آ رہی ہے......

'میں نے ان کی تقریر خان کی بستی میں سنی تھی۔ جب لوگوں نے ان سے بارش کی دعا بھی کرائی تھی......

"میں نے ان کی تقریر بڑی بستی ارائیں میں...... میں نے ان کی تقریر......"

بس پھر اللہ دے اور بندہ لے! کوئی شخص پیچھے نہ رہتا۔ کسی قاری نے اچھی تلاوت کی۔ تو شاہ جی کی تلاوت کے تذکرے شروع ہو گئے۔

"سبحان اللہ! یوں تلاوت کرتے تھے۔ جیسے قرآن ابھی ابھی نازل ہو رہا ہو"۔

"سبحان اللہ! سبحان اللہ!

میری نانی اماں نے انہیں بچپن میں دیکھا تھا۔

"میں پوچھتا نانی اماں! کیسے تھے عطاء اللہ شاہ بخاری؟

کیا پوچھتے ہو بیٹا! شیر جوان تھا شیر! فراخ چہرہ تھا اس کا پھر ٹھنڈی آہ بھر کے کہتیں۔

"وہ تو اللہ کے نیک "بانھے" (بندے تھے)

میرے نانا ابا کا لمبا قد اور بارعب سرخ و سفید چہرہ تھا۔ ہاتھ میں ایک موٹی سی لٹھ ہوتی۔ وہ سرخ قمیض پہن کر احرار کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔

میں جی ہی جی میں بڑا کڑھتا۔ کہ شاہ جی کے دور میں کیوں نہ پیدا ہو گیا۔ کہ ان کی تلاوت اور تقریروں سے لطف اندوز ہوتا۔

میرے گاؤں کوٹلہ رحم علی شاہ میں اب بھی گاہے بگاہے مختلف علماء آتے رہتے۔ اس گاؤں کے رئیس سید خلیل احمد شاہ بخاری مرحوم بڑے علمی ذوق کے آدمی تھے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ حضرت سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ شعر و ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ چنانچہ ان کے اس ذوق کی وجہ سے اہل علم حضرات وقتاً فوقتاً یہاں آتے رہتے تھے۔ پھر شاہ جی کے بیٹے اور بالخصوص حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری بھی گاہے بگاہے تشریف لاتے رہتے کہ ان کے اور خود سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے بھی ان سے گہرے مراسم تھے۔

میں تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں گا۔ جب حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کا کوٹلہ رحم علی شاہ آنا یاد ہے۔ بڑی خوشی ہوئی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تو نہیں دیکھا۔ چلو ان کے بیٹے کو تو دیکھیں گے۔ اور ان کی تقریر سے لطف اندوز ہوں گے۔ لیکن جلد ہی یہ خوشی حیرت میں بدل گئی!!

ہوا یوں کہ شاہ جی کی آمد سے پہلے واقعۂ کربلا سے متعلق ایک کتاب میرے ہاتھ لگ گئی۔ مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ کتاب سمجھ میں آتی یا نہ آتی۔ بس پڑھتا چلا جاتا لیکن یہ کتاب آسان اردو میں تھی۔ یہ تو یاد نہیں پڑتا کہ کون سی کتاب تھی، مصنف کون تھا اور اس میں کیا تفصیلات تھیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ کتاب پڑھ کر کئی دن پریشان رہا۔ یزید کے خلاف جذبات اتنے شدید تھے کہ مجھے ان کے اظہار کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ دوسری، تیسری میں پڑھنے والے طالب علم کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے!

میں سید خلیل احمد شاہ صاحب کے ڈیرے پر گیا۔ تو وہاں شیشم کے درخت کے سائے میں ہمارے علاقے کے ایک بڑے عالم دین جو فاضل دیوبند بھی تھے۔ دو تین اور علماء کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے وہ سیخ پا ہو رہے تھے......

"سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی کبھی یزید کو رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہا اور یہ (حضرت ابوذر بخاری) کہتے ہیں کہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے۔

میں تو یہ سن کر بھونچکارہ گیا

"واہ بھی واہ! یزید اور رحمۃ اللہ علیہ! بہت ہی عجیب آدمی ہیں"۔

یہ میرا ان کی شخصیت سے متعلق پہلا تاثر تھا۔ پھر ایک دفعہ بڑی بستی ارائیں تشریف لائے۔ وہاں بھی تقریر کی، تقریر سمجھ میں آئی یا نہ آئی۔ مبہوت ہو کے سنتا رہا۔ اور دوران تقریر انہوں نے کچھ مزاحیہ باتیں کیں۔ تو انہیں کئی دن تک دہراتا رہا۔ اسکے بعد بھی کوٹلہ اور بڑی بستی ارائیں تشریف لاتے رہے۔ لیکن کوئی قابل ذکر بات یاد نہیں۔ ہاں ان کی شخصیت سے متعلق "انوکھے پن" کا جو احساس قلب و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اس میں مختلف لوگوں کے تبصرے سن کر مزید اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ ان کی باتوں کو اپنی عقل سے سمجھنے کے قابل ہوا۔ اور ان کے قریب جا کے دیکھا تو معلوم ہوا۔

خواب تھا کہ جو کچھ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

وہ "یزید رحمۃ اللہ علیہ" والا طنزیہ تبصرہ ان کے خلاف ہم مسلک مذہبی حلقے کا ایک متعصبانہ جذبے کا اظہار تھا کہ وہ حضرت ابوذر بخاری کے علم اور خطابت کا سامنا نہ کر سکے تو شخصیت کشی کے لئے یہ ہتھیار استعمال کیا۔

ہاں یاد آیا، بڑی بستی ارائیں کے حوالے سے بھی ایک واقعہ ذہن میں محفوظ ہے۔ اس بستی کے ملک اللہ بخش احرار کے بڑے سرگرم کارکن تھے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان کی دعوت پر کئی دفعہ بڑی بستی تشریف بھی لائے۔ پھر ان کے بیٹے ملک فضل کریم کی دعوت پر حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری بھی تشریف لایا کرتے۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو تقریر کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ یاد نہیں پڑتا کہ صاحب دعوت کون تھے۔ انکار کی وجہ یہ تھی کہ میزبان محض انہیں دعوت کا کہہ کر آیا تھا۔ شاہ جی کے تشریف لانے پر ان سے پوچھے بغیر تقریر کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ لیکن شاہ جی نے تقریر کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بعد میں ابا جی مرحوم کے اصرار پر انکار نہ کیا اور تقریر فرمائی۔ اصل میں صدیوں کی غلامی نے مسلمان قوم کے اخلاق کا ستیا ناس کر دیا تھا۔ دائیں کا کہہ کر بائیں چلنے کا چلن عام تھا۔ معاملات کی صفائی جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے تھی وہ ان میں مفقود تھی۔ شاہ جی معاملات کی صفائی میں بالخصوص سخت رویہ اختیار کرتے اور اس وجہ سے بعض لال بجھکڑ قسم کے لوگ انہیں متشدد بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کی محبت کا ایک انداز تھا۔

ان کے غصے میں ہے دل سوزی تو ملامت میں پیار

مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

۱۹۸۲ء کے لگ بھگ میں قرآن مجید حفظ کرنے کیلئے لاہور چلا آیا۔ حفظ کے دوران ہی ابا جی مرحوم دو تین ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ شاہ جی کا محبت بھرا تعزیت نامہ آیا۔ جس میں یہ بھی لکھا تھا۔

"میں کسی قریبی فرصت میں آپکی دلداری کی خاطر کوٹلہ رحم علی شاہ میں حاضر بھی ہوں گا۔ اطمینان رکھیں"۔

میں اور بڑے بھائی قاری حبیب الرحمن صاحب ابا جی کی وفات کے پندرہ دن بعد ہی لاہور چلے آئے اور پھر سے حفظ قرآن میں مشغول ہو گئے۔ اب یہ یاد نہیں کہ شاہ جی ہمارے وہاں سے آنے کے بعد تشریف لائے کہ

نہیں بہر حال ہماری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

ہم دونوں بھائی حفظِ قرآن سے فارغ ہو چکے تھے۔ کہ ایک دن برادرم و استاد قاری محمد عبدالقیوم صاحب نے شاہ جی کو چائے پر بلایا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے چچازاد بھائی احمد الحسینی مرحوم، ذوالفقار بھٹہ صاحب مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم اور کچھ دوسرے علماء بھی مدعو تھے۔ راقم اور برادرم قاری حبیب الرحمن صاحب نے یکے بعد دیگرے تلاوت کی۔ چائے کا دور چلا تو دوسرے حضرات تو چائے پیتے رہے اور شاہ جی اپنا کلام سناتے رہے۔ جو حضرت سید احمد شہید کی منقبت میں ایک طویل نظم تھی۔

اس کے بعد پانچ چھے برس کا ایک طویل وقفہ آیا۔ جس میں نہ تو میں شاہ جی سے ملا اور نہ ہی ان کی تقریر سنی۔ ہو سکتا ہے وہ لاہور آئے ہوں لیکن اپنے تعلیمی مشاغل کی وجہ سے جلسوں میں آنا جانا تھا ہی نہیں۔ اس طویل وقفے کے بعد پہلی اور آخری ملاقات ۱۹۹۴ء کے موسم گرما میں ہوئی۔

میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بعد نماز عصر حاضر ہوا۔ گھر کے برآمدے میں چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے ملتان کیسے آنا ہوا؟ میں نے بتلایا کہ ڈاکٹر سید محمد اسمٰعیل بخاری صاحب (فرزند سید خلیل احمد شاہ بخاری مرحوم) امریکہ سے آئے ہوئے ہیں۔ ان سے ملنے آیا ہوں۔ فرمانے لگے کئی سال سے میری بھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان سے کہیں آ کے مل جائیں۔ عرض کیا آپکا پیغام پہنچا دونگا۔ فرمانے لگے پیغام ہی نہیں پہنچانا انہیں لے کے بھی آنا ہے۔ میں نے کہا ان شاء اللہ پوری کوشش کروں گا۔ محبت بھرے انداز میں فرمانے لگے۔ پھر کوشش! میں کہہ رہا ہوں انہیں لے کے آنا ہے۔ میں ہڈنس پڑا۔ عرض کیا لے کے آؤنگا! پھر فرمانے لگے!

"منطق پڑھی، ادب پڑھا، فلسفہ و تاریخ پڑھی، اور پتہ نہیں کیا کچھ پڑھا۔ اب اللہ سے دعا کی ہے کہ سب کچھ بھول جائے۔ صرف قرآن و حدیث یاد رہ جائے!"

اللہ اللہ کے سوا آخر رہا کچھ بھی نہ یاد
جو کیا تھا یاد سب تھا بھول جانے کیلئے

اب یہ تو یاد نہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر گفتگو میں کیسے آیا؟ مگر حضرت شاہ جی نے جس محبت بھرے انداز میں ان کا ذکر کیا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ انہیں اپنے استاد سے کتنی شدید محبت تھی فرمانے لگے:

"میں نے ان جیسا مہتمم، منتظم، استاد، مربی، شفیق و مہربان اور ولی نہیں دیکھا۔"

مغرب کا وقت قریب ہو رہا تھا۔ حضرت شاہ جی سے اجازت لی اور برادرم ڈاکٹر سید محمد اسمٰعیل بخاری صاحب سے ملنے آفیسر کالونی چلے گئے۔ انہیں شاہ جی کا پیغام پہنچایا اور یہ بھی کہا کہ ہم ان سے وعدہ کر آئے ہیں کہ آپکو ان کے ہاں لے کے آئیں گے۔

اگلی صبح نماز فجر کے فوراً بعد شاہ جی کی رہائش گاہ پر ڈاکٹر بخاری صاحب کی معیت میں پھر حاضر

ہوئے۔ شاہ جی حسب معمول چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ آج پھر
صحبت رہی خوشگوار کچھ دیر!

ڈاکٹر بخاری صاحب ان کے ساتھ ہی چارپائی پر بیٹھ گئے اور ہم لوگ کرسیوں پر براجمان ہوگئے۔ پہلے اپنے مرض کے متعلق بتاتے رہے۔ ڈاکٹر بخاری صاحب نے تشخیص کی اور کچھ دوائیاں بھی تجویز کیں جو بعد میں راقم نے ڈاکٹر صاحب سے لے کر شاہ جی کو پہنچا دیں۔ چند ماہ پیشتر استاد محترم پروفیسر جعفر بلوچ صاحب نے راجہ محمد عبداللہ نیاز مرحوم کا کلام مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔ راجہ مرحوم کے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ چنانچہ میں نے شاہ جی کو اطلاع دی کہ راجہ محمد عبداللہ نیاز کا کلام شائع ہوگیا ہے۔ شاہ جی فرمانے لگے ہاں وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ یہاں آیا کرتے تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا وہ کتاب ضرور بھجوانا۔ جو میں نے بعد میں بھجوادی تھی۔

ابا جی مرحوم کو یاد کیا۔ فرمانے لگے "بہت نیک آدمی تھے۔" اور پھر رونے لگے!

کوٹلہ رحم علی شاہ اور پھر سید خلیل احمد شاہ بخاری کا تذکرہ ہوا۔ فرمانے لگے سب چلے گئے۔ ہم رہ گئے! ڈاکٹر بخاری صاحب سے پوچھا پھر کب پاکستان آنے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے غالباً ایک سال بعد آنے کو کہا تو فرمانے لگے!

"ہم نہیں ہونگے"....!!

اب ڈاکٹر بخاری صاحب نے اجازت چاہی ۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے شاہ جی کیلئے کچھ دوائیاں دیں۔ شاہ جی کو یہ دوائیاں دینے کیلئے میں تیسری دفعہ ان کے ہاں گیا۔ الوداعی مصافحہ کیا تو ہاتھ پکڑ کے محبت بھرے انداز میں فرمانے لگے! پھر کب آؤ گے؟ میں اس کیفیت کو تحریر میں نہیں سمو سکتا کہ انہوں نے کن شفقت اور محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا۔ ان کی محبت بھری باتیں یاد آتی ہیں تو ان کے جانے کا دُکھ اور گہرا ہو جاتا ہے۔ کاش! کچھ دیر اور ہم ان کی محبتیں سمیٹتے۔

شاہ جی اپنے رب کے پاس چلے گئے اور یوں نہ صرف ہم اپنے عہد کی ایک بہت بڑی علمی و روحانی شخصیت سے محروم ہوگئے بلکہ ایک محبت کرنے والے انسان سے بھی محروم ہوگئے۔ ان کے انتقال کا غم یوں بھی ہے کہ امت میں ایسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ وہ ظاہر و باطن دونوں کے مرد میدان تھے۔ وہ صاحب گفتار بھی تھے۔ اور صاحب کردار بھی اور اسی بات نے ان کے قول میں اثر پیدا کر دیا تھا۔ مئی ۱۹۷۱ء میں موچی دروازہ لاہور میں انہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تین گھنٹے تقریر کی۔

تو معروف شیعہ عالم سید اظہر حسن زیدی بھی سٹیج پر موجود تھے۔ تقریر کے اختتام پر فرط جذبات میں اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے..... آپ کے والد بھی خطیب تھے اور آپ بھی خطیب ہیں۔ اللہ کی قسم، آج آپ کو بھی تسلیم کرتا ہوں آپ نے خطابت کا حق ادا کر دیا"

وہ تقریر کرتے تو "ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر" والی کیفیت پیدا ہو جاتی وہ جو اقبال نے کہا تھا .... "گفتارِ دلبرانہ، کردار قاہرانہ" وہ اس کا پورا پورا مصداق تھے۔ انہوں نے قلندروں کے اس طریق کو کہ ہر حال میں زبان دل کی رفیق رہے۔ تادمِ زیست نبھایا وہ واقعی ہمارے عہد کی ایک بہترین (Genius) شخصیت تھے۔ انہوں نے ہر میدان میں اپنی شبانہ روز محنت اور وسعتِ مطالعہ سے اپنا لوہا منوایا۔ وہ ہمہ جہت شخصیت تھے۔ اس صدی کے بہت بڑے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ نے انہیں خلافت سے نوازا، انہوں نے غزلیں کہیں۔ نظمیں لکھیں۔ منقبت کہی، تحقیقی و علمی مضامین لکھے۔ صحافت میں اپنے جوہر دکھائے۔ غرض وہ مقامِ عقل سے بھی بڑی کامیابی سے گزرے اور مقامِ شوق میں بھی پیچھے نہ رہے۔

تھی عقل زباں پر اے اکبر اور عشق پہ رکھی ہم نے نظر

ممتاز رہے ہشیاروں میں سرخیل رہے دیوانوں کے

شاہ جی کی وفات کی خبر پڑھی تو دھچکا سا لگا۔ پتا نہیں کیوں؟ ان کی بیماری کا علم ہونے کے باوجود ایک (Wishful Thinking) پُر امید سوچ میرے قلب و دماغ پر چھائی ہوئی تھی کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور ہم پھر سے ان کی گرم گفتاری کے مزے لیں گے اور ان کی صحبتیں سمیٹیں گے مگر......

سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

ان کو جانا تھا سو چلے گئے! ان کے انتقال کے روز اخبار تاخیر سے پڑھا جلدی پڑھ لیتا تو کم از کم جنازے میں شریک ہو کر ان کا آخری دیدار تو کر لیتا۔ لیکن میری قسمت! ان کی تقاریر کے کچھ کیسٹس میرے پاس تھیں۔ وہ نکالیں اور انہیں سنتا رہا۔ اور ان کی یاد تازہ کرتا رہا

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں

کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

یہ تحریر بھی ان کی یاد کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ مجھے معلوم ہے کہ چھوٹے منہ سے بڑی باتیں کچھ اچھی نہیں لگتیں۔ لیکن اگر عجوزۂ مصر سوت کی انٹی لیکر یوسف کے خریداروں میں شامل ہو سکتی ہے تو پھر میں بھی چھوٹا ہوتے ہوئے ان کی یادوں کو تازہ کر سکتا ہوں۔ انہیں خراجِ عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔

عبدالواحدبیگ ملتان

ایک تاثر

ایک ادنیٰ بورڈ نویس محض ہونے کی حیثیت سے حضرت علامہ سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجھے ہمیشہ انتہائی محبت، شفقت اور خیر خواہی سے پیش آتےاور میری حوصلہ افزائی فرماتے تھے فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ انہوں نے مجھ سے بے شمار بینر، کتبے اور بورڈلکھوائے، انہی متعدد بینروں کی بیش قیمت تحریرات میں سے تبرکاًایک عربی رباعی کے الفاظ کچھ اس طرح سے تھے

وَجَدتُ العلمَ فی الَاشراف عظماً
وَ فی الَاجلَاف مَقبُوحاً وَ ذ ماً
کماَء المَطر فیَ الاصَداف دُراً
وَفیَ ثغرالَا فَاعیَ صَارَ سَماً

یعنی .... میں نے علم کو شریفوں میں با عَظمت پایا۔ اور کمینوں میں بہت برا اور مذموم ۔ جیسے ابر بہار کا پانی، کہ اس کے قطرے سیپیوں میں تو موتی بن جاتے ہیں اور سانپ کے منہ میں زہر بن جاتے ہیں ....

علاوہ ازیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قول جو ان کی تجویز پر مجلس احرار اسلام کا ماٹو بن گیا۔ کا بینر بھی میں نے لکھا۔

مَتٰی استَعبَد تُم النَّاسَ وَقَد وَلَدَ تھُم امھاتھم احرارا

ترجمہ:۔ "تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے" افسوس ہے کہ آجکل ہر نومولود مقروض غلام زادہ پیدا ہوتاہے۔

اللھم بارک لی فی الموت و فی مابعد الموت ..... آمین یاالہ العالمین فقیر عبدالواحد بیگ (المرحوم پینٹر) (ملتان)

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری

غزل

یہ مقدر بھی اک پہیلی ہے　　خالی دامن ہے پُر ہتھیلی ہے
نقد دیگر ادھار اپنایا　　کیسی بازی یہ ہم نے کھیلی ہے
جو بھی مجذوب ہے زمانے میں　　ہم فقیروں کا یار بیلی ہے
ساغرِ دل میں تو نے، ساقیؔ گن　　معرفت کی وہ مئے انڈیلی ہے
کہ دل دھڑکنے لگا ہے مٹی کا　　تار روح مضراب سے میلی ہے
ہے انیس جہانِ تنہائی　　آکہ تجھ بن یہ جاں اکیلیؔ ہے

موت جیسی کٹھن مصیبت بھی
تیری خاطر سے ہم نے جھیلی ہے

❋

سید ابوذر بخاری

تکمیل

محبت کی سرا فرازی کا ساماں کر رہا ہوں میں　　متاعِ دل، رہینِ عشقِ جاناں کر رہا ہوں میں
جہانِ یاس کو رشکِ گلستاں کر رہا ہوں میں　　فضاءِ غم بچشمِ نم گل افشاں کر رہا ہوں میں
فسونِ عشق کی گزریں جنوں انگیزیاں حد سے　　کہ ہر ذرہ کو پھیلا کر بیاباں کر رہا ہوں میں
چمکتا ہوں سماءِ صدق پر بد روفاء بنکر　　شبِ تاریکِ فرقت کو فروزاں کر رہا ہوں میں
مجھے کیوں لذتیں حاصل نہ ہوں دردِ محبت کی　　رہینِ کاوشِ نشتر، رگِ جاں کر رہا ہوں میں

وفاء را کار بستن جاں برافشاندن نیاز من
بخون نامرادی غوطہا خوردن نماز من

عبدالرحمن جامی نقشبندی (جلال پور پیروالہ ضلع ملتان)

بطلِ حریت حضرت امیرِ شریعت اور ان کے خاندان سے میرا نظریاتی تعلق

انسانی زندگی میں دین اور نظریاتی تعلق ایک ایسا اٹوٹ رشتہ ہے جو حقیقی رشتوں محبتوں سے کہیں زیادہ اور کبھی نہ ختم ہونے والا لازوال، بے مثال اور انمٹ جذبوں سے سرشار ہوتا ہے۔ نظریاتی تعلق ایک ایسا رشتہ ہے جس کے لئے انسان اپنی جان و مال، اولاد و اسباب کی پرواہ کئے بغیر سب کچھ لٹانے کے لئے مر مٹتا ہے۔ یہی کیفیت میرے خاندان کے مرد مجاہد سالار احرار میاں صوفی عبدالمجید احرار نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی امیرِ شریعت، خطیب الامت، بطلِ حریت، سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ نظریاتی وابستگی تھی۔ دینِ اسلام کی سر بلندی، ناموس رسالت و عظمت صحابہ کے تحفظ کی جدوجہد میں جہاں امیرِ شریعتؒ نے زندگی کا اکثر حصہ جیل کی کال کوٹھڑیوں اور سفر میں گزارا۔ وہاں میرے نانا مرحوم میاں صوفی عبدالمجید احرار نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امیر شریعت کے ایک سپاہی کی حیثیت سے ان کے شانہ بشانہ جیل اور ریل کے سفر میں زندگی کا ایک حصہ بتا دیا۔ حضرت امیر شریعتؒ کے انتقال کے بعد میرے نانا عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جی کے فرزندوں سے پیار و محبت اور نظریاتی وابستگی کو قائم دائم رکھا۔ جانشینِ امیرِ شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ابناء مولانا امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری، حضرت سید عطاء المومن بخاری، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری سے محبت و اکرام میں فرق نہ آنے دیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے ماسٹر عبدالغفور، راقم عبدالرحمن اور چھوٹے بھائی قاری عبدالرحیم فاروقی کو اس عظیم علمی و روحانی مرکز سے وابستہ رہنے کی تلقین و نصیحت کی۔ ۱۹۷۷ء میں جانشین امیرِ شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعارف کرایا تو الحمدللہ ثم الحمدللہ ان کے دمِ واپسی تک یہ تعلق بدستور قائم رہا۔ اب ان کی اولاد سے بھی قائم و دائم ہے۔ جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ نے اپنے دور نظامت میں مجلس احرار اسلام کو از سر نو منظم کیا تو نظریاتی طور پر کارکنوں کی زبردست تربیت کی۔ مرزائیت، سبائیت، الحاد اور زندقہ کے خلاف بھرپور انداز میں تبلیغ دین حق کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان کی اس تبلیغ کا مرکزی نکتہ سیرتِ رسول ﷺ سیرت ازواج و اصحاب رسول اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے معیار حق ہونے اور دین میں ان کی آئینی حیثیت کا بیان تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ:

''ہم تک اصحاب رسول ﷺ کے واسطہ ہی سے دین پہنچا ہے۔ جب تک ان نفوسِ قدسیہ کی شہادت حق اور آئینی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جائیگا اس وقت تک دین حق کی صحیح تعبیر ناممکن ہے۔

تبلیغ کا یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کی حقانیت کے پیش نظر تمام لادین نظریات کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ مجلس احرار اسلام کے منشور میں بھی عقیدہ کی بحث میں صحابہ کرامؓ کے معیار حق ہونے کی بحث کو آپ نے وضاحت سے تحریر کیا ہے۔ یہ خصوصیت صرف مجلس احرار اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس کے منشور میں عقیدہ کی بحث وضاحت کے ساتھ ہے۔ اس ضمن میں شاہ جی تحریر کرتے ہیں:

"آپ کے اصل اور حقیقی اہل بیت یعنی امہات المؤمنین ازواج مطہرات خصوصاً آپ کے صحابہؓ کرام وخلفاء عظام سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا علی المرتضیٰ، مصلحِ امت سیدنا حسن مجتبیٰ اور سیدنا معاویہ حلیم وجواد علیہم السلام والرضوان آپ کے سچے نائب و جانشین نیز امت کے لئے معیار حق اور مدارِ ہدایت ہیں۔ اور ان کا اسوہ عقائد و اعمال کے متعلق آخری الہامی تشریح اور قانونی سند ہے"۔

راقم شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس وقتاً فوقتاً حاضری دیتا تھا۔ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ اکثر نصیحت فرماتے اور پوری شدت سے تلقین کرتے کہ

"پوری زندگی میں امت کے عظیم اور قطعی واحد نمائندہ مغفرت اور جنت کی بشارت یافتہ اکثریت اہل سنت والجماعت کے مذہب و مسلک و مشرب کے واسطہ سے اسوۂ اصحاب و ازواج رسول علیہم السلام کو ہی اپنے عقیدہ و عمل کی بنیاد اور ہر نقل و حرکت اور ہر قال و حال میں اپنا اوڑھنا بچھونا ... رکھنا فرض واجب سمجھ کر اپنی عمر گزار دینا۔ اور اپنے فکر و عمل سے اپنے گھر، خاندان و برادری اور ماحول کے مسلمانوں کو بھی اسکی دعوت دے کر تبلیغ و دعوت اور شہادتِ حق کا فرض ادا کرتے رہنا چاہیئے تاکہ دین و دنیا کی خیر و فلاح نصیب ہو۔ اللہ کریم بھی راضی ہو، ان کے حبیب علیہ السلام کی شفاعت کبریٰ اور ان کے اصحاب و ازواج علیہم السلام کی خوشنودی اور معیت و برکات مقدر ہو جائیں۔"

میں کوئی مضمون لکھ بھیجتا تو میری تحریری غلطیوں کی اصلاح فرماتے۔ ایک مرتبہ راقم کا مضمون پڑھتے ہوئے فرمانے لگے کہ:

"آجکل عام روش چل نکلی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کے نام پر اکثر لوگ اور اخبارات درود شریف کی بجائے "صلعم"۔ لکھتے ہیں۔ یہ ناجائز و سخت حرام ہے۔ رافضی، سبائی، تبرائی طبقہ نے تعصب و تبرا کی بنیاد پر دین کے ہر مسئلے میں بگاڑ پیدا کرنے اور اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی شرارت شامل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ تاکہ ہر شخص کا ایمان خراب ہو۔ کسی نہ کسی بہانے وہ بھی ہمارے ساتھ تقیہ، تبرا میں شامل ہو جائے۔ ہمارے بھولے بھالے سنی حضرات انکی پھیلائی ہوئی شازشوں کے جال کو سمجھنے کی بجائے ان کی تقلید میں لگ جاتے ہیں۔ اسکی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ بالخصوص آپ کتاب سعادت الدارین کو پڑھیں اسمیں بھی خاصی رہنمائی مل جائے گی۔"

حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے احباب کو مطالعہ کے لئے کوئی کتاب ضرور تجویز فرماتے انہی کی تلقین اور خواہش پر میں نے کتاب "سعادت الدارین" کو پڑھا۔ اس میں اکثر واقعات ہمارے لئے باعث عبرت ہیں اور اصلاح اعمال کا موجب ہیں۔ ایک مقام پر لکھا تھا:

درود شریف کے بدلے "صلعم" لکھنا ناجائز و سخت حرام ہے یونہی رضی اللہ عنہ کی جگہ "رض"، رحمتہ اللہ علیہ کی جگہ "رح" لکھتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے جن لوگوں کے نام محمد، احمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، معاویہ، حسین،

طلحہ، زبیر، مروان، مغیرہ ہوتے ہیں ان ناموں پر "ص"، "ع" لکھتے ہیں یہ بھی ممنوع ہے۔ اللہ تعالی عزوجل کے نام مبارک کے ساتھ بھی "جل جلالہ" پورا لکھیں۔ آدھے "ج" پر اکتفا نہ کریں۔ کیونکہ "صلعم" کے موجد کا ہاتھ کاٹا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ پہلا وہ شخص جس نے درود شریف کا اختصار ایجاد کیا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اللہ اکبر عزوجل کتنا محبت بھرا دور تھا۔ کہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخفف ایجاد کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا گیا کیوں نہ ہو کہ جو صرف مال کی چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو اس بد نصیب نے مال نہیں بلکہ درود شریف چوری کرنے کی کوشش کی تھی، اگر آپ کے دل میں عظمت مصطفی ﷺ راسخ ہے تو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مال کی چوری سے شان مصطفی ﷺ میں چوری کرنا زیادہ سنگین جرم ہے اور مذکورہ بالا سزا پھر بھی کم ہے۔ افسوس کہ آجکل یہ چوری عام ہو چکی ہے۔ ہر کتاب، ہر رسالہ، ہر اخبار، "صلعم" اور "ص" سے بھرا پڑا ہے۔

جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری علمی سورج تھے جس کی ضیاء پاش کرنوں سے میں ہمہ وقت پسنی جہالت کی تاریکیوں کو کافور کرتا رہا میں نے ان کی وفات حسرت آیات کی خبر نواسہ امیر شریعت سید محمد ذوالکفل بخاری صاحب سے سنی۔ بے اختیار میری آنکھیں غمناک ہو گئیں۔ اور بیتے ہوئے تمام لمحات ایک ہی آن میں میرے ذہن میں منعکس ہو گئے جو کہ امیر شریعت کے اس جانشین، عالم با عمل سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کی علمی محافل و مجالس میں گزرے انہوں نے اپنی پوری زندگی دین حق کی اشاعت اور تبلیغ اسلام میں گزار دی اور کبھی بھی تبلیغ دین کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ صبر و قناعت کے ساتھ زندگی بسر کر دی۔

شاہ جی فصاحت و بلاغت میں بحر بیکراں تھے۔ خطابت آپ کی میراث تھی۔ جس عنوان پر خطاب فرماتے سامعین آپکی تحقیق و مطالعہ اور فصاحت و بلاغت پر دنگ رہ جاتے۔ وہ عصر حاضر کے عظیم محقق اور بہت بڑے خطیب تھے۔ قرآن کریم سے عشق کا یہ حال تھا کہ آٹھ دس سپارے تلاوت روزمرہ کا معمول تھا۔ رمضان المبارک کی مقدس ساعتوں میں خواص کو بھی ملنے کی اجازت نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ عید الفطر کے تیسرے روز حاضری کا اتفاق ہوا۔ تو فرمانے لگے جامی، اب جسمانی ضعف غالب ہے۔ بارہ ختم قرآن ہوئے ہیں۔ اس مرتبہ طبیعت بہت ہی اداس رہی اچھا کیا بہت جلد آ گئے۔ سارا دن بٹھائے رکھا۔ سارا دن محفل جمی رہی۔ شاہ جی کا سلسلۂ بیعت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ العزیز سے تھا ان کے حالات سنا کر آبدیدہ ہو جاتے۔ بیماری اور ضعف کی وجہ سے مختصر ملاقات کرتے مگر ہمارے ساتھ بے تکلفی کی وجہ سے نصف نصف دن گزار دیتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنی، علامہ محمد انور شاہ کاشمیری، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ الہند مولانا محمود حسن کا تذکرہ کرتے ہوئے اکثر آبدیدہ ہو جاتے فرماتے اب کہاں سے لاؤں ایسی ہستیاں جن کے ملنے سے ایمان تروتازہ ہو جاتا۔ فالج کے شدید حملہ سے آخر میں زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ بالآخر پیغام اجل آ گیا۔ عظیم باپ کا یہ عظیم بیٹا اپنے عظیم والد اور عظیم والدہ صاحبہ کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے لاکھوں مداحوں اور احرار کے ہزاروں کارکنوں کو داغ مفارقت دیکر ابدی نیند سو گیا۔

سید محمد یونس بخاری

میں کیوں سوگوار ہوں؟
ایک نیک طینت آدمی کا نثری مرثیہ

اکتوبر ۱۹۹۶ء میں لاہور کے جناح ہال میں "سید ابوذر بخاری سیمینار" میں شرکت کا موقع ملا۔ دور و نزدیک سے بڑی تعداد میں لوگ اپنی عقیدتوں، ارادتوں اور محبتوں کے گلہائے رنگا رنگ لئے حاضر تھے۔ سٹیج پر سید عطاء المحسن بخاری، مولانا مجاہد الحسینی، چودھری ثناء اللہ بھٹہ اور پروفیسر خالد شبیر احمد براجمان تھے۔ مگر میری آنکھیں وحشت زدہ سی تھیں...... دل بے ترتیب.... تیزی سے دھڑک رہا تھا...... نگاہیں کسی کی تلاش میں لرزاں و ترساں... مگر وہ نہیں تھا۔ وہ بہت دور جا چکا تھا۔ کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لئے..... چپ چاپ...... نہایت خاموشی کے ساتھ وہ اس خار زار جہاں سے گزر گیا..... وہ شخص.... میانہ قد و قامت، گلاب چہرہ..... سفید شلوار قمیض میں ملبوس، حسنِ فطرت کا پیکر، پارہ صفت حیاتِ مستعار کا سفر، پل میں یہاں پل میں وہاں خوش جمال، خوش اطوار، بلند افکار، سوچ عالمانہ، حکمت و تدبر اس کا اوڑھنا بچھونا..... بڑوں میں بڑا عالم..... نہایت ممتاز و منفرد..... چھوٹوں میں چھوٹا، ملائم و معصوم..... بہت ہی سچی بات ہے۔ وہ خلوتوں میں حقیقتوں کو تلاشتا تو جلوتوں میں فلاحِ امت تراشتا، صحنِ چمن میں نور کا ہالہ اور عرفان و آگہی کا ہمالہ..... حبِ اصحاب محمد ﷺ سے مستنیر یعنی موجۂ عشقِ رسالت کا نخچیر..... وہ بزم اہل دل کی شمعِ حبیب اور متلاشیانِ حق کے لئے کامل طبیب..... اس مجموعۂ صفات کا نام نامی حافظ سید عطاء المنعم رحمۃ اللہ علیہ ہے (وہ سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کے نام سے معروف تھے)..... برصغیر پاک و ہند کے جید عالم دین، ممتاز و شاعر ادیب، شعلہ نوا خطیب اور جدوجہد آزادی کے جری راہنما امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند اکبر اور جانشین..... خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ خیر المدارس سے زیور علم و حکم سے سرفراز ہونیوالی ہمہ جہت شخصیت دیکھ کر زبان سے بے ساختہ نکلے،

"ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی"

وہ صرف متبحر عالم دین ہی نہ تھے بلکہ دنیا بھر کی سائنسی معلومات، ثقافتی اصطلاحات، تاریخی حالات و واقعات، جغرافیائی کیفیات و تفصیلات اور عمرانی تشریحات و تصریحات پر انکی گہری نظر تھی..... قدرت نے بلا کا حافظہ ودیعت کر رکھا تھا..... کسی موضوع گفتگو پر حوالہ جات بڑی برجستگی سے پیش کرتے یہاں تک کہ کتاب، رسالہ یا اخبار کی تاریخ اشاعت، صفحہ اور سطر تک بتا دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی متنفس نہیں۔ ثرت پھرت کتب خانہ ہے۔ اسلامی تاریخ کے گہرے پانیوں کی غواصی ان کا محبوب مشغلہ تھا تو تحقیق و جستجو کے نام پر تلبیسات کا انبار لگا کر لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کا تعاقب ان کا نصب العین..... جو شخص ملک

سے کبھی باہر نہ گیا ہو اور وہ آپ کو گھر بیٹھے نو صدیاں پہلے اور آج کے ہسپانیہ کی سیر کرادے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ہر دور میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں مشہور عمارات اور نامشہور مقامات میں نت نئے حک و اضافہ سے آگاہ کر دے..... جن کی ہمہ نوعی معلومات کا دریائے مواج ناپید اکار ہوا سے کس نام سے یاد کیا جا سکتا ہے..... ظاہر ہے سید ابوذر بخاری ہی کہیں گے کہ ان سا کوئی اور دیکھنے کو نہیں ملا..... تقریر کرے تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دے۔ مجھے صحیح یاد نہیں۔ لاہور کا موچی دروازہ تھا یا ملتان کا قاسم باغ..... سیرت طیبہ ﷺ پر بہت بڑا جلسہ تھا..... ہر مکتب فکر کے علماء اور ہر طبقہ و مشرب کے زعماء موجود تھے..... سید ابوذر بخاری تقریر کر رہے تھے۔

"عزیزانِ چمن، کامیاب وہ ہے جس نے اپنا مشن نہیں چھوڑا، جو حق کے لیے جان دے دے مگر غداروں، جفا کاروں سے روشناسی کے لئے قوم کو بروقت بیدار کر دے۔ جو نونہالان وطن کو حقیقت کی راہ سجھائے اور قومی معاشرہ کو تباہی سے بچانے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ دے۔ جو، تاجدارِ ختم نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت، آخری بین الاقوامی اور بین الافاقی قانون کے ساتھ مرتے دم تک غیر مشروط وابستگی رکھے۔

وہ کامیاب نہیں جو قوم کا خون بہادے، عزتیں لٹوادے، اموال تباہ کر دے۔ جو اسلام کا نام لے کر جمہوریت، اشتراکیت، مارکس ازم اور فاشزم ،یہودیت و سبائیت اور مرزائیت کے لئے چور دروازے کھولے اور اسلامی آئین میں تحریف و منافقت کی نقب لگائے۔ ایسا شخص کائنات کا، مسلمانوں کا، اسلام کا اور اس ملک کا بد ترین دشمن ہے۔"

ان جملوں پر بہت سے لوگ تملار ہے تھے۔ ظاہراً کئی بڑی اور باطناً بہت چھوٹی جبینیں شکن آلود ہو رہی تھیں..... لبرل ازم کے دلدادگان پریشان حال تھے۔ کئی ایک لیڈر رُسوا کن پچھتاوے میں مبتلا کہ یہاں کیوں آگئے۔ مگر شاہ جی قدیم وجدید تقاضوں کے باوصف اسلام کی ابدی اور انمٹ سچائیوں کے ساتھ اپنی بے پناہ لگن کا برملا اظہار کر رہے تھے۔ ہزاروں لوگ انگشت بدنداں تھے کہ مولانا بھی ایسی گفتگو کر سکتے ہیں۔ انہیں کیا خبر..... یہ کوئی پروفیشنل مولوی یا پیر تو تھے نہیں کہ ہالکونس اور بصیرویں میں الاپتے اور مسحور کن کیفیت پیدا کرتے..... وہ تو فرزند بطل حریت تھے جن کے اخلاص کی برکت اور ربّ العزت کی بے پایاں رحمت و عنایات کا اعجاز تھا کہ لوگ ورطۂ حیرت میں گم سم بیٹھے تھے۔ یہ سیّد السادات بول رہے تھے اور سامعین ہمہ تن گوش۔

"میرا وجدان گواہی دیتا ہے میں انشراح صدر کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمان خوابِ غفلت سے نہ جاگا تو ذلیل و خوار ہو گا۔ اللہ کے وعدے کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔ اس کی پیش گوئیاں کبھی ناتمام نہیں رہتیں۔ اسکے پیغمبر کے ارشادات کبھی جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ قرآن کی آیات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے ماننے والوں اور علمبرداروں کا کبھی بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی موت، یہ اگر شکست کی دلیل ہے تو ہزاروں

انبیاء شہید ہوگئے اور اپنا ایک امتی بھی پیدا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ اقتدار کے سنگھاسن پر بیرونی حکومتوں کی سازشوں میں شریک ہو کر، سفارت خانوں سے حاصل کردہ سرمائے کو مانند آب بہا کر یا کوئی اور ناٹک رچا کر، برسر اقتدار آجانا حق کی علامت نہیں، کامیابی نہیں..... یہ وقتی سیاست کی شعبدہ بازی یا ایکٹروں کا کھیل ہے اور بس۔"

یہ تھا فکر بوذری کا نمونہ مشتے از خروارے۔ آئیے ان کی شاعری کا رخ کرتے ہیں۔ آج لوگ اپنے ناپسندیدہ افراد یا حکومتوں کے خلاف لکھتے اور شعر کہتے ہیں تو اسے مزاحمتی ادب کا نام دے دیتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ مزاحمتی ادب تو وہ ہے جس کے ذریعہ کسی قوم، معاشرے، حکومت، شخصیت یا سیاسی جماعت کے غلط افکار و نظریات کا بطلان کیا جائے، عوام الناس کو ان سے بچنے کی راہ دکھائی جائے، یا کسی ملمع ساز کے منافقانہ روپ کا سرعام پوسٹمارٹم کیا جائے تاکہ لوگ سچ اور جھوٹ، غلط اور صحیح کی پہچان کر سکیں۔ سید صاحب نے ہر ہر صنف میں طبع آزمائی کی مگر مزاحمت کا انداز قابل غور ہے۔

میں اگر زیغِ تفکر کا گلہ کرتا ہوں
تم دلیلوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہو
میرے معتوب سے ماحول کو مذہب کے عوض
کتنی تلبیس سے پیمانِ وفا دیتے ہو
میں اگر حکمت و الہام کا دیتا ہوں سبق
تم اسے جہل کے پردوں میں چھپا دیتے ہو
الغرض دیں ہو، سیاست ہو، معیشت یا معاد
ساری دولت کو شکم پر ہی لٹا دیتے ہو
میں تو پھر ایک مؤثر پہ ہی رکھتا ہوں یقیں
تم فقط مادہ کو معبود بنا دیتے ہو
تم مساوات و اُخوت کا امیں بن کر بھی
بغض و تفریق کا اک جال بچھا دیتے ہو

بات دور نکل گئی..... میں بات کر رہا تھا بیادِ ابوذر بخاری سیمینار کی۔ بڑے بڑے دانشور مدعو کئے گئے تھے۔ کچھ حضرت کے ہمدرس و ہم جماعت بھی تھے مگر اس محفل میں ان کا وجود عنقا تھا۔ کچھ بھی ہو جانئے سید صاحب تو ٹھہرے مولانا کے مولانا..... کوئی "آرٹسٹ" تو تھے نہیں کہ یہ "نابغے" اس "نادرہ روزگار" کو "خراج" پیش کرنے آتے..... اسے "سرمایۂ زیست" قرار دیتے اور اس کے "فن" پر "رنگین" کالم لکھ کر احول کی "سنگینی" میں اضافے کا باعث بنتے۔ دراصل میں بھول گیا تھا۔ مجھے یاد رکھنا چاہیئے تھا کہ مولانا قسم کی

کوئی شخصیت بھی علم و ادب اور تاریخ و ثقافت کی گتھیاں سلجھانے کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی..... یوں بھی تحقیق کوئی "آرٹ" تو نہیں کہ اس پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جائیں..... نہ ہی یہ ہماری "ثقافت" کا حصہ ہے کہ اس پر صدائے آفریں بلند کی جائے..... یہ کتابوں کی ورق گردیزی ہے "اعضا کی شاعری" تو نہیں کہ حضرت جوش کی نظموں کے چنیدہ اشعار کو ذریعۂ تعریف بنایا جائے..... کتابیں پڑھنا کوئی بڑی بات نہیں..... یہ تو ہمارے بچے روزانہ تعلیمی اداروں یا "اپنے اداروں" میں پڑھتے ہیں۔ ارے ہاں! میں تو یہ بھی بھول گیا تھا کہ جب ملتان میں ٹھیک ایک برس پیشتر جانشینِ امیر شریعت، درویش ابن درویش کا جنازہ اٹھا تو اخبارات نے سہواً یا عمداً ان کی خبرِ وفات کا "بلیک آؤٹ" اور اخبار نویسوں نے شدید بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تھا۔ شاید کسی ایک آدھ اخبار میں غالباً کسی اندرونی صفحہ پر تین لائنوں کی ایک کالمی خبر تھی۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر "اس بازار" کی کوئی "فنکارہ یا فنکار" اس کارگہہ ہستی سے آخرت کو سدھارتا تو سیاہ حاشیہ آرائی کے ساتھ آدھے صفحے کی تصویر اور خبر چھپتی، ادارتی شذرے بھی لکھے جاتے۔ پھر کئی روز بعد تک کالم نویس مرثیہ نما کالموں کی لائن لگائے رکھتے۔ مگر..... واحسرتا..... میں بھول گیا تھا..... اپنے ماحول کی کثافتوں کو ..... میں علم و حکمت اور عالم و دانشور کی قدر و منزلت اور ایک "آرٹسٹ" میں تمیز نہیں کر سکا۔ میں بھول گیا تھا کہ "اقدار" تبدیل ہو چکی ہیں..... میں بھول گیا تھا کہ "آرٹ" زندگی ہے۔ اور "آرٹسٹ" اس کا عکاس..... میں بھول گیا تھا کہ میرے عہد کا ہر فرد، فنکار، لکھاری، خطیب، ادیب، دانشور، کالم نگار ایک عدد "پیٹ" بھی رکھتے ہیں۔ وہ ہر فنکشن اسی حوالے سے دیکھتے ناپتے اور تولتے ہیں..... دوستدارانِ عزیز میں اپنی اس فرد گذاشت پر نادم نہیں..... سوگوار ہوں..... دل سے ہوک سی اٹھتی ہے۔

کاش مرے جیون کے بدلے لوٹ سکیں وہ لوگ

(بشکریہ ہفت روزہ "زندگی"، لاہور ۱۱ دسمبر ۱۹۹۶ء)

باذوق قارئین کے مطالعہ کے لیئے بہترین کتابیں

ھڈالی ضلع خوشاب میں

ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کا تازہ شمارہ

مجلس احرار اسلام کا تمام لٹریچر

علماء کرام کی تقاریر کے کیسٹ اور ہر قسم کی علمی، تاریخی اور ادبی کتابوں کا مرکز

مولوی محمد قاسم مکتبہ رحمانیہ نزد مین بازار ھڈالی ضلع خوشاب

ابوہندہ محمد عبداللہ معمار

شاہ جی کی باتیں - شاہ جی کی ادائیں

بستی قصاباں ملتان میں ایک دینی درسگاہ تھی۔ میرا بچپن تھا اور اس درسگاہ میں آنا جانا تھا۔ میرے والد مرحوم مستری امیر بخش ایک ایرانی عالم مولانا عبدالواحد شاہ صاحب سے بیعت تھے۔ جو محلہ کوٹلہ تولیخاں کی مسجد قریشیاں والی میں کبھی کبھی ایران سے تشریف لایا کرتے تھے۔ میں نے دو مرتبہ ان کی زیارت کی۔ والد مرحوم راج مستری تھے۔ صبح کی نماز مسجد عید گاہ میں باجماعت ادا کرتے اور حضرت مفتی محمد شفیع ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس قرآن مجید سن کر اپنے کام پر جاتے۔ یہ میرے گھر کا مذہبی ماحول تھا۔

حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری کی پہلی تقریر میں نے عام خاص باغ ملتان میں یوم شہداء بالاکوٹ کے جلسہ میں سنی یہ ۱۹۵۰ء کی بات ہوگی۔ اس جلسہ میں مولانا بہاؤالحق قاسمی بھی تشریف لائے تھے۔ میرے والد محترم بھی میرے ساتھ جلسہ میں موجود تھے۔ حضرت شاہ جی کی یہ تقریر خطابت کا شاہکار تھی۔

دوسری مرتبہ ۱۹۶۱ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے جنازہ میں دیکھا ان کی چارپائی گھر سے باہر آئی تو آپ گلی کی نکڑ تک کندھا دے کر ساتھ آئے تھے۔ اس وقت آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر آپ سے تعلق جوڑنے کی دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی تھی۔ جنازہ میں بے پناہ ہجوم کی وجہ سے میں کندھا تو نہ دے سکا مگر چارپائی کے نیچے سمٹ گیا اور ایمرسن کالج گراؤنڈ تک اسی طرح ساتھ چلتا رہا۔ جنازہ کیلئے چارپائی رکھی تو میں پاؤں کی طرف بیٹھ گیا اور حضرت امیر شریعت کے پاؤں چوم لئے۔ اس وقت ایک بزرگ تشریف لائے جو غالباً حضرت ابوذر بخاری کے سسر حضرت مولانا محمد شریف صاحب تھے۔ شاہ جی نے کفن کھولا اور اپنے عظیم باپ کا چہرہ انہیں دکھایا تب میں نے بھی زیارت کی۔ حضرت شاہ جی نے نمازِ جنازہ کی امامت فرمائی اور حوصلے کے ساتھ اپنے اباجی کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

تقریباً بیس روز بعد شاہ جی سے میری پہلی ملاقات ان کے گھر پر ہوئی۔ پھر یہ تعلق محبت و عقیدت میں بدل گیا جو ان کی موت کے بعد بھی قائم ہے۔ ان کی بے لوث محبت و خلوص، علم و تقویٰ اور اخلاقِ عالیہ نے مجھے ہمیشہ کیلئے انکا گرویدہ بنا دیا۔

مجھے یاد ہے جب ۱۹۶۲ء میں انہوں نے دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت لوہاری گیٹ کے سامنے ایک بڑے میدان میں درسِ قرآن مجید کا آغاز کیا تو اس کا افتتاح حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ نے کیا تھا۔ ہر جمعہ کو بعد از نماز جمعہ تا عصر اسی میدان "کپ گازراں" میں آپ باقاعدہ درس قرآن مجید دیتے۔ میں بھی اس درس میں باقاعدہ شریک ہوتا۔ انہی دنوں آپ نے یوم حسین رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے جلسہ رکھا۔ تو رافضیوں کے ماحول میں زلزلہ آگیا۔ ضلعی حکام نے پہلے تو قلعہ کہنہ قاسم باغ میں جلسہ کی اجازت دے دی مگر پھر رافضیوں کے شدید دباؤ میں آکر پابندی لگا دی۔ حاجی محمد سرفراز مقامی جج تھے اور ذھناً خاکسار تحریک سے وابستہ تھے ان کی عدالت میں اجازت کی درخواست دی تو انہوں نے مسجد پونگراں والی گھنٹہ گھر میں جلسہ کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت شاہ جی نے اس جلسہ میں زندگی

کی طویل ترین تقریر کی جو نو گھنٹے جاری رہی اور فجر کی اذانیں شروع ہو گئیں۔ حضرت شاہ جی نے فرمایا تھا۔

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کی مشترکہ متاع ہیں۔ دیو بندی، بریلوی اور اہل حدیث مسلک کے مولویو! میں اپنی ٹوپی تمہارے پاؤں پر رکھنے کو طیار ہوں تم صحابہ کی عزت و ناموس کے تحفظ کی قدر مشترک پر اکٹھے ہو جاؤ۔ اس مقصد کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دو اللہ کے ہاں یقیناً مقبول ہو گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری امت مسلمہ کے متفقہ اسلاف ہیں اور جو قوم اپنے اسلاف کو بھلا دے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹ جایا کرتی ہے۔ اگر آپ نے آج تحفظ ناموس و منصب صحابہ کا فرض ادا نہ کیا تو یاد رکھو، مسجدوں، مقبروں، مکانوں، دکانوں اور بازاروں سے پکڑ کر تمہاری داڑھیاں نوچی جائیں گی اور تمہیں قتل کیا جائے گا"۔

چنانچہ آج پینتیس سال بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان میں مذہب و مسلک کی بنیاد پر علماء کو قتل کیا جا رہا ہے اور اس صورت حال کے سامنے ہم سب بے بس ہیں۔ کسی بھی شخص کی زندگی محفوظ نہیں۔

ملتان کے ایک شیعہ ذاکر مشتاق حسین نقوی نے ایک مرتبہ حضرت شاہ جی کو خط لکھا کہ آپ تمام صحابہ کے دن منائیں، چندہ ہم دیں گے۔ لیکن "یوم معاویہ" منانا چھوڑ دیں"۔

حضرت شاہ جی یوم معاویہ کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ اکثر فرماتے کہ

"معاویہ رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ کا دروازہ ہیں۔ معاویہ مظلوم ترین صحابی ہیں۔ دشمن کو اسی دروازے پر روک لو اور آگے نہ بڑھنے دو۔ رافضی کڑوا گھونٹ پی کر ابوبکر عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا نام تو تقیہ کر کے برداشت کر لیں گے مگر معاویہ کا نام کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ میں موت قبول کر لونگا مگر عظیم صحابی رسول سیدنا معاویہ سلام اللہ علیہ کا ذکر خیر کبھی ترک نہیں کروں گا"

لاہور میں ایک اور ذاکر اظہر حسن زیدی نے ملتان کے یوم حسین میں شاہ جی کی تاریخی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ...... "مومنو! ابو معاویہ ابوذر بخاری نے یوم حسین منا کر تمہاری صدیوں پر محیط محنت و فن کو برباد کر دیا ہے اس شخص سے غافل نہ رہنا"۔

ان کا ہر خطاب روحانی و الہامی ہوتا تھا۔ لیکن ایک تقریر ان کی دیرینہ خواہش، مشن اور مقصد کی تکمیل تھی۔ ملتان کے گیلانی خاندان کے چشم و چراغ سید آصف علی گیلانی حضرت شاہ جی کے عقیدت مند تھے۔ انہوں نے اپنی تقریب نکاح پر شاہ جی کو مدعو کیا اور نکاح پڑھانے کے ساتھ ساتھ اس مناسبت سے خطاب کی بھی درخواست کی۔ شاہ جی حسب وعدہ مسجد نیم والی محلہ گیلانیاں پاک گیٹ پہنچ گئے اور نماز عصر وہیں ادا فرمائی۔ یہاں خانقاہ غنی شاہ کے ساتھ عاشق حسین شاہ گیلانی کا ڈیرہ تھا۔ جہاں تقریب نکاح منعقد ہوئی اور حضرت شاہ جی کا خطاب ہوا۔ اس تقریب میں جو لوگ شریک ہوئے اس سے شاہ جی کے خطاب کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اہم شرکاء یہ تھے، سید یوسف رضا گیلانی، غلام نبی شاہ، مظہر حسین شاہ، غضنفر شاہ، سید وجاہت حسین گیلانی، سید خاور علی شاہ، سید فخر امام، ان کے بھائی سید فیصل امام اور دیگر شیعہ سادات کرام موجود تھے۔ حضرت شاہ جی نے فرمایا......

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آج سادات کرام سے خطاب کا موقع ملا ہے۔ نکاح کے حوالہ سے ہی چند باتیں کہوں گا۔ اسلام کے قانون نکاح میں ہر مسلمان کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن داشتہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ یہ زنا کہلائے گا۔ جو شخص چار عورتوں کے تمام حقوق پورے کر سکتا ہے۔ وہ چار نکاح کر لے۔ لیکن اگر کوئی ایک کا

حق بھی پورا نہ کرسکے تو دوسری رکھ کر اس کی حق تلفی کے گناہ میں مبتلا نہ ہو۔

عام طور پر بعض لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں حضرت صاحب، فلاں پیر صاحب بہت "پہنچی ہوئی سرکار ہیں"۔ پیر صاحب فرماتے ہیں کہ "مجھے تو شادی کی خواہش ہی نہیں ہے"

میں کہتا ہوں اس حضرت اور پیر سے بڑا کوئی کذاب نہیں ہے اور اس سے بڑا کوئی دھوکے باز نہیں ہے۔ جنسی تسکین انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اللہ کے پیغمبروں نے نکاح کیا حالانکہ وہ معصوم بھی تھے۔ اسلئے کوئی انسان اس فطری جبلت سے انکار نہیں کرسکتا۔ پیغمبر علیہ اسلام نے فرمایا کہ جس شخص پر شہوانیت کا غلبہ ہو جائے تو وہ وسائل مہیا کر کے نکاح کرے اور اگر وسائل میسر نہ ہوں تو روزے رکھے۔ اس سے اس جذبہ میں اعتدال پیدا ہوگا۔

شاہ جی نے مزید فرمایا کہ:

دنیا میں صرف دو نبیوں کی مثال منفرد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ خاص معاملہ اور اپنی قدرت کا اظہار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا کیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے جنسی جبلت سے نجات دے دی۔ ان دونوں نبیوں نے شادی نہیں کی۔ باقی تمام انبیاء نے نکاح کئے۔

شاہ جی نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہیں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ سلام اللہ علیہم ان کے نکاح کے وقت ۱۳۲ تولے چاندی حق مہر مقرر ہوا۔ اور دیگر ازواج مطہرات کا مہر بھی یہی ہے۔ اس سے کم بھی اگر کوئی دے تو فقہا نے درست قرار دیا ہے لیکن یہ مہر مسنون ہے۔ افسوس کہ آج ہمارے مولوی صاحبان کو نکاح پڑھانے کی فیس تو یاد ہے مگر سنت رسول علیہ السلام یاد نہیں۔ نکاح خواں جاہل مولویوں نے مشہور کردیا کہ ۳۲ روپے مہر فاطمی ہے حالانکہ یہ ۳۲ روپے اس وقت ۱۳۲ تولے چاندی کی قیمت تھی۔ اصل مہر ۱۳۲ تولے چاندی ہے اس کی آج جو بھی قیمت بنے وہ مہر مسنون کہلائے گا۔ اور یاد رکھو یہ حق مہر عورت کی قیمت نہیں۔ اس کی عزت و اکرام ہے اور اس کیلئے ہدیہ ہے اگر آپ سادات کرام میں سے کوئی دولت مند زیادہ مہر دینا چاہے تو اسکی مثال بھی موجود ہے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپ حضرت ابو سفیان سلام اللہ علیہ اور سیدہ ہند کی بیٹی اور سیدنا معاویہ سلام اللہ علیہ کی ہمشیر سیدہ ام حبیبہ رملہ سے نکاح کرلیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا جو انہوں نے قبول فرما لیا اور ام المؤمنین کے درجہ پر فائز ہو گئیں۔ تب شاہ حبشہ نجاشی نے آپ علیہ السلام کا وکیل بن کر خطبۂ نکاح پڑھا اور ۱۰۱ تولے سونا حق مہر اپنی طرف سے ادا کیا۔ جسے نبی علیہ السلام نے قبول فرمایا۔

سادات کرام غور فرمائیں، ابو سفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہیں۔ سیدہ ہند ساس ہیں اور سیدنا معاویہ سالے ہیں اور سیدہ ام حبیبہ رملہ امت کی ماں ہیں۔ آپ میں سے کوئی پسند فرمائے تو ایک سو ایک تولے سونا بطور حق مہر ادا کر کے اس سنت پر عمل کر کے نبی علیہ السلام کی روح مبارک کو خوش کرسکتا ہے۔"

حضرت شاہ جی رحمہ اللہ نے اس تقریب میں اور بھی بہت کچھ فرمایا مگر تقریر کا مرکز و محور درج بالا مضمون ہی تھا۔ میں اس موقع پر غلام نبی میراں شاہ، وجاہت حسین گیلانی اور یوسف رضا گیلانی کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ غلام نبی میراں شاہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا......

"واہ سید واہ، جیسا باپ ویسا بیٹا۔ آج حق ادا کر دیا" وجاہت حسین حضرت شاہ جی کے چہرے کو مبہوت ہو کر دیکھ رہا تھا اور آنکھ نہ جھپکتی تھی۔ یوسف رضا اور خاور شاہ حیران و ششدر تھے کہ اس شخص نے ہمارے ہی گھر میں بیٹھ کر کس خوبصورتی اور برق رفتاری سے ہمارے مسلک کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سید آصف علی شاہ گیلانی کو بیٹا عطاء کیا تو اس کا نام حضرت شاہ جی کے مشورہ سے محمد معاویہ رکھا۔ سید آصف گیلانی اس خاندان کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے حضرت شاہ جی کو اپنے ہاں مدعو کیا اور "محمد معاویہ" نام کا بچہ اس پورے خاندان کا پہلا بچہ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

میں کافی عرصہ حضرت کے ساتھ رہا۔ آپکی عادات و کردار اور مزاج سے زیادہ واقف ہوں۔ آپ مزاج شناس طبعیت کے مالک تھے آپ عالم باعمل، دانشور، محقق اور حق گو عالم تھے۔ آپکی ہر تقریر میں ایک روحانی عکس معلوم ہوتا تھا۔ اکثر یہ دیکھا گیا۔ آپ اپنی فصاحت و بلاغت سے ہمیں نوازتے۔ میں اکثر گھر کی چیزیں، ضروریات زندگی، احباب کے آنے پر بیکری سے سامان وغیرہ لے آتا۔ کوئی چیز آپکے فرمانے پر لے آتا تو اسی وقت پیسے ادا، کر دیتے۔ میں اگر کہتا شاہ جی کوئی بات نہیں دس بیس روپے ہی تو ہیں! آپ رکھیں۔ تو مجھے سختی سے روک دیا، بھائی اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ نہ کرنا۔ جب میں کوئی چیز منگاؤں اسکے جتنے پیسے ہوں مانگ کر لے لینا اب آج نہ لوگے، کل نہ لوگے تو پرسوں خود نہ آؤ گے۔ ۳۵ سال میں پھر کوئی ایسا دن نہیں آیا کے حضرت نے کوئی چیز منگائی اور پیسے نہ دیئے ہوں ایسے بہت کم لوگ علماء میں دیکھے۔

میں قسم اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے انہوں نے ماں باپ کی طرح پالا اور تربیت کی۔ میری کم ہمتی کہ میں وہ نہ بن سکا جیسا بننا چاہیئے تھا۔ اکثر مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے یہ روزانہ کا معمول تھا میں اپنے کام سے فارغ ہو کر عصر کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا اور عشاء ہو جاتی۔ ایک دفعہ مجھے فرمایا نماز سے فارغ ہو کر جانا نہیں، میں نماز مغرب پڑھ کر آہستہ سے نکل جاتا۔ وہ نوافل میں مصروف ہوتے ایک دن نماز سے پہلے ہی فرما دیا اس لیئے فرار کی کوئی صورت نہ تھی نماز سے فارغ ہو کر گھر گئے اور اماں جی رحمتہ اللہ علیہا کے مبارک ہاتھوں سے پکا ہوا کھانا اٹھا لائے۔ دستر خوان بچھایا تو کھانے میں شوربا اور مکھن تھا، فرمایا لو مستری کھاؤ، آج اماں جی نے خصوصی طور پر کہا ہے یہ حافظ جی مکھن کی ایک ٹکیہ تمہارے لئے اور ایک بیٹے کیلئے ہے۔ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ سنایا کہ ابا جی رحمتہ اللہ علیہ اندر تشریف لے گئے اور پکار کر پوچھا بڑھیا کہاں ہو؟ دیکھو تو سہی باہر رحمت پروردگار آئی ہوئی ہے۔ تو اماں جی نے جواب دیا جی، یہاں ہوں۔ پھر بتایا کہ میرے دروازے پر دیکھو کیسے کیسے علماء کرام آئے ہیں، تقریباً دو سو ہیں۔ یہ رحمت پروردگار ہے۔ اماں جی نے ازراہ تفنن فرمایا ذرا چولہے کے پاس بیٹھو، رحمت سمجھ آ جائے گی۔ شاہ جی کی روایت ہے کہ اماں جی ہمیشہ کھانا باوضو پکاتی تھیں۔ کئی مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ میں گھر سے چلا تو دل میں یہ خیال آیا آج حضرت کے پاس جا کر کباب ملائی فالودہ کھائیں گے میں بیٹھک میں داخل ہوتا تو شاہ جی فرماتے جاؤ مستری کباب، ملائی لے آؤ۔ جب کسی سے اللہ کیلئے محبت ہو جائے تو دلوں کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے۔

رمضان المبارک میں اکثر اوقات افطاری حضرت شاہ جی کے ہاں ہوتی۔ آٹھ دس آدمی یومیہ ہوتے کبھی کبھی ہم بھی سخاوت کرتے پانچ روپے کے پکوڑے، سموسے کھجور، لے آتے افطاری ہوتی تو شربت کی ماشاء اللہ ایک بڑی بالٹی بنتی۔ میں نے ایک دن عرض کی حضرت شربت ایک آدھی بوتل ہے کل کے لئے شربت نہیں ہے۔

آپ سن کر خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن افطاری کے قریب یاد دہانی کرائی تو آپ نے چند لمحے خاموش رہ شاہ محمد کو آواز دی۔ اتنے میں دفتر کا دروازہ کھٹکا دیکھا تو ایک آدمی دو درجن بوتل شربت روح افزاء لے کر آیا اور کہا یہ حکیم روح محمد صاحب نے ہدیہ بھیجا ہے۔ وہ شخص دو تین کھجور کے دانے لے کر واپس چلا گیا۔ ہم نے افطاری کی، نماز پڑھی، نماز مغرب کے بعد دعا کی تو حضرت شاہ جی بہت روئے۔ دعا کے بعد فارغ ہو کر فرمایا مستری، اللہ بے نیاز ہے، ہم صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ دیکھا وہ اپنے بندوں کی کیسے مدد فرماتے ہیں۔

۴۔ میرا ان کا معاملہ یہ چلتا تھا کہ میں ان کی ضرورت کی کوئی چیز خرید لاتا خود خرچ کر دیتا اگر زائد پیسے خرچ ہوتے تو بعد میں ادا فرما دیتے۔ ایک دفعہ میں نے حضرت سے کچھ پیسے لینے تھے، مجھے کوئی اشد ضرورت پیش آ گئی۔ میں نے عرض کر دی حضرت کچھ پیسے چاہئیں۔ اتنے عنایت فرما دیں۔ باقی پھر دے دینا۔ کچھ خاموشی اختیار کر کے گھر سے کپڑے کا سلا ہوا بٹوا تھا منگایا اور جتنے پیسے تھے اس سے بھی کچھ زائد دے دیئے۔ میں نے عرض کی حضرت آپ ناراض ہو گئے؟ میں نے تو اپنی ضرورت کا اظہار کیا تھا یہ زائد پیسے کس چیز کے؟ فرمایا: صبر کرتے، آپ نے صبر نہ کیا اب جتنے ہیں لے لیں میں ناراض نہیں ہوں۔

ایک شخص کراچی سے آیا اور جلسہ کے لئے تاریخ لے گیا۔ اسنے کچھ رقم منی آرڈر کر دی اور سلام دعا کے بعد لکھا حضرت یہ آمد و رفت کا ہوائی جہاز کا کرایہ ہے آپ فلاں تاریخ کو آئیں۔ حضرت نے مجھے رقم دے کر رقعہ لکھا "میں حسب وعدہ آ جاؤں گا کرایہ واپس ہے۔ یہ کس بات کے؟ یہ نہ میرے والد محترم نے کیا نہ ہمارے علماء حق نے کیا نہ میں نے آج تک کیا؟ پیشگی لینا ناجائز ہے، تقریر کے کرایہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

سیٹھ ابوبکر کراچی والے نے دس ہزار روپے بھیجے اور مد نہ لکھی کہ یہ رقم کہاں خرچ کرنی ہے۔ آپ نے بذریعہ ڈاک ان سے پوچھا؟ تیسری مرتبہ اس نے جواب لکھا حضرت یہ زکوٰۃ ہے اور آپکی ذات کیلئے آپ نے جواباً ایک طویل خط لکھا اور تمام سادات کرام کی شاخیں لکھ دیں کہ ان پر زکوٰۃ ناجائز ہے لہذا رقم واپس ہے۔

۷۔ علماء کرام کا بہت احترام کرتے تھے حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمتہ اللہ علیہ، مولانا خان محمد مدظلہ، مولانا عبید اللہ انور، مولانا قاری محمد طیب، مولانا خیر محمد، مولانا محمد شریف کشمیری، مولانا زکریا، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد عبداللہ بہلوی، مولانا محمد عبداللہ (ساہیوال)، مفتی محمد عبداللہ ملتانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہم اکثر اوقات ان کے ساتھ ملاقات میں مجھے ملاقات کا شرف ہوا۔ مجھے یاد ہے حضرت سے میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت آپ مجھے بیعت فرمائیں تو شاہ جی نے مجھے مولانا محمد عبداللہ درخواستی کے پاس بھیجا اور فرمایا ان سے بیعت ہو جائیں۔ خانپور کے جلسہ میں آپ نے ایک جملہ حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ میرے دل میں حضرت درخواستی کے بیٹے سے بھی زیادہ احترام اور محبت ہو۔ میں اپنی ڈاڑھی اس اجتماع میں ان کے پاؤں پر مسلنا اپنی نجات کا سبب سمجھتا ہوں تب مولانا عبدالشکور دین پوری رحمتہ اللہ علیہ دھاڑیں مار کر رونے لگ گئے۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمتہ اللہ علیہ سے ایک دفعہ لاہور میں ملاقات ہوئی میں اور کچھ دیگر احباب بھی ساتھ تھے مولانا عبید اللہ انور نے مصافحہ کیا اور کمرہ کی طرف اشارہ فرمایا، حضرت چلیں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ مسجد کے ساتھ ملحقہ چار قدم پر کمرہ تھا جس میں حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ ذکر کرایا کرتے تھے۔ شاہ جی اور ہم کمرہ میں بیٹھ گئے

تھوڑی دیر بعد چائے بسکٹ آ گئے، دستر خوان لگ گیا۔ حضرت عبید اللہ انور اتنے میں زینہ سے کمرہ کی طرف اترے اور حضرت شاہ جی کھڑے ہو گئے مولانا نے فرمایا، حضرت شاہ جی آپ تشریف رکھئے۔ شاہ جی مصافحہ و معانقہ کے بعد فرمایا جیسے آپ آج آئے ہیں، میں بھی اسی طرح آیا تھا اور حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہوئے تو میں نے یہی کہا تھا جیسا آپنے فرمایا۔ انہوں نے فرمایا "بیٹا میں اصل میں آپ کیلئے نہیں آپ کے والد ماجد امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے کھڑا ہوتا ہوں" شاہ جی نے فرمایا میں پتھر جیسا انسان کب کسی کیلئے کھڑا ہو سکتا ہوں میں بھی آپ کے لئے نہیں آپکے والد ماجد کی وجہ سے کھڑا ہوتا ہوں۔

پھر اسی شام حاجی احمد دین کے ہاں دعوت کا پروگرام بنا انکی گاڑی آئی اور لے گئی۔ پہلے حضرت شاہ جی اور بندہ پہنچے بعد میں حضرت مولانا عبید اللہ انور تشریف لائے۔ حسب عادت جیب سے ٹافیاں نکال کر ملنے والے کو ایک ایک دیتے۔ میں نے مصافحہ کیا تو مجھے بھی ایک ٹافی دے دی۔ میں نے کہا حضرت میں ایک نہیں دو لوں گا۔ حضرت شاہ جی کی وجہ سے میری آپ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ آپ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنی تھیں سب مجھے عنایت فرما دیں۔ پھر کھانے کے بعد کچھ دیر علماء حق کا تذکرہ ہوتا رہا حضرت عبید اللہ انور رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شیشی جیب سے نکال کر حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دی اور فرمایا حضرت یہ رسول اکرم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے اندر کی مٹی ہے۔ آپ سے زیادہ کون ہے جسکو یہ عظیم تحفہ دیا جائے، قبول فرمائیں۔ آپ نے لے کر ایک شعر پڑھا جس کا ایک مصرعہ تھا...... تیرے در کی مٹی میری آنکھوں کا سرمہ

اور پھر فرمایا میں نے مدت پہلے ایک نظم اس عنوان سے لکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپکے ہاتھوں یہ نعمت عطاء فرما دی۔ پھر وہ پوری نظم اس مبارک محفل میں سنا کر سب کو مسحور کیا پھر سرمہ بنایا، دو ماہ لگ گئے، وہ ایک دیوانہ عبد الغفور ہوتا تھا، وہ کھرل کرتا تھا۔ پھر اس میں وہ مٹی ڈالی۔ ایک عجیب سی اس میں خوشبو تھی۔ اس فقیر کو بھی عنایت فرمایا۔

ایک ان کی زوجہ محترمہ کے رشتہ میں غالباً نانا (سید سعید الحسن شاہ صاحب) تھے۔ ان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا وہ ربیع اول کی ۱۲ تاریخ کو اس کی زیارت کراتے تھے۔ میں نے ایک دن حضرت شاہ جی سے عرض کی حضرت آپ کبھی موئے مبارک کی زیارت کیلئے لے چلیں؟ تو حضرت نے فرمایا ان کا ایک ضابطہ ہے، وہ ربیع الاوّل میں زیارت کراتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ ان سے کہیں تو سہی۔ چنانچہ ان کے گھر جا کر نماز جمعہ کے بعد کا پروگرام بنا۔ آپ نے غسل فرمایا، وہی سرمہ لگا کر جامع مسجد معاویہ میں خطبۂ جمعہ دے کر گھر آئے پھر اور ساتھی بھی شامل ہو گئے۔ عصر کے وقت وہاں پہنچے۔ نماز عصر پڑھی اور حضرت شاہ صاحب وہ صندوقچی اٹھا کر سر پر رکھ کر لے آئے درود شریف پڑھ کر اس کو دیکھا تو اسکی چمک دیکھ کر فقیر کو یوں محسوس ہوا جیسے ابھی ریش مبارک سے جدا ہوا ہو۔ وہ معطر موم پر لگا ہوا تھا۔ ایک شیشہ بھی تھا کہ کمزور نگاہ والا اس سے دیکھ سکے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کیلئے جامعہ خیر المدارس تشریف لے گئے۔ عصر کی نماز پڑھی، دار الحدیث میں حضرت تشریف فرما تھے۔ حضرت شاہ جی، ملک عبد الغفور انوری مرحوم اور یہ فقیر ساتھ تھا۔ وہاں ان سے ملاقات ہوئی اس موقع پر تین اخباری نمائندے آ گئے اور حضرت قاری محمد طیب صاحب سے ایک عجیب سا سوال کیا۔ پوچھا حضرت آپ یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ بانی پاکستان محمد علی جناح اور مولانا ابو الکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ میں کیا فرق تھا۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب نے فرمایا بھائی میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں۔

میں تو اپنے اکابر کی یاد تازہ کرنے کیلئے آجاتا ہوں۔ میں ایک مذہبی آدمی ہوں میرا اس سوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اخباری نمائندہ نے کہا پھر بھی آپ اپنا ذاتی اظہار فرمائیں تو آپ نے فرمایا اچھا بھائی اگر تم لوگ مجبور کرتے ہو تو میرا یقین یہ ہے ابو الکلام رحمۃ اللہ علیہ اور محمد علی جناح میں یہ فرق ہے کہ ایک پتھر تھا جو قوم نے ہیرہ سمجھ کر اٹھا لیا اور ایک ہیرہ تھا مگر قوم نے پتھر سمجھ کر پھینک دیا۔ اور کچھ پوچھنا پسند فرمائیں گے؟ وہ خاموش ہو کر واپس چلے گئے۔ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے فرمایا حضرت مرحبا آج آپ نے لاج رکھ لی، حق ادا کر دیا، حضرت قاری صاحب نے فرمایا شاہ صاحب کیسا حق اور کیسی لاج، اللہ کی قسم صدیوں تک یہ لوگ اب پیدا نہ ہونگے۔"

حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی سے ایک دفعہ ملاقات ہوئی وہ لاہور دفتر مجلس احرار اسلام میں تشریف لائے۔ اکابر کا تذکرہ کرتے رہے۔ چائے نوش فرمائی اور جب جانے لگے تو فرمایا حضرت مدینہ منورہ میں ایک اللہ کے بندے نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۰ سال کی محنت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک سے لے کر وفات تک ۴۰ جلدوں میں ایک مبارک کتاب لکھی اور آخر میں لکھا اے اللہ یہ حقیر محنت قبول فرما میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ لکھنے سے قاصر ہوں" اور پھر فرمایا ایک اللہ کے بندے نے اسکا مطالعہ کیا اور خوب پایا انہوں نے یہ بات کنایہ میں کہی کہ حضرت شاہ جی اٹھے اور مولانا شمس الحق کا ماتھا چوما اور معانقہ مصافحہ بھی کیا اور فرمایا وہ اللہ کا بندہ الحمدللہ مولانا شمس الحق افغانی ہے۔

ایک دفعہ کسی جگہ دعوت سے آرہے تھے، مدرسہ قاسم العلوم کے پاس جب ٹانگہ پہنچا تو اس فقیر نے عرض کیا حضرت مولانا خان محمد مدظلہ سنا ہے آج کل بیمار ہیں اور یہاں سرگانہ ہاؤس میں تشریف فرما ہیں۔ زندگی کا پتہ نہیں ملاقات ہو جائے؟ تو وہاں سے سیدھے سرگانہ ہاؤس آ گئے۔ مولانا ایک کمرہ میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جب سامنے ہوئے تو اٹھ کر ننگے پاؤں آگئے۔ حضرت شاہ جی کے اصرار کے باوجود کمرہ کے دروازے کے باہر مصافحہ معانقہ کیا پھر اندر ساتھ لے گئے۔ خیر و عافیت دریافت کی۔ حضرت ان دنوں کافی کمزور تھے۔ حضرتؒ شاہ جی چارپائی کے ساتھ بیٹھ گئے کچھ دیر بیٹھ کے بعد حضرت گھر آنے کی درخواست کی۔ جو آپ نے قبول فرمائی۔ دوسرے دن عصر کے بعد حضرت تشریف لائے۔ بیٹھک کے فرش دھو کر دریاں بچھا کر چارپائی پر بستر ہ موسم کے مطابق اور تکیہ رکھ دیا گیا۔ چائے کا تکلف انتظام کیا۔ حضرت مولانا خان محمد مدظلہ کو چارپائی پر بٹھایا خود نیچے بیٹھ گئے۔ میری جہالت، میں نے دل میں سوچا ہمارے حضرت سیّد بھی ہیں اور وقت کے محقق دانشور عالم فاضل اور خطیب ہیں یہ نیچے بیٹھ گئے ہیں اور حضرت کو چارپائی پر بیٹھا دیا ہے در اصل یہ شاہ جی کا حسن اخلاق اور خانقاہ سراجیہ کے اکابر کی نسبت کا احترام تھا جو میں اس وقت نہ سمجھ سکا۔ اب سمجھ آرہا ہے۔ کافی دیر حضرت کےلئے صحت کی دعا بھی ہوئی اکابر کی یاد میں تذکرے ہوتے رہے۔ یہ بڑی نورانی محفل تھی۔

ایک دفعہ مولانا حامد علی خان رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے احباب کے ساتھ تشریف لائے۔ الیکشن ۱۹۷۰ء کا زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت شاہ جی سے کہا کہ حضرت آنے کا مقصد ظاہر ہے۔ الیکشن ہے اور آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ شاہ جی نے پوچھا حضرت کل آپکا گلگشت کالونی میں خطاب تھا شیعہ حضرات کے متعلق آپکا کیا خیال ہے؟ مولانا حامد علی خان نے فرمایا حضرت انہوں نے تعاون کا یقین تو دلایا ہے۔ فرمایا حضرت جنہوں نے امام اول خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق سلام اللہ علیہ کو آج تک معاف نہیں کیا، آپ ان پر کیسے یقین کرتے ہیں اور فرمایا

حضرت آپ نے ایسے تکلیف کی ہم تو آپکے خادم ہیں اور آپکو کافی عرصہ سے جانتے ہیں آپ نے دورۂ حدیث حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہے ہم تو اس نسبت سے بھی آپکا احترام کرتے ہیں۔ حضرت مولانا حامد علی خان مسکراتے رہے۔ اور بہت ہی خوش ہو کر واپس لوٹے۔ شاہ جی نے اپنے احباب کو ہدایت کی کہ مولانا کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شاہ جی سے میرا تعلق تو ۱۹۶۲ء سے ہو چکا تھا اللہ کے فضل و کرم سے اس تعلق میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ دورانِ درسِ قرآن، ''مسجد معاویہ'' کی تعمیر کی تجویز سامنے آئی۔ میری والدہ ماجدہ کی بڑی خواہش تھی کہ ایک مسجد بنائی جائے تو ہم نے ایک کنال ۸ مرلہ جگہ عثمان آباد کالونی میں لی یہ محلہ پہلے ''گنج شہیداں'' کے نام سے مشہور تھا تو ہم سب بھائیوں نے ۵ مرلہ جگہ وقف کی اور حضرت شاہ جی سے مسجد کے نام کے بارے میں اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا بھائی اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میرے نزدیک تو ''مسجد معاویہ'' ہے۔ اتفاقاً دو تین دن پہلے ایک ناواقف آدمی سے گفتگو ہوئی۔ اس نے بطور طنز کہا کہ ساری دنیا میں اس وقت کسی شہر، گلی، مسجد، مدرسہ یا کسی انسان کا نام ''معاویہ'' ہے؟ حضرت شاہ جی کو بڑی چوٹ لگی تھی میں بھی موجود تھا۔ اس پس منظر میں میں نے مسجد معاویہ کی تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔ شاہ جی نے ایک کارکن عبدالغفور بھٹی کو کہا کہ جا کر جگہ دیکھ آؤ اور اس بندہ کی تصدیق کرو۔ میں نے سن لیا۔ عبدالغفور جگہ دیکھنے گئے اور واپس آکر شاہ جی کی تسلی کرا دی۔ اب جمعۃ المبارک کے دن میں نے حضرت کو بعد نماز مغرب دعوت پر مدعو کیا اور عرض کیا آپ جگہ بھی دیکھ لیں۔ اگلے جمعہ کو مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے گئے، آپ کے ہمراہ مولانا غلام قادر (مرحوم) خطیب مسجد پونگراں، رشید مرحوم اور بھائی عبدالغفور تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شاہ جی میرے گھر تشریف لائے تھے۔ میری والدہ ماجدہ کو کھانے پکانے کا بڑا سلیقہ تھا۔ ۵۰ سال بچوں کو قرآن پڑھایا نماز روزہ کی پابند نیک سیرت تھیں اور ہاتھوں میں بڑی برکت تھی۔ شاہ جی کی پسند کے مطابق کھانا پکایا اور شاہ جی نے سیر ہو کر کھایا غالباً تیسرے دن عصر کے بعد میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا قاضی احسان [redacted] شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ آئے ہوئے تھے شفقت فرمائی اور مجھے بھی ساتھ بٹھا لیا۔ حضرت قاضی احسان احمد کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ خود لقمہ توڑ کر حضرت شاہ جی کے منہ میں دیتے اور اصرار فرماتے کہ میں ایسے ہی کروں گا۔ وہاں حضرت شاہ جی نے قاضی صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا یہ میرا ساتھی ہے۔ اس وقت میرا نام محمد نواز تھا، حضرت نے بدل کر محمد عبداللہ رکھا۔ آپ نے جمعۃ المبارک ۶ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء کو مسجد معاویہ کا سنگ بنیاد رکھا اور ۶ اینٹیں اپنے دست مبارک سے نصب کیں اور فرمایا یہ خلفاء اسلام کے نام پر چھ اینٹیں رکھتا ہوں اس موقع پر حضرت شاہ جی، یہ بندہ فقیر، ملک عبدالغفور انوری مرحوم، چودھری محمد یعقوب، محترم غلام محمد مرحوم، بابا رشید اور عبدالغفور موجود تھے۔ پھر اکثر خطبہ جمعۃ المبارک آپ زندگی بھر وہاں دیتے رہے۔

ابھی ابتدا تھی، نئی آبادی ہو رہی تھی۔ ایک شخص پٹواری غلام حسین سنی تھا اور بڑا شہر پسند وڈیرہ بننے کا شوقین تھا۔ اس نے اور میں نے اس آبادی میں سب سے پہلے مکان بنایا۔ اس نے مجھے کہا میرا خیال ہے کہ اس جگہ نئی آبادی ہو رہی ہے اسکا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ میں نے سن کر ٹال دیا۔ حضرت سے تبادلہ خیال ہوا۔ آپ نے فرمایا اگر ہمت ہے تو ''معاویہ نگر'' رکھو جوش تھا ہوش کی پرواہ نہ کی۔ بغیر سوچے بورڈ لکھوا کر اپنی بیٹھک پر لگا دیا۔ طوفان برپا ہو گیا۔ ''مسجد معاویہ'' محلہ معاویہ...... غلام حسین پٹواری چاہتا تھا اس جگہ کا نام ''حسین آباد'' ہو۔ وہ سخت

مخالفت پر سامنے آ گیا۔ نتیجتاً محرم کی ۲ تاریخ کو پولیس کو ایک درخواست دی گئی۔ انتظامیہ حرکت میں آ گئی، بورڈ زبردستی میری غیر موجودگی میں اتار کر میرے انتظار کیلئے پولیس بیٹھ گئی۔ میں حسب عادت کام سے فارغ ہو کر آیا تو معلوم ہوا تمہارا انتظار ہے اور پولیس بیٹھی ہے ہم تین آدمی تھے میں اور میرا چھوٹا بھائی عبدالکریم اور چچا حاجی غلام محمد۔ دوسری طرف تمام محلہ اور شیعہ لوگ بھی شامل ہو گئے تقریباً ۴۰ آدمی تھے ایس ایچ او نے کہا میں بھی سنی ہوں، محرم کے دن ہیں۔ محرم کے بعد تمام محلے والے اکٹھے ہو کر کوئی نام اتفاق سے رکھ لیں۔ میں نے ان سے پوچھا جناب والا آپ نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ نے یہ بورڈ بغیر اطلاع نوٹس کیوں اتار دیا ہے۔ وہ اپنی عادت کے مطابق دھمکی دینے لگا، "تم ہمیں قانون سکھانے والے کون ہو، چل آ گے لگ" ہم سب چل پڑے اب راستے میں کچھ آدمی مجھے کہنے لگے کوئی فائدہ نہیں، چھوڑو بیٹھ کر بعد میں کوئی نام رکھ لیں گے۔ میں نہ مانتا تھا۔ تھانے جا کر تھانیدار نے بڑی کوشش کی۔ میں نے کہا دوسرے فریق غلام حسین کو پکڑو، چلان کرو۔ ۴ دن حوالات میں رکھ کر صلح نامہ پر مجبور کر دیا۔ ایک درخواست لکھی جس پر سب سے دستخط کرائے۔ میں نے اپنے دستخط اسی طرح کر دیئے ابو ہندہ محمد عبداللہ، ناظم مسجد معاویہ، محلہ معاویہ بوسن روڈ ملتان شہر۔ تھوڑی سی تھانیدار نے پھوں پھاں کی، خاموش ہو گیا ہم گھر آ گئے۔ اب آبادی بھی ہو چکی تھی، ایک دن الحاج محمد یعقوب صاحب کی کوٹھی پر محلے کے لوگ جمع تھے۔ لوگوں نے اپنی اپنی پسند کا اظہار کیا ایک صاحب نے اسلام آباد کہا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا یہ تو پاکستان کا دارالخلافہ ہے۔ رسول پورہ، حسین آباد، عثمان آباد، تو اکثریت نے عثمان آباد پسند کر لیا۔ لیکن اجلاس میں طے ہوا کہ مسجد معاویہ، کوچہ معاویہ ہمارا نام ہوگا اور اس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا یہ طے ہو گیا۔

ایک دفعہ ایک شخص شاہ جی کے پاس آیا اس نے آپ کو سو روپے ہدیہ دیا۔ آپ نے لے کر چارپائی پر رکھ دیا پھر اس نے کہا حضرت آپکا اور مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا کیا اختلاف ہے؟ شاہ جی نے فرمایا "میں ان سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنے تمام مسلک کے ساتھیوں کو ملا کر چلیں اور جتنا کام ہو سکے کریں۔ یہ ولی خان، اکبر بگٹی، بزنجو...... ان سے مل کر آپکی تمام قوت کا فائدہ ان کو ہو گا ہمیں نہ ہو گا، یہی اصولی اختلاف ہے" اتنے میں اس شخص نے کہا حضرت میں نے مفتی صاحب سے آپکے متعلق پوچھا ہے، وہ فرماتے ہیں "وہ بڑا ضدی، متکبر، سخت مزاج ہے اس کے ساتھ دنیا کا کوئی انسان نہیں چل سکتا" اتنے میں عزیز الرحمن سنبرانی سے چائے بنانے کیلئے فرمایا، چائے بننے تک اس کو اور باتوں میں لگا دیا۔ چائے پلائی اور سو روپے اٹھا کر اسکو واپس دیئے اور فرمایا "عزیز! مفتی صاحب کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، وہ میرے متعلق ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتے۔ ان باتوں سے ان کا دامن صاف ہے آپ تشریف لے جائیں شکریہ۔

حضرت شاہ جی صبر کا پہاڑ تھے ان کے مکان کا مسئلہ تھا جس کیلئے بہت پریشان تھے اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص کرم فرمایا حکیم فارانی، حکیم انور علی شاہ صاحب اور ایک میں تھا ہم تینوں کے ساتھ بیٹھ حضرت شاہ جی نے مکان کا سودا کیا جو ۹۰ ہزار میں طے ہوا یہ مکان قیام پاکستان کے بعد حضرت امیر شریعت نے کرایہ پر لیا تھا۔ شاہ جی غریب آدمی تھے اتنی رقم ان کے پاس کہاں؟ چنانچہ ایک رفیق سے قرض حسنہ لے کر مکان خرید لیا۔ پھر مسلسل رقم جمع کرتے رہے اور ایک روز اپنے رفیق کو بلا کر یہ رقم حوالے کر دی اس نے لینے سے انکار کیا اور کہا شاہ جی میں نے دیتے وقت ہدیہ کی نیت کر لی تھی۔ اس لئے میں یہ رقم نہیں لوں گا حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے

لیتے وقت قرض حسنہ لیا تھا۔ اس کی واپسی فرض ہے۔ چنانچہ رقم واپس کر دی گئی۔

حضرت شاہ جی کو قرآن پاک پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ دس پندرہ پارے اکثر بیشتر معمول تھا۔ رمضان المبارک کی رات دو مرتبہ اس فقیر کو بھی سننے کا موقع ملا۔ ویسے آپ اکثر اوقات نماز میں ایک کاغذ پر پانچ نمازوں کی ترتیب سے منزل پڑھتے تھے اور خانوں میں لکھتے تھے۔ آج اتنی منزل اس نماز میں پڑھی اور میری ڈیوٹی ہوتی تھی پندرہ بیس روز کے بعد انکا میزان کر دیتا تھا جب آخری دنوں بیماری کی وجہ سے لکھنے میں دقت ہوتی تو میرے پوچھنے پر فرماتے جو سمجھ میں آئے اس سے کم کر کے میزان کر لیں۔ ایک دفعہ میزان کا تخمینہ دیکھ کر پوچھا بھولتے تو نہیں؟ میں نے کہا نہیں یہ ساری تفصیل موجود ہے اور درست ہے۔ اتنی منزل الحمدللہ ہو چکی ہے۔ بہت خوش ہوئے۔ وفات سے ۲۰ دن یا ۲۴ دن پہلے میں نے پوچھا حضرت منزل کا کیا حال ہے؟ اب تو آپ لکھ نہیں سکتے۔ رو پڑے اور آہستہ آواز میں فرمایا آج ۲۴واں پارہ ختم ہوا ہے۔

جب آپ زیادہ بیمار تھے اور نشتر ہسپتال میں تھے۔ میں ۴ بجے تقریباً یومیہ حاضر ہوتا۔ ایک دن پہنچا تو فرمایا جلدی وضو بناؤ نماز عصر اوّل وقت میں پڑھ لیں۔ پھر ساتھی آ جاتے ہیں۔ میں نے بیسن پر جلدی جلدی وضو کیا اور آپ مجھے دیکھتے رہے۔ میں فارغ ہو کر آیا تو بہت سخت ناراض ہوئے کہ "تمہیں اتنا عرصہ میرے ساتھ گزر گیا۔ میرا اتنا قریبی ساتھی ہو کر ایسا وضو بنایا۔ اتنا شعور بھی نہیں آیا۔ افسوس ہے تم پر!" میں نے دیکھا ایک تو حضرت بیمار دوسرے اتنے سخت ناراض میں جلدی سے بیسن کی طرف لپکا اور پھر آرام سے فرائض سنن مستحبات کا خیال کرتے ہوئے وضو بنایا پھر آپ نے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر میں آپ کی طرف چہرہ کر کے بیٹھ گیا۔ دعا سے فارغ ہو کر میرے ماتھے کو چوما اور فرمایا بھائی مستری ناراض نہ ہونا، جب تعلق ہو جائے تو پھر انسان کو بڑی ٹھیس پہنچتی ہے۔ میں نے تمہیں سخت انداز میں کچھ باتیں کہہ دیں صاف کہہ دیتا بھائی ناراض نہ ہونا میں نے کہا حضرت یہ تو آپ نے میری اصلاح کیلئے کیا۔ آپکو حق تھا، آپ روحانی باپ ہیں بلکہ میں آپکا شکر گزار ہوں آپ نے اپنا حق سمجھ کر اس نالائق کی اصلاح فرمائی۔ آپ اگر جوتی اٹھا کر ماریں تو آپ میرے باپ بھی ہیں، قائد بھی ہیں، استاد اور محسن بھی آپ سے زیادہ حق کس کو ہے؟

وفات سے چند روز قبل میں نے پوچھا حضرت کوئی نصیحت فرمائیں؟ رو کر فرمانے لگے "دیکھو جو کچھ میں نے عقیدہ بیان کیا اس پر سختی سے قائم رہنا اور اپنی اولادوں کو اسکا پابند کرنا۔ جتنا ہو سکے اسکو ہر وقت ہر رنگ میں بیان کرتے رہنا۔ تم ہماری آن بھی ہو شان، عزت بھی ہو اور گواہ رہنا میں نے سب کو خدا کیلئے معاف کر دیا ہے۔" اللہ تعالیٰ حضرت سید ابوذر بخاری کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)

حافظ عبدالرحیم نیاز چوہان
بستی مولویان - رحیم یار خان

حب صحابہ کا پیکر

قائد احرار جانشین امیر شریعت، پیر و مرشد حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سالانہ تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں ایک بار رحیم یار خان تشریف لائے، ایک روز دفتر مجلس احرار اسلام رحیم یار خان میں قیام کرنے کے بعد اگلے روز رحیم یار خان سے غالباً بستی مولویان جا رہے تھے۔ راقم بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شریک سفر تھا۔ آپکی سواری جب رحیم یار خان بائی پاس روڈ تھلی چوک پر پہنچی تو وہاں سڑک کے کنارے ایک مدرسہ کا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا ہوا تھا "مدرسہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ" آپکی نگاہ جب اس بورڈ پر پڑی تو آپ نے سواری رکوا دی اور بورڈ کو اچھی طرح سے دیکھا اور بہت خوش ہوئے۔ خوش اسلئے ہوئے کہ آپکے مشن کی تکمیل تھی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا مدرسہ ہے؟ آپکو بتایا گیا کہ مولوی خالد محمود گچل کراچی سے آئے ہیں اور انہوں نے یہ مدرسہ کھولا ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ میری ایک بات یاد رکھنا کہ یہ بورڈ نہیں رہے گا۔ اور مدرسہ کا نام تبدیل ہو جائیگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب علماء کرام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ہم ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیوں تبدیل ہو جائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لینا کوئی آسان کام ہے۔ اس کام پر تو ماریں پڑتی ہیں، بے عزتی ہوتی ہے، تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں اور آج کا مولوی یہ سب کچھ برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ یہ بات ہم سے پوچھو کہ اس نام کی وجہ سے ہم نے کیا کیا تکالیف برداشت کی ہیں اور کر رہے ہیں۔ مگر اس نام کو چھوڑا ہے اور نہ چھوڑیں گے اور ہوا بھی ایسا کہ تقریباً ایک سال کے اندر ان مولوی صاحب نے مدرسہ کا نام تبدیل کر کے جامعہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھ لیا۔ بعد میں راقم اپنے بیٹے کو بغرض تعلیم قرآن مجید داخل کرنے کے لئے گیا تو مولوی صاحب مذکور سے دریافت کیا کہ آپ نے مدرسہ کا نام معاویہ سے تبدیل کر کے صدیق اکبر کیوں رکھا ہے تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی وجہ سے کراچی کے لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ اس نام کی وجہ سے ہم آپ کے مدرسہ کو چندہ نہیں دے سکتے اس لئے چندہ کی وجہ سے مدرسہ کا نام تبدیل کیا ہے۔ جب راقم نے ان مولوی صاحب کو بتایا کہ ہمارے قائد مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ نے تو پہلے ہی پیشین گوئی کر دی تھی کہ اس مدرسہ کا یہ نام نہیں رہے گا تو وہ شرمسار ہو کر خاموش ہو گیا۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

قائد احرار سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ کی بھرپور محنت ہی کا صدقہ ہے کہ آج ملک کے چپے چپے میں معاویہ نام کے بچے آپ کو ملیں گے اور ہمارے علاقہ بستی مولویاں اور گرد و نواح میں معاویہ، مغیرہ، سفیان، زبیان، نام کے تو اکثر بچے ملیں گے۔ ایک ہی گھر میں اگر دو بھائی رہتے ہیں تو دونوں نے اپنے اپنے بیٹوں کے نام معاویہ رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کی تحریک تھی کہ اپنے بچوں کے نام صحابہ کرامؓ کے ناموں پر رکھو اور الحمدللہ حضرت کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی یہ نام والی تحریک کامیابی سے جاری ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گی۔

شاہ است غنی و بادشاہ است غنی!

سپاسِ خلوص و خراجِ عقیدت بہ حضور امامت پناہ، شہادت پائیگاہ، حضرت امیر المؤمنین، امام المتقین، ثالث الخلفاء الراشدین، قدوۃ العادلین الہادین المہدیین، افضل الختنین (ہر دو آخری داماد نبی) ذوالنورین، صاحب الھجرتین، فرزند ہمشیر رسول، مومن سابق و کامل وصحابیٔ رسول، شوہر دو ہمشیرگان فاطمہ، قتیل و ذبیحِ تیغ یہود وابن سباء، شہید راہ حق و رضا و وفا، کامل الحیاء والغناء والسخاء والحلم و الایمان، جامع وحافظ و محافظ قرآن، الشہید حال تلاوت الفرقان، سیدنا "ابو عامر" "ابو عبداللہ" "عثمان ابن عفان" قریشی، ہاشمی، اموی، سلام اللہ ورضوانہ علیہ

(بہ تقریب یوم شہادت عثمان غنی "علیہ السلام والرضوان -۱۸ ذوالحجۃ الحرام)

جانشینِ نبوت پہ لاکھوں درود، تاج دارِ امات پہ لاکھوں سلام

برفلکِ عدل مہرو ماہ ست غنی — شاہ است غنی و بادشاہ ست غنی
چوں جامعِ مصحفِ الٰہ ست غنی — دین است غنی و دیں پناہ ست غنی
ہم زلفِ علی و خالوے حسنین — فردوس دل و خلد نگاہ ست غنی
صدیق و عمر بہردیں سقف و عماد — باب است علی و شہر پناہ ست غنی

سر داد نہ داد، دست در دستِ یہود
حقا کہ نشان لا الٰہ ست غنی

صد کربلا بہ دامن

بیادشہید مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

شہید حق جو ہیں ان کا ماتم کبھی کیا ہے نہ ہم کریں گے — وہ لوگ محسن ہیں ان پہ ہرگز کبھی نہ ایسا ستم کریں گے
نبی کے داماد اور صحابی نبی کے برحق سوم خلیفہ — جبیں عقیدت کی ان کے در پر بڑی محبت سے خم کریں گے
شہید حق نے ہی خوب سمجھا تھا رازِ الفت مقامِ الفت — ہم ان کی عزت پہ مرنے مٹنے کا کچھ ذرہ بھی نہ غم کریں گے
نبی نے ان کو یہ کی وصیت اتارنا مت قمیص و خلعت — بھرم خلافت کا رکھنا قائم کہ خود ہی مالک کرم کریں گے
شہید حق پر خدا کی رحمت اداء کیا حق جانشینی — ہم اس جیالے غنی پہ قرباں تمام جاہ و حشم کریں گے
ہوئے وہ امت کے حق پہ قرباں، کسی کا موروثی حق نہ جانا — نماز الفت میں اپنا کعبہ، انہی کا نقشِ قدم کریں گے
شہید حق کا مقام سمجھا تو خود کو ان کا غلام سمجھا — انہی کو اپنا امام سمجھا، انہی کا اونچا علم کریں گے

وفا شعاری حلالیوں کا نشاں ایثار بن چکا ہے
خدا سے وعدہ کیا ہے پورا اسے خدا کی قسم کریں گے

(جانشینِ امیر شریعت، سید ابو معاویہ ابوذر بخاری)

مجددِ اعظم

ہدیہ زہیدہ بحضور امامت پناہ، سیادت پائیگاہ، قائد انقلاب اسلامی، مجددِ اعظم، مجاہد جلیل امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

یہ طویل نظم یوم شہداء بالاکوٹ، ۲۴ ذوالقعدہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۵۱ء بروز جمعہ المبارک، "مرکزی نادیۃ اجلاس الاسلامی" پاکستان، ملتان کے اجلاس عام میں جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری نے پڑھی۔ اس اجلاس میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے اور مکمل سرپرستی فرمائی۔ ایک تاریخی یادگار کے طور پر ہم اسے ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ (مدیر)

عزمِ تجدید تاسیس سے کم نہیں، تو امامت کی تجسیم بن کر اٹھا!
ارضِ مشرق کے تاریک ماحول میں، نورِ ایقاں کی تقویم بن کر اٹھا
تیری جہدِ نوی دین محکوم کی، برتری کا نرالا سا پیغام تھی
تیری آواز بھی تشنہ ارواح کو بادہ حق پژوہی کا اک جام تھی
تیرے کردارِ محکم کی تحریک سے سرد سینوں میں پھر دل دھڑکنے لگے
تیرے عزمِ مصمم کی تسخیر سے ذرے خورشید بن کر دمکنے لگے
تیری تبلیغ تھی ورثہ انبیاء، تیری تعلیم سنت کی تجدید تھی
تیری تحریک تھی انقلاب آفریں اور قیادت خلافت کی تقلید تھی
تیرے نورِ تقدس کی تاثیر سے معصیت کا کلیجہ بھی چھلنی ہوا
تیری روحِ تجدد کی تسخیر سے جادۂ شرک و بدعت ہوا ہو گیا
تیری جانکاہیوں اور جگر سوزیوں سے، منور ہوئی شمعِ ایقان پھر
تیری خوں پاشیوں اشک افشانیوں سے ہوئی بارور کشت ایمان پھر
تیرے پیغمبرانہ اٹل عزم نے گردشِ دہر کا رخ بدل ہی دیا
تیری للکار کی گونج سے کفر و الحاد وطاغوت کا دل دہلنے لگا
تیرے ہاتھوں سے احیاء و تنفیذِ دیں، دینِ حق کی صداقت کا اعجاز تھا
تیرے ہاتھوں یہ تغییر تاریخ میں ارتقاء شریعت کا اک راز تھا
تو فنائے رضائے خدا و نبی، تیرے پیرو صحابہؓ کے تھے جانشیں
سب کے حسنِ خلوص و جمالِ عمل سے ہوئی یہ زمیں مثلِ خلدِ بریں

سونی راہوں پہ تو نے جو رکھا قدم، سوکھے کانٹوں سے گلشن ہویدا ہوئے
سو ختہ وادیوں پہ جو ڈالی نظر خشک صحرا سے کوثر ابلنے لگے
تیری آمد طلوعِ مہِ زندگی، تیرا جانا قیامت سے کچھ کم نہ تھا
دیں کے غدار کچھ تیرے قاتل بنے ورنہ کچھ بھی تو اس موت کا غم نہ تھا
تو نے جامِ شہادت کیا نوش جب لوگ سمجھے کہ حق بھی فنا ہو گیا
در حقیقت وہ اک عہدِ ایثار تھا لاج تو نے رکھی وہ وفا ہو گیا
پر یہ ناداں تو یہ بھی سمجھ نہ سکے، حق کے مٹنے کا کوئی زمانہ نہیں
حق چھپے گا سہی، پر مٹے گا نہیں وہ تو باطل ہے جس کا ٹھکانہ نہیں
جو بھی تھے بے بصر، جو بھی تھے بے خبر، دیکھ لیں، جان لیں، دیں کے اعجاز کو
خفتہ ارواح پھر آج بیدار ہیں، سوز سے زندگی مل گئی ساز کو

آج پھر تیری یادِ کہن کے حسیں نقش فریاد بن کے ابھرنے لگے
آج پھر تیرے خاموش نغمات کی لے پہ سرمست غازی بپھرنے لگے
آج پھر تیری مظلومیوں کی کسک، جذبہ انتقام آفریں بن گئی
تیرا پاکیزہ خوں جب ہوا گل فشاں یہ زمیں گلشنِ احمریں بن گئی
تیرے خونِ مطہر کی تعطیر سے آج تک ارضِ سرحد ہے عنبر فشاں
تیرے جسمِ مقدس کی تنویر سے چرخ مشہد ہے ابتک ستارہ چکاں
تیرے ذکرِ حسیں کا دیا کر کے روشن ترے پاس فریاد لایا ہوں میں
دین و قرآنِ مہجور کی بے کسی کی جگر دوز رو داد لایا ہوں میں
وہ جو مسجد میں اور خانقاہوں میں ہیں آ کے پھر ان میں روحِ عمل پھونکدے
آ کے گم کردہ راہوں کا بن رہنما، تشنگی کو مٹا جامِ تسکین سے
پھر سے پندارِ باطل ملا خاک میں پھر قیادت کا آ کے علم چھین لے
پھر قیادت امامت کی تجسیم بن پھر خلافت کو شاہی پہ تمکین دے

آج پھر تیرے محکوم و مظلوم ساتھی، لہو اور پسینے میں آلودہ ہیں
آج پھر ملک و ملت کے غدار تختِ شہی پر بصد ناز آسودہ ہیں

آج پھر تیرے جاں باز ہیں مبتلیٰ اور چمر قند میں محوِ پیکار ہیں
آج پھر کچھ فدا کار، حق گوئی پر گولیوں سولیوں کے سزا وار ہیں
پھر بھی مایوس ہوں تو گنہگار ہوں، مژدہ فتح حق جب مرے پاس ہے
مجھ کو اس تیرہ و تار ماحول میں اک درخشندہ منزل کا احساس ہے
آج پھر تیرے پیغام کی آتشیں لہر مردہ دلوں کو جلانے لگی
آج پھر تیری تاثیرِ جوشِ عمل زندگی کی حرارت بڑھانے لگی
پھر حیاتِ نوی رقص کرنے لگی پھر عزائم کا طوفان امڈنے لگا
پھر اجالے کے تیروں سے منہ توڑ کر تہ بہ تہ سب اندھیرا سمٹنے لگا
پھر سے ذروں ہیں خاور چمکنے لگے پھر سے قطروں سے دریا جھلکنے لگے
پھر سے کانٹوں میں غنچے چٹکنے لگے، پھر سے قطروں سے دریا جھلکنے لگے
پھر سے کانٹوں میں غنچے چٹکنے لگے، پھر سے جنگل بیاباں مہکنے لگے
عہد ماضی میں کچھ کشتکاروں نے یاں بیج بوئے تو سینچا انہیں خون سے
اب وہ بن کے گلاب و سمن نسترن اگ رہے ہیں تعامل کے قانون سے
تیرے پیرو، جبینوں سے جنکی عیاں انقلابِ حجازی کی تنویر ہے
انکی قسمت میں ہے انقلاب قیادت، مقدر میں عالم کی تسخیر ہے
ان کی نظروں کا مقصد کوئی منطقہ یا قبیلہ نہیں نوعِ انسان ہے
ان کی کوشش کا مقصد کوئی دینوی جاہ و منصب نہیں حق کا رضوان ہے
پھر سے آیاتِ فطرت، احادیث قدسی وہ کوچہ بکوچہ سنانے لگے
وہ ہدایت کی شمعیں جلانے لگے، معصیت کے جہنم بجھانے لگے
وہ نیا دور تعمیر کرنے لگے وہ عناصر کی تسخیر کرنے لگے
دورِ حاضر کے خاکوں میں صدیقؓ و فاروقؓ کے عہد کا رنگ بھرنے لگے
انکا زندہ شعور عہدِ نبوی کی زر پاش کرنوں شعاعوں سے معمور ہے
آج پھر ایشیا کی فضا ان کے نغماتِ پائندہ کی لے سے مسحور ہے
ان کے جوشِ تہور سے بر خود غلط قائدینِ غوی کپکپانے لگے
ان کے شورِ بغاوت سے قصرِ ضلالت کے مینار بھی تھرتھرانے لگے
انکی بے باک پیغمبرانہ مساعی سے ابلیسِ افرنگ مبہوت ہے
انکی نصفِ صدی کی مسلسل ریاضت پہ حیران عیار طاغوت ہے

اب تو کمزور و کمتر مولے بھی شاہیں کی قوت سے پنجہ لڑانے لگے
اب تو نادار و مفلس بھی شاہنشہوں کجکلا ہوں کہ نیچا دکھانے لگے
جاں سپارانِ حق پھر مصائب کی صبر آزما گھاٹیوں سے گزرنے لگے
عافیت کوشیوں سے گریزاں ہوئے پھول کانٹوں میں پھر سے بکھرنے لگے
پھر سے غازی سروں پہ کفن باندھ کر پے بہ پے سوئے جنگاہ جانے لگے
پھر سے جاں باز بدر واحد کی طرح غلبہ دیں کا سکہ جمانے لگے
وہ سسکتی، بلکتی ہوئی آدمیت کی آزدگی کا مداوی بنے

وہ ایامیٰ، یتامیٰ، مساکین و بیوہ کی بیچارگی کا سہارا بنے
وہ ملوکیت و اشتراکیت و آمریت کے بت کو گرانے لگے
وہ طلسمِ مظالم مٹانے لگے وہ شہیدوں کا بدلہ چکانے لگے
وہ امانت، دیانت، مروت کے اور عدل و احسان کے گیت گانے لگے
وہ اخوت، مودت کے روشن الاؤ بھر سنگِ منزل جلانے لگے
پھر سے جاوا، چمر قند و لاہور کی ریتِ خرطوم سے سرحدیں مل گئیں
مرد مومن کی یلغار سے اقتدارِ ضلالت کی ساری جڑیں ہل گئیں
مرد مومن کا عزمِ جواں پھر مدینہ سے دنیا کا رشتہ ملانے لگا
معجزہ فتحِ حق کا دکھانے لگا، مژدہ تجدیدِ دیں کا سنانے لگا

آج پھر دین محکوم کے روئے تاباں سے گردِ غلامی اترنے لگی
آج پھر مہر حریت و ماہِ امن و مساوات کی ضو بکھرنے لگی
آج پھر فسق عیار ہے مبتلیٰ اپنی تدبیرِ باطل کے انجام میں
آج پھر کفرِ جابر نگونسار ہے اس کی عیشیں بھی بدلیں گی آلام میں
غم نہ کر روحِ دینِ حنیف، نبی مردِ مومن کی آمد پہ مسرور ہو
جس کی تعظیم میں کفر کا سر ہو خم جس کی طاعت پہ طاغوت مجبور ہو
مرحبا ارضِ پاک اب نئے مردِ مومن کی آمد مبارک، مبارک تجھے
فاتحِ عہدِ ظلمت ہی کیا، وارثِ عظمتِ آدمیت کہیں گے جسے

لاجرم مظہرِ نورِ فطرت ہے وہ پاسدارِ رموزِ حقیقت ہے وہ
لاجرم حاملِ شرفِ تجدید ہے لاجرم پاسبانِ شریعت ہے وہ
وہ جو پابند ہو کر بھی آزاد ہیں آج اپنے مقدر کے معمار ہیں
تیری مانند طاغوت کے ہاتھ سے عظمتِ حق جھپٹنے کو طیار ہیں
ارضِ پاک اب فقط ہے تری منتظر روحِ عشاق تجھ بن پریشان ہے
اب ہیں غدار دورِ مکافات میں دشمنِ دین و قرآں پشیمان ہے
سیدِ ذی حشم جب میں بارِ دگر تیرے تذکار کی بزم گرماؤں گا
آنسوؤں کا بدل گل فشاں مسکراہٹ کھنکتے ہوئے قہقہے لاؤں گا

سیرت کی عظمت

ہر چیز کا غلط طریقہ استعمال اس کی عظمت کو کھو دیتا ہے۔
سیرت کی اپنی ذاتی عظمت کو تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہلا سکتی اس لئے کہ صاحب سیرت ﷺ کے دم قدم سے دنیا کی عزت و عظمت قائم ہے۔
اگر علماء حق اکابر امت میں سے ایسے لوگ نہ ہوتے جو سیرت کو صحیح معنوں میں بیان کرتے اور بیان کرنے سے پہلے سیرت کے متعلق اپنے وجود کو سیرت کے ساتھ مطابقت نہ دیتے یعنی سیرت کے حال میں خود نہ ڈھل جاتے، سیرت کو اپنے اوپر مسلط نہ کر لیتے، صاحب سیرت کے انوار اور آپ کی برکات کو اپنے وجود میں سمو نہ لیتے تو کبھی بھی آج نہ کوئی سیرت سنتا اور نہ بیان کرتا۔ جب نمونہ بیان کرنے والا ہی کوئی نہ ہوگا تو پھر نبی کی سیرت کیسے سمجھ آئے گی۔ جو شخص بھی ذکر نبی سے پہلے خود اتباع نبی کا نمونہ بن جائے گا اسے دیکھ کر لوگوں کے لئے سیرت النبی ﷺ کو سمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا آسان ہو جائے گا اور اس طرح سیرت کی عظمت خود بخود دل و دماغ کو تسخیر کر لے گی۔

اقتباس خطاب

جانشینِ امیرِ شریعت سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمہ اللہ

حاصل پور، ۲۶/اپریل ۱۹۷۵ء

ابومیسون اللہ بخش

میرے مرشد، میرے محسن، میرے مربیّ

تمام بڑائیاں اللہ کریم کی ذات با برکات کے لیے ہیں جس نے کائنات کو وجود بخشا اور درود سلام نبی آخری معصوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے دم قدم سے مخلوقِ خدا کو شعور و آگہی نصیب ہوئی۔

اس کائنات ارضی پر مولیٰ کریم نے مقررہ درجات کے ساتھ پورے نظم و نسق سے انسانوں میں سے کچھ ایسے نفوسِ قدسی صفت پیدا کیے جن سے دنیا زیر و زبر، تہذیبوں اور اقوام و ملل میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ ادوار کی اس تبدیلی میں انسان کا اپنا عمل اور رد عمل بھی کار فرما ہوتا ہے۔

انبیاء و رسل، صحابہ، تابعین اور صالحین نے وقتاً فوقتاً دنیا کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا اور ضرورت کے پیشِ نظر اللہ کریم نے کائنات میں انقلابی شخصیات کو پیدا کیا اور کہیں کہیں سرزنش کیلئے سوتی قوم کو جگانے کیلئے دشمن کو بھی قوت دی۔

برصغیر جو ایک عرصہ سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور اس زمین پر غاصب و مکار نصرانی حکمران قابض تھا۔ صد سالہ آہ و بکا کے بعد گزشتہ صدی کے وسط میں مجاہدین کی ایک جماعت معرضِ وجود میں آئی جو علمی و عملی زندگی کے تمام شعبہ جات میں ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔ شاہ ولی اللہ سے لیکر حضرت سیّد ابوذر بخاری تک علماء دیو بند اکابر احرار اور مجاہدین احرار کی یلغار سے دشمن ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

امام المجاہدین سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مفتی کفایت اللہ مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ اجمعین نے اپنی زندگیاں دین حق کی سربلندی کیلئے وقف کر دیں۔ ہمہ جہت جہاد کیا، قلم، زبان، عمل ہر طرح سے ہر محاذ پر ہراول دستہ کے طور پر لڑے۔ غلام ہندوستان کو جگایا اور ایک ظالم، غاصب اور کافر حکمران سے آزاد کرایا۔ محکوم قوم کی آنکھوں میں چمک اور دلوں کو زندگی کی رمق عطا کی۔ انہی مجاہدین کی قربانی و ایثار کے نتیجہ میں برصغیر میں آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو آج پچاس برس گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

میرے ممدوح حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری امیر شریعت سب سے بڑے بیٹے اور مجلس

احرار اسلام کے قائد تھے۔ ان کے علم و تقویٰ کا احاطہ تو میں نہیں کر سکتا البتہ ان کے خوشہ چینوں میں سے ایک ہوں۔ مجھ غریب پر ان کے اور ان کے خاندان کے اتنے احسانات ہیں کہ میں اگر کسی ایک احسان کو یاد کر لوں اور تمام عمر خادم بن کر گزار دوں تب بھی انہیں اتار نہیں سکتا۔ میں کیا ہوں اور میری اوقات کیا تھی؟ خوب جانتا ہوں...... مگر حضرت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے مجھے گلے لگایا۔ پیار کیا اور تربیت کی جیسے ایک باپ اپنے بچوں کی تربیت کرتا ہے۔ اگر دین کی سمجھ ہے، آنکھ میں حیاء ہے بولنے کی ہمت اور کوئی اچھا کام کرنے کی صلاحیت ہے تو صرف اللہ کریم کی مہربانی اس کی رحمت اور سیدی، مرشدی کی نظر کرم ہے۔ ان کے خطبات اور ان کی نجی مجالس، گفتگو ہی میرا مبلغِ علم ہے۔ وہ سید انور شاہ کے حقیقی وارث، جانشین امیر شریعت اور مجلس احرار اور اکابر احرار کی روح اور غیرت کے امین تھے پاکستان بن جانے کے بعد جب ملک کی سیاسی و مذہبی منڈی میں بولی لگی تو بعض مذہبی اجارہ دار سیاست دان اور جاگیر دار، اپنی اپنی باری پر بکے علماء حق کی سیاسی و دینی محنت برباد ہونے لگی۔ اس ماحول میں حق کی جو چند صدائیں بلند ہوئیں ان میں ایک طاقتور اور توانا آواز سید ابوذر بخاری تھے۔ جسے تمام استبدادی حربوں سے بھی دبایا نہ جاسکا۔ انہوں نے اپنے خطبات و دروس اور عام گفتگو میں رفض و بدعت اور مرزائیت کے گہرے اثرات کو ذائل کیا۔ ان کی سازشوں کو طشت ازبام کیا۔ جو شخص ان کے قریب ہوا اس کا عقیدہ درست ہو گیا۔ شاہ جی کا وصف یہ ہے کہ ان کا ساتھی گناہ گار تو ہو سکتا ہے مگر بد عقیدہ نہیں ہو سکتا۔

مجھے یاد ہے میں تیسری جماعت کا طالب علم تھا عید کے دن مسجد آیا تو ایک بزرگ تقریر کر رہے تھے میرا بچپن تھا مجھے اور تو کچھ یاد نہیں ایک جملہ آج تک اچھی طرح یاد ہے وہ بزرگ فرما رہے تھے "میں حضرت امیر شریعت کے زیر سایہ پڑھا اور پلا ہوں، حضرت امیر شریعت مجھے آخرت کا سرمایہ کہتے تھے" یہ جملے کہتے ہوئے وہ بزرگ نمناک ہو گئے۔ اور ان صاحب کا نام مولانا قاری محمد عبداللہ ہے اتفاق کی بات ہے آپ نابینا ہیں اور میرے مرحوم والد ماجد کے دوست ہیں۔ اور الحمدللہ اب بھی بقید حیات ہیں۔ میرا ان کے ہاں آنا جانا زیادہ ہوتا گیا۔ آپ کی محفل میں حضرت امیر شریعت اور ابناء امیر شریعت کا ذکر سننے سے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کبھی ان سے ملاقات بھی نصیب ہو گی؟

قاری صاحب ویسے تو ہمارے ہی دیہات بستی بیہڑ (ضلع تونسہ) کے رہنے والے ہیں لیکن بچپن سے ۱۹۳۸ء میں مجلس احرار اسلام تونسہ شریف کے ایک جلسہ پر تلاوت و نعت خوانی کے باعث حضرت امیر شریعت انہیں امرتسر ساتھ لے گئے تھے اور دو سال حضرت کے گھر رہے پھر حضرت امیر شریعت انہیں سرگودھا میں حضرت محمد شفیع کے مدرسہ میں داخل کرا دیا تحصیل علم کے بعد حضرت امیر شریعت نے ہی اپنے ایک مرید و عقیدت مند مولانا علاؤالدین مرحوم کی بچی سے ان کی

شادی بھی کرادی۔ گویا یتیم و مسکین پروری کا حق ادا کر دیا۔

قاری صاحب موصوف اپنے سسرال چک ۸۴ نزد خانیوال میں رہا کرتے تھے کبھی کبھار تشریف لاتے تو مہینہ بھر رہتے تھے میرا سارا وقت ان کے پاس گزرتا تھا۔

۷۹ء میں قاری صاحب نے اپنے علاقہ میں مدرسہ بنایا اور مدرسہ کا نام "عطاء العلوم رکھا اور مجھے اس میں بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کا حکم فرمایا قاری صاحب کی وہاں لائبریری بھی ہے۔ جہاں سے میں نے استفادہ کیا اور کچھ عرصہ مدرسہ میں خدمت تعلیم و تعلم بھی سر انجام دی۔ اس دوران رمضان شریف میں اعتکاف کیا اور استخارہ کیا کہ مجھے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیئے۔ ہمارے علاقہ میں جمیعت علماء اسلام کا اثر زیادہ ہے میں بھی انہی مولویوں کے زیر اثر رہا تھا اس لیے خیال تھا کہ حضرت درخواستی کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤں، حضرت قاری صاحب بھی باوجود حضرت امیر شریعت کے تعلق کے جمعیت کے پروپگینڈہ سے متاثر تھے اور مجھے صبح و شام جن مولویوں سے واسطہ پڑتا وہ ابناء امیر شریعت کو اہانت آمیز الفاظ کے ساتھ مجھے نہ ملنے کی ترغیب دیتے، میرے دل میں ملنے کی خواہش زیادہ ہوتی۔ چنانچہ رمضان شریف کے دوران استخارہ میں میری خواہش و خیال کے برعکس مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کی طرف مائل ہونے کا اشارہ ملا ادھر میری اہلیہ نے خواب میں حضرت سے یہ دعا سیکھی جو اسے آج تک یاد ہے۔ دعا یہ ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا والم تغفرلنا وترحمنالنکونن من الخاسرین

حالانکہ موصوفہ ان پڑھ ہے۔ چنانچہ قاری صاحب کے ساتھ اگلے ماہ ملتان آیا اور مغرب کے بعد حضرت کے ہاں حاضری دی۔ دیکھتے ہی مجھے قلبی سکون محسوس ہوا اور حضرت نے فرمایا "آ گئے" کسی بیماری کے باعث میری آنکھیں سرخ تھیں اور کپڑوں کے ساتھ میرے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت نے نصیحت کی اور فرمایا بال بھی ٹھیک کراؤ اور کپڑے بھی ڈھنگ کے پہن کر آیا کرو عشاء پڑھ کر ہم پاک گیٹ رہائش گاہ پر آ گئے اور صبح دار بنی ہاشم میں مدرسہ معمورہ گئے۔ وہاں سے پتہ چلا حضرت سید عطاء المحسن شاہ صاحب سفر پر ہیں۔ وہاں ایک جوان سے ملاقات ہوئی انہوں نے چائے سے تواضع کی اور ان سے ہم نے مزار امیر شریعت کا پتہ بھی پوچھا۔ جانے سے چند لمحے قبل قاری صاحب نے ان صاحب سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا میرا نام کفیل ہے میں ان کا بھائی ہوں انہوں نے حسب عادت تعلیم سے متعلق سوال کیا؟ تو فرمایا میں نے حفظ کیا ہے اور بی اے بھی کر لیا ہے اس عدیم المثال نوجوان نے میری طرف دیکھتے ہوئے مزار امیر شریعت کا پتہ سمجھایا۔ اسی دوران ہم نے میلسی جانا تھا وہاں سے پتہ چلا جلہ جیم میں جلسہ ہو رہا ہے اور مولانا سید عطاء المحسن بخاری آ رہے ہیں میں نے عرض کی کہ سارے کام چھوڑ کر میں جلسہ میں شرکت کرنی چاہیئے وہاں شاہ جی سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ

حضرت سید عطاء المحسن شاہ بخاری کو میں نے پہلی بار دیکھا کافی دیر تک مجلس رہی ظہر کے بعد انہوں نے خطاب کیا اور چلے گئے۔

دورانِ تدریس میں نے اپنے حلقہ اثر میں جماعت کا کام شروع کر دیا اور اگست ۱۹۸۱ء میں پہلی بار جلسہ بھی کرایا جس میں قائد محترم تشریف لائے۔ میرا پہلا تجربہ تھا میں مولوی تو نہیں ہوں اس لئے مجھے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ علاقائی وڈیروں کی چودھراہٹ، اور جمعیت علماء کے مولویوں کی حاسدانہ روش و سازش مجھے ایک نئے تلخ تجربہ سے گزارا۔ بہر حال اللہ کے فضل و کرم سے تحصیل تونسہ میں اس جلسہ کی دھوم پڑ گئی۔ وہیں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہو گیا۔ میں نے ٹوٹے ہوئے الفاظ میں جلسہ کی کارروائی لکھ بھیجی جس کے جواب میں حضرت کا مکتوب میرے نام آیا۔ جو آج تک میرے پاس محفوظ ہے اور میری متاع عزیز ہے اس مکتوب گرامی کے ایک ایک لفظ میں نصیحت محبت شفقت، تربیت چھلکتی ہے خط کے تیسرے پیرا گراف میں فرماتے ہیں۔

"آپ نے جماعت کیلئے دورہ کیا بہت اچھا کیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور اس دورہ کے اثر سے لوگوں کو جماعت کی طرف بیش از بیش متوجہ کریں اور آپکی اور میری محنت میں برکت ڈال کر جماعت کو وسیع اور مضبوط طور سے بنا دیں (آمین) چند روز مزید انتظار کریں دفتر کا آدمی چھٹی پر ہے وہ آگیا تو خیر ورنہ کسی دوسرے آدمی سے تعاون لیکر فارم رکنیت جلدی ہی بھجوا دوں گا۔ واضح رہے کہ یہ فارم ہر شخص دو سال کیلئے پر کرے گا۔ جس کی فیس دو روپے ہو گی مدت سے فارم وغیرہ سب کچھ ختم تھا اب فارم اور جماعت کے نام کے لیٹر پیڈ بھی چھپ گئے ہیں"

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"فیس کی جمع شدہ رقم بذریعہ منی آرڈر مجھے فوراً بھجوا دیں یہ رقم ملنے پر نہ تو خود خرچ کریں اور نہ کسی کو کسی بھی ضرورت کیلئے بہ قرض ہی دیں بلکہ مکمل امانت کے طور پر فارموں کی خانہ پری تک تو پاس محفوظ رکھیں اور کام ختم ہونے پر بلا تاخیر اور بلا عذر میرے نام منی آرڈر کر دیں تاکہ جانبین کا جماعتی حساب بالکل پاک و صاف اور درست رہے اور کسی کو اعتراض اور بدگمانی کا موقع نہ ملے امید ہے ان ھدایات پر ضرور عمل کریں گے۔

۱۹۸۳ء کے اواخر تک میں نے عملاً جماعتی کام سر انجام دیا جلسے کرائے جس میں یکے بعد دیگرے حضرت عطاء المحسن شاہ جی اور عطاء المؤمن بخاری تشریف لائے۔ گھر کی حالت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ تلاش معاش میں پھر مجھے علاقہ چھوڑنا پڑا اور ملتان آیا۔ دوپہر کے وقت حاضری دی حضرت کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ کسی کام کیلئے گوجرانوالہ جا رہا ہوں وہاں ہمارے ملنے والے رہتے ہیں کوئی نہ کوئی کام مل جائے گا۔ حضرت نے فرمایا یہیں ملتان میں کوئی کام کر لو اور میرے پاس اس دفتر میں

آتے رہا کرو۔ مجھے بے پناہ مسرت ہوئی شام کو ایک دوست مولانا عبد الرشید کو ملنے آیا تو یہاں پتہ چلا میں ایک مسجد کیلئے امام کی ضرورت ہے معاملہ طے ہوا اور مسجد میں ملازمت اختیار کر لی اور روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضری دیتا دفتر کا متفرق کام کاج بھی کر دیتا، جس دن میں حاضری نہ ہوتی تو ملک مشتاق کو بھیج کر پتا کراتے ایک دن فرمانے لگے بھائی اب تعلق جو ہے اس لیے انتظار رہتا ہے۔ تم جس دن نہیں آتے سارا وقت اسی پریشانی میں گزرتا ہے سوچتا رہتا ہوں خدا معلوم کیوں نہیں آیا۔ راستہ میں حادثہ تو نہیں پیش آگیا پھر میں کسی آدمی تو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں"۔

اسی محبت، شفقت میں مجھے کبھی اپنے سامنے مصلے پر سلا دیتے اور فرماتے کچھ لکھ لوں اور تم تھکے ہوتے ہو، سو جاؤ اور آرام کر لو۔ ایک دن فرمانے لگے تین کام تمہارے ذمے لگاتا ہوں۔ وقت تقسیم کر لو انہیں روزانہ تھوڑا تھوڑا کرتے رہو۔ تمہاری لکھنے کی عادت بھی ہو جائے گی اور الفاظ سے شناسائی بھی اور زبان بھی درست ہو جائے گی۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا سفر نامہ (مولانا محمد صدیق ولی اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا) بوسیدہ اوراق پر ہے اسے اچھے اور صاف کاغذ پر خوشخط کر کے لکھو، ابا جی مرحوم کی سوانح ترتیب دے رہا ہوں میرے مسودے کو صاف اور کھلے الفاظ کے ساتھ لکھو۔

سیرتً امہات المومنین، احکام عید الاضحیٰ، خطبائے احرار کے متفرق کام میں انہیں بھی صاف کرنے اور کتب کی اشاعت میں میری مدد کرو۔ یہ کام ذمے لگا کر اصل اس مردِ قلندر نے ایک دیہاتی ان پڑھ بے کار و بے سود انسان کو کسی لائق بنا دیا، وہ آدمی گر تھے۔ اگر وہ میری زندگی میں مجھے نہ ملتے نہ جانے آج میری کیا حالت ہوتی؟ اس مردِ صالح نے طہارت سے لیکر طرزِ معاشرت، اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے تمام مسنون آداب مجھے سمجھائے انہوں نے فرمایا تھا دین کے تین ماخذ ہیں اللہ رسول صحابہ اور تین ہی دشمن ہیں۔ اللہ کا دشمن (دہریے کمیونسٹ) دشمن رسول (مرزائی بھائی) دشمن صحابہ (سبائی تبرائی مجوسی) اور یہ تینوں دشمن یہود و نصاریٰ سے ماخوذ ہیں۔

انہوں نے مجلس احرار اسلام کو نئی بنیادوں پر استوار کیا، غیرت کا سبق دیا، محبت، شفقت اور دینی حمیت کا درس دیا۔ انہوں نے اپنے اسلاف کی اقدار کو امانت کے طور پر سنبھالا۔ انہوں نے اپنے خاندان، اساتذہ اور مشائخ کے نام کو زندہ رکھا۔ انہوں نے عمر بھر جہاد کیا، لاکھوں انسانوں کو خطاب کر کے مقام صحابہ سمجھایا۔ اس شخص نے ایک ایک لفظ ایک ایک جملے کی نگرانی کی الفاظ پر اعراب لگا کر زبان کی اصلاح کرتے رہے۔ انہیں دیکھ کر اپنے اسلاف کا کردار شاہ ولی اللہ کا تقویٰ انور شاہ کا علم، ابو الکلام کا بانکپن اور اکابر احرار کا جہاد آزادی سمجھ آتا تھا۔

۱۹۸۸ء سے حضرت علیل چلے آ رہے تھے۔ علالت کے باوجود سالانہ جلسے، یوم سیدنا معاویہ،

احرار اور خدام صحابہ کے زیرِ انتظام ملک میں ہونے والے جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ جماعت کے جلسوں کو اہمیت دیتے مدارس اور دیگر شوق رکھنے والے حضرات کے منعقدہ اجتماعات سے کتراتے تھے۔ دروس قرآن مجید کے حوالے سے علم و عرفان کے موتی بکھیرتے رہے۔ اپنا کام مثبت انداز میں کرنا پسند کرتے تھے۔ غریب کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

۲۳ اکتوبر کی رات مجھے ایک شخص نے اطلاع دی۔ تمہارے مرشد سید ابومعاویہ ابوذر بخاری آخرت کو سدھار گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اور اگلے دن میں حضرت کی رہائش گاہ پر گیا تو سید محمد ذوالکفل بخاری نے روتے ہوئے مجھے گلے لگایا اور کہا دیکھو شاہ جی سو رہے ہیں۔ حضرت سید محمد معاویہ بخاری آبدیدہ ہو کر آنے والے لوگوں سے مل رہے تھے اور آخری دیدار کرا رہے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد مسلم ہائی سکول کے سامنے سپورٹس گراؤنڈ میں جنازہ پڑھا گیا مغرب کے قریب علم کا ماہتاب لاکھوں انسانوں کی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اپنے عظیم والد اور والدہ کے درمیان زیرِ زمین غروب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے اور ان کی دینی خدمت کو قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ روز محشر انبیاء و رسل، صدیقین، شہداء، اور صالحین کی رفاقت نصیب فرمائے (آمین)

◉

مولانا ابوریحان سیالکوٹی

سبائی فتنہ (حصہ اوّل) قیمت =/150 روپے

اہلِ سنت کے روپ میں رفض و سبائیت پھیلانے والے طبقہ کے خیالات کا علمی و تحقیقی محاسبہ
ایسی کتاب جس نے بعض نام نہاد تقدس مآبوں کے حجلہ عروسی میں زلزلہ بپا کر دیا۔

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی ملتان

راہِ عزیمت کے راہی

"اسلام نے ہمیں یہ فلسفہ عطاء کیا ہے کہ "خون اگر بے گناہ کافر کا بھی بہہ گیا ہے تو وہ بغیر رنگ لائے نہیں رہ سکتا۔" چہ جائیکہ مسلمان کا خون! حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ "محمد علیہ السلام کی ختم نبوت یوں ہی نہیں آئی، صحابہؓ کی لاشوں کا فرش بچھا ہے" میں نے اس میں اضافہ کیا کہ "ان کے اوپر سے محمد علیہ السلام کی ختم نبوت کی سواری گزری ہے۔ تب دین ہم تک پہنچا ہے۔ "یاد رکھیں! جس وقت آپ دین کی حفاظت کے لئے اٹھیں گے تو خون بہنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر دین کی حفاظت نہیں ہو گی۔ بلکہ کوئی بھی نظریہ ہو اس کی تبلیغ و ترویج کے لئے لازماً مار کھانی پڑے گی۔ تبلیغ دین اور اظہار حق کی راہ میں ہمیشہ پھولوں کے ہار ہی نہیں بلکہ کانٹوں کے تاج بھی آیا کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے وجود کو بکھیر دیا کہ ہم ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹ جائیں اور ہم بکھرتے ہیں تو بکھر جائیں۔ ہمارا نام و نشان نہ رہے۔ لیکن محمد ﷺ کی نبوت کا نشان باقی رہنا چاہیئے۔ یعنی ہماری زندگی بھی اپنی نہیں ہے بلکہ کسی اور کے لئے ہے اور اس کے خالق اور مالک کی طرف سے قربانی کے لئے مستعار ملی ہے۔ میں بیدم وارثی کو اکثر یاد کیا کرتا ہوں۔ اللہ اس کو بخشے، اس نے کہا تھا کہ

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں، مجھے کیا غرض نشاں سے

آج اکثر صحابہ کرامؓ کی قبریں بھی نہیں ہیں۔ قبریں تو نبیوں کی بھی باقی نہیں، لیکن افریقہ کے کنارے سے لے کر ولاڈی اسٹک کی بندرگاہ تک پوری دنیا کے لفنگے، دہریے اور بدمعاش اکٹھے ہو جائیں، صحابہؓ کی جوتی کا نشان بھی نہیں مٹا سکیں گے۔ اللہ نے صحابہؓ کو اس لئے پیدا کیا کہ قیامت تک نبی علیہ السلام کی ختم نبوت کا جھنڈا سر بلند رہے۔ اس دین کا وجود باقی رہے، قرآن و حدیث کا قانون باقی رہے۔ اجماعِ امت باقی رہے، امت کا حقیقی تشخص اور اسکی اصل باقی رہے۔

جس دین کے لئے صحابہ کا خون غازہ رخِ دین بنا ہے، ان کے سروں کی قطاریں ختم نبوت کے لئے برجیوں کا کام دے گئیں اور ان کی پسلیوں سے "قصرِ ختم نبوت" کی دیواروں کی تعمیر ہوئی ہے وہ قیامت تک باقی رہے گا۔ ان شاء اللہ

اقتباسِ خطاب

جانشینِ امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ

چنیوٹ، ۱۱ دسمبر ۱۹۸۶ء

سیدابومعاویہ ابوذر بخاری

"ھٹ کے بدھو"

(فکاہیہ)

تماشا ہے کہ سب دانا بنے ہیں احمق اور جھلو
سمجھ انجام گلشن کا کہ ہے ہر شاخ پر الو

عجب حالات ہیں اپنے ہے کون انکو جو سلجھائے
وہی دانا ہے جو اپنا بچالے دامن اور پلو

ادھر ابا ہے سیلا ہے تو ساکا اور کوبا ہے
ادھر جاوا جمالا جیجا جیدا جیرا اور جیلو

ادھر ہے اچھا بچھا تا جا پیجا جالا اور جانی
ادھر افتی ہے مستح ہے تو حبا حسا اور سلو

ادھر خوشیا ہے خیرو ہے بدیتا اور مہرو ہے
ادھر نیتا حیاتا ہے تو لبھو اور ہے ریلو

ادھر ہے روفی زلفی ساجا سوبا سودی اور سولا
ادھر ہے شفیا شما شیدا شیفا صادا اور دلو

ادھر ہے غنمیا فتا فوقا فیجا اور فیقا ہے
ادھر ہے قادا قوما لاوا ماجا محدو اور کولو

ادھر ہے مانا منا مودا میدا اور نبا ہے
ادھر نزرا ہے نمو ہے تو دودا اور ہے خلو

ادھر حاما ہے خالا ہے تو دینا سینا مینا ہے
ادھر یوبا ہے یوسی ہے تو یونا اور ہے دُولو

ادھر احما معلی ہے شمیرا اور خانو ہے
ادھر رحما شتلی ہے تو اکو حاکو اور نبلو

ادھر روڑا ہے کوڑا ہے تو رلدو اور گھسیٹا ہے
ادھر پلیا ہے رلیا ہے مسیتا اور ہے ٹلو

ادھر تابو ہے شالو ہے تو شاھو کالو اور کمول
ادھر گامن ہے ممن ہے تو مانو نانو اور لالو

ادھر بدھو خمیشو جمو جیون اور حاتو ہے
ادھر ہے بھیکو شیکو شینو ہینو شیلو اور لیلو

ادھر خدو ہے ودو ہے تو ربو اور نازو ہے
ادھر شبو ہے نورو ہے وسایا اور ہے گلو

ادھر عیسن ہے موسن ہے تو ہے وریام اور پنول
ادھر شامت، نیامت ہے تو دِلو اور ہے صِلو

ادھر صمدو ہے ممدو ہے جمعراتی ہے جمن ہے
ادھر شبراتی رمضانی ہے کلن اور ہے سلو

ادھر ہے باکا ٹونی جیکی چنو اور منو
ادھر ہے پپو روبی کاکا گگو گوشی اور بلو

ادھر البیلا رنگیلا نرالا زیبا اور ننھا
ادھر چم چم انیلا ہے صبحیہ کھوسٹ اور نشو

ادھر سنتوش سنگیتا سدھیر اور عالیہ رانی
ادھر الیاس طالش آسیہ فردوس اوز نیلو

ادھر ایرا ہے غیرا ہے تو نتھو اور پھتو ہے
ادھر بونگا ہے بوڑم ہے تو پنجو اور ہے للو

ادھر بلھڑ حمیدا ہے، تو گونگا اور گاما ہے
ادھر ہے گنگ کانگ اور ساتھ ہی رمضی ہے اور کلو

ادھر حیما ہے گھما ہے تو مہنگا اور چھینبا ہے
ادھر اچھا انوکی شوکی اکی اور ہے جھولو

ادھر سادات بومدین نمیری اور قذافی
ادھر سوھارتو حافظ اسد اندرا ہے اور بھٹو

ادھر جیسکارڈ، بیگن جولیانا، فورڈ اور ولسن
ادھر ہے چاؤ شنکو کوسیجن ماؤ ہے اور ٹیٹو

دھر جمہوریئے ہیں پیپلیئے ہیں اور لیگی ہیں
ادھر کمونسٹ، مرزائی سبائی سکھ ہیں اور ہندو

ادھر غیر مقلد اور مودودی دیوبندی — ادھر اہلِ بریلی اور شیعہ کا ہے گھڑ تلو
ادھر گیلانی ، گردیزی ، بخاری سبز واری ہیں — ادھر گھمن ارائیں، چیمے، چٹھے، باجوے ، گھلو
بلوچ، افغان، سندھی، جاٹ، رانگڑ اور گوجر ہیں — سیال اور کھیڑے، کھچی، بیتلے، ڈوگر ہیں اور سندھو
ادھر ہے بھوئے اصل جیا بگا چھانگا مانگا ہے — ادھر ساندا ہے کانا کاچھا للیانی ہے اور جلو
ادھر تھرپار کر دادو ہے سانگھڑ اور سکھر ہے — ادھر ہے لاڑکانہ اور میراں پور ماتھیلو
ادھر ہے ڈبرکی اور گھوٹکی ڈگری ہے کنری ہے — ادھر روہڑی کراچی، دیبل اور بھنبھور سنجھورو
ادھر نواب شہ، ٹھیری ہے جلبانی، پٹ عیدن ہے — ادھر ہے ماتلی، باڑا، تو رتو ڈیرو اور مورو
ادھر بستان چاغی ہے زیارت اور سبی ہے — ادھر ہے جھالاوان اور کوئٹاماوند اور کوہلو
ادھر چترال تنگی قیرہ اور کرم ایجنسی ہے — ادھر رزمک لکی مروت توچل کوہاٹ اور ھنگو
ہزارہ، پونچھ، چھچھ مردان پیشاور اکوڑا ہے — سوابی چارسدہ لنڈی کوتل تورخم تورو
تناول، امب، ھنزہ، دیر ، بلتستان اور گلگت — سمہ بالا حصار، اُرمُر، سکردو اور ہے خپلو
ادھر بھروپیوں سے دین میں گڑ بڑ گھٹالا ہے — سیاست ہے ادھر چریٹ، دھوکا، گھپلا اور جھرلو
مصافِ زندگی میں کوئی بھی حق کا نہیں ساتھی — مگر کہنے کو سب عاشق فان جزء ولو کلو
فقط اغراض کی ہے جنگ اور گھمسان کا رن ہے — سیدر ڈوبنا چاہیں تو کافی ان کو ہے چلو
اکھاڑا بن گیا ہے تخریب و سازش کا یہ ملک — خدا حافظ ہے ورنہ اس کو مشکل ہے نظر بٹو

الا یا ایھاالللّد راء والوکلاء والطلبہ — فانّ القومَ فی ھلک علیٰ زحلوفہ زُلَل
آلا یاایھاالعلماء والرھبان تدبیر ہے — فانّ الدینَ فی خطر وانہ الناس قد ضلّوا
آلاانتبھوا الاافتکروا الا خوضو الاھبوا — الاھیوا الاقومُوا الا قودُو الادُلوا
ھُداہُ الدینَ قدضلّوا ۔ وقد بانت خسارتُھم
باعُو الدینَ بالدنیا فمارَ بحت تجارتُھم

فرمودۂ فاروقِ اعظم

جب حلال حرام جمع ہوں تو حرام غالب آتا ہے
اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو۔

ناقدین معاویہ کا انجام

یہودی و سبائی پروپیگنڈہ کی زبردست یلغار نے مسلمانوں کو اپنے ہیروز کی یاد سے محروم کر دیا ہے۔ آج کے مسلمانوں کو کرشن، رام چندر اور گرو نانک کا نام تو یاد ہے۔ لیکن، سٹالن، ماؤزے تنگ، ابراھم لنکن، جارج واشنگٹن، چرچل، چیمبرلین، مارکس اور اینگلز کو تو جانتے ہیں مگر نہیں جانتے تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ یہی پروپیگنڈہ اور سازش ہے کہ زانیوں، شرابیوں، بدمعاشوں، کفر و شرک، دہریت اور ارتداد کے مجسموں سے تو قوم آشنا ہے مگر وہ محسن شخصیت جس کے دم قدم سے اسلام کی بہار آئی، اس سے قوم کو نا آشنا کر دیا۔

میں ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عبادت سمجھتا ہوں۔ ہمارے اس عمل کو جو بدعت کہتا ہے وہ جھوٹ بکتا ہے۔ اگر ابوبکر، عمر، عثمان و علی، حسن و حسین کا تذکرہ بدعت نہیں تو معاویہ رضی اللہ عنہ کی یاد بدعت کیسے؟ صحابہ کرام، سیرت [illegible] اسوہ حسنہ کا پر تو ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے گا تو ان کے اصحاب کا نام بھی ساتھ آئے گا [illegible] معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا بھی بدعت ہو گی؟ میں کہتا ہوں نہ وہ بدعت ہے نہ یہ بدعت۔ بدعت تو یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی مسئلہ گھڑ لیں اور اس بدعت پر بعض دیوبندی اور بریلوی عموماً کاربند ہیں۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو جلیل القدر صحابی ہیں۔ جس شخص نے ایمان کی حالت میں ایک منٹ کے لئے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھا وہ مسلمانوں کا سردار ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے ولی کی تمام عمر کی عبادت و ریاضت کسی بھی صحابی کی صرف اسی ایک منٹ کی عبادت کے سامنے ہیچ ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پروردگار عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کے لئے کئی سال عطاء فرمائے۔ آخری دو سال تو علانیہ ہیں۔ جیسے سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب نے غزوۂ بدر کے بعد خفیہ طور پر اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے موقع پر ظاہر کیا بالکل اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور والدین سے خفیہ اسلام قبول کیا۔ پھر عمرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ شریک رہے۔ لیکن فتح مکہ کے موقع پر آئے تو اکیلے نہیں......اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو بھی ساتھ لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔

جو لوگ سیدنا علیؓ کی محبت کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہتے ہیں وہ اتنا سوچ لیں کہ روز محشر اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جانا پڑا اور آپ نے اتنا فرما دیا کہ تم میرا کلمہ پڑھ کر میرے ہی دوستوں کو برا کہتے تھے۔ تم کو شرم نہ آئی؟ علیؓ میرا داماد اور معاویہ رضی اللہ عنہ میرا سالا تھا۔ تمہیں کس ابلیس نے کہا تھا کہ ان میں فرق کرو؟ تو پھر سوچ لو! اس کا کیا جواب دو گے؟ اس وقت تم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ اور پھر تمہیں اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟......فاعتبروا یااولی الابصار

اقتباس خطاب: جانشینِ امیر شریعت، سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ

تقریب یومِ معاویہ، ۲۲، رجب ۱۳۹۸ھ، ۲۹ جون ۱۹۷۸ء

سید ابوذر بخاری

سرور بندگی
(نعت النبی)

حقیقت میں سرور بندگی پایا نہیں کرتے
جو عشق مصطفی سے دل کو گرمایا نہیں کرتے

زباں پر شکوہ روداد غم لایا نہیں کرتے
کہ مخلص آزمائش میں بھی گھبرایا نہیں کرتے

حیاء والے وفاداروں سے کترایا نہیں کرتے
جو انکا ہو اسے ہرگز وہ ٹھکرایا نہیں کرتے

وہ زخموں پر رکھیں مرہم وہی بسمل کو جاں بخشیں
وہ ترسایا نہیں کرتے وہ تڑپایا نہیں کرتے

دعاء نیم شب آہ سحر گاہی کا ثمرہ ہے
کہ اب وہ خواب میں محروم فرمایا نہیں کرتے

تو یک را گیر و محکم گیر کس سے دوستی ناداں
جو ہرجائی ہو اس سے دل کو اٹکایا نہیں کرتے

موحد جوہیں غیر اللہ کے آگے نہیں جھکتے
وہ پیشانی پہ داغ شرک لگوایا نہیں کرتے

ہزاروں آفتیں سنگ مزاحم بن کے آتی ہیں
مگر مردان حق آگاہ تھرایا نہیں کرتے

وہ توپوں کے دہانوں پر بھی سچی بات کہتے ہیں
کبھی بھی موت کا بھولے سے غم کھایا نہیں کرتے

گدایان محمد* سارے علم سے ہیں مستغنی
کسی کے سامنے جھولی وہ پھیلایا نہیں کرتے

وہ ہیں سرچشمہ غیرت مرقع ہیں وفاؤں کا
کسی سائل کو خالی ہاتھ لوٹایا نہیں کرتے

ادب شرط محبت ہے ادب بنیاد طاعت ہے
جو محروم ادب ہیں، کوئی پھل پایا نہیں کرتے

جو عاشق ہیں و گستاخی کا یارا ہی نہیں رکھتے
وہ ان کے در پہ خود جاتے ہیں، بلوایا نہیں کرتے

غم ہجر نبی عشاق کی فصل بہاراں ہے
یہ موسم زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

خدا کا سایہ ان پر ان کا سایہ اپنی امت پر
وہ اپنوں کو کجا، غیروں کو بے سایہ نہیں کرتے

بوبکر و عمر عثمان وحیدر پھول ہیں انکے
اور ان کے پھول صحرا میں بھی مرجھایا نہیں کرتے

صحابہ سب کے سب پروردہ دامان مرسل ہیں
جو مومن ہیں کسی کو بھی وہ جھٹلایا نہیں کرتے

یہ دنیا سر بسر مقصود ہے بس دنیاداروں کی
خدا والے کبھی دنیا کو اپنایا نہیں کرتے

سفر لمبا ہے منزل دور حال کچھ دیر ستا لے
سرائے کو کبھی گھر جان کر آیا نہیں کرتے

ٹھکانہ گور ہے تیرا عبدت کچھ تو کر غافل
کہاوت ہے کہ خالی ہاتھ گھر جایا نہیں کرتے

کبھی تو اپنا سویا بخت بھی جاگے گا اے حافظ!
سخی داتا ہیں وہ محروم فرمایا نہیں کرتے

* صلی اللہ علیہ وسلم

ذیل میں چند تقاریر پیش کی جا رہی ہیں جو حضرت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے موقع پر ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو بعد نماز عشاء دار بنی ہاشم میں ایک تعزیتی جلسہ میں کی گئیں۔ (مرتب حافظ محمد اکمل)

ابن امیر شریعت، پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری

میرے بھائی، میرے مربّی

تحقیق جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے تو ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا (پ ۲۴ سورہ حٰم سجدہ رکوع ۳)

بھائی جان رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح زندگی گزاری وہ ہمارے لیے ایک سبق ہے۔ احرار دوستوں کو خصوصیت کے ساتھ میں یہ بات یاد دلاتا ہوں کہ جو سبق وہ اپنی زندگی میں دیتے رہے ہیں۔ اسکو نہ بھولیں۔ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ میرے بھائی، میرے استاذ اور میرے مربی تھے سچی بات یہ ہے میں نے دین اپنے بھائیوں سے سیکھا ہے۔ ایک میرے محسن یہ بیٹھے ہیں (سید عطاء المحسن) اور ایک قبر میں چلے گئے ہیں۔ میرے ان دو بھائیوں نے میرا حلیہ درست کیا انکو دنیا میں بھی ثواب ملتا رہے گا اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ

حضرت ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا سبق یہ دیا کہ ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی، دوسرا سبق یہ دیا کہ گناہ کو گناہ سمجھو اور یہی دین متین کا فیصلہ ہے۔ شراب پینا، چوری کرنا گناہ ہے ویسے ہی دین دار لوگوں کی بے دین لوگوں کے ساتھ مشابہت کرنا بھی گناہ ہے۔ تیسرا سبق یہ دیا کہ جو مسلمان اللہ سے اپنا عہد توڑتا ہے اللہ اسکی ذمہ داری اپنے سے اتار دیتے ہیں۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جب تم کسی کے ساتھ عہد و پیمان کرتے ہو، پھر توڑ دیتے ہو، وہ تمہارا ذمہ دار نہیں رہتا۔ اللہ تو مخلوق سے بہت زیادہ غیرت مند ہے۔ جب مخلوق عہد کرنے کے بعد توڑتی ہے اللہ اسکی ذمہ داری ترک کر دیتے ہیں۔ یہی پیغام تھا ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اگر ہمارا وجود، ہماری زبانی قوت، ہماری فکری قوت، ہماری جسمانی قوت اور جماعتی قوت انسانی نظاموں کیلئے کوشاں ہے تو سمجھو ہم سب گناہ گار ہیں۔ ایک آدمی کا گناہ اسکی ذات تک ہے اللہ سے توبہ کرتا ہے معاف ہو جائے گا۔ جب پوری قوم اجتماعی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اجتماعی معافی کے بغیر معافی نہیں ملے گی۔ اس وقت پوری مسلمان قوم اس اجتماعی گناہ میں مبتلا ہے کہ ہمارے وجود الٰہی نظام کو چھوڑ کر انسانی نظاموں کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔

ابوذر بخاری نے زندگی بھر قرآن و حدیث اور اجماع امت سے جو صحیح سمجھا جو صحیح سمجھنے والوں نے سمجھایا اسی کو لے کر استقامت کے ساتھ جدوجہد میں مصروف رہے۔ تیسری بات...... سب سے بڑا احسان ہم پہ یہ کیا کہ مجلس احرار اسلام پر جو سیاہ بادل اڑائے جا رہے تھے ان کو صاف کیا جماعت کو قائم رکھا اور نام احرار پر جان دے دی۔ آج بھی بعض ہم مسلک جماعتوں کی طرف سے پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ امیر شریعت

جماعت احرار ختم کر گئے تھے۔ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنے باپ کے صحیح جانشین ہونے کی بدولت یہ بات واضح کر گئے کہ میرے والد ماجد نے مجلس احرار اسلام کو ختم نہیں کیا تھا۔ کام کا رخ بدلا تھا۔ جیسے والد صاحب نے فرمایا کہ...... "تم سب مجھے چھوڑ جاؤ میں شہروں کو چھوڑ جاؤں گا، جنگل میں چلا جاؤں گا، تنکوں سے کٹیا بنا لوں گا کچھ نہ ہوا میرے پاس میں اپنے دامن سے کپڑا پھاڑ کر جھنڈا لہرا دوں گا۔ نہ ملا کچھ تو اپنے خون سے رنگ دونگا اور کہوں گا کہ یہ ہے مجلس احرار اسلام کا دفتر۔ سید ابوذر بخاری بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ہمارے اندر سچ کی جوت جگائی۔ فرمایا کہ سچ کہو، سچ سنو، سچ سمجھو اور سچ پر قائم ہو جاؤ۔

احرار کارکنو! اپنے آپ کو تھوڑا مت سمجھو بدر میں بہت نہیں تھے ٹ ٹے تھے۔ اسلا ی نہیں تھا، سواری بھی نہیں تھی۔ رب نے نازل کر کے دکھا دیا۔ تم بھی ڈٹ جاؤ استقامت سے س ے اور پوری قوت سے کہو کہ انسانی نظام کفر ہیں اور صرف الٰہی نظام سچا ہے۔ کوئی جماعت جو اپنے آپکو دین کے نام سے منسوب کرتی ہے کوئی شخصیت کوئی پارٹی اگر وہ الٰہی نظام کو چھوڑ کر انسانی نظاموں کو حق سمجھتے ہوئے ان سے تعاون کرتی ہے تو وہ جھوٹ کی پیروی کرتی ہے۔

سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ آج ہم میں موجود نہیں مگر زندگی بھر دین کےلئے جس اخلاص اور جذبہ صادقہ کے ساتھ جدوجہد کرتے رہے وہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام دینی مساعی قبول فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائے (آمین)

مولانا عزیز الرحمن جالندھری
(ناظم اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)

ہمارے دفتروں میں حضرت مولانا عطاء المنعم کا نام "حافظ جی" پکارا جاتا تھا۔ بڑا جامع ترین نام تھا۔ احباب اس لفظ سے پہچان جاتے کہ تذکرہ انہی کا (حضرت سید عطاء المنعم بخاری) ہو رہا ہے۔ گزشتہ تین چار ما میں ان سے ملنا ہوا تو ایک عجیب کیفیت جو دیکھی گئی وہ انکے چہرے کی بشاشت تھی۔ ان کا بشاش چہرہ کھلے ہوئے ہونٹ، چہرے کی رنگت دیدنی تھی۔ جب میں نے حافظ جی کو تین چار دفعہ اس طرح دیکھا تو مجھے حضور ﷺ کے آخری لمحات بے ساختہ یاد آ جاتے۔ حضور ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے آخری ایام تھے تو آپ کے چہرے پر ایک سرخی اور بشاشت تھی اور کتب احادیث میں حضرت علیؓ نے تذکرہ کیا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہ آپ کی صحبت پہلے نسبت اچھی ہے حضرت عباس اسے کہنے لگے کہ میں ہاشمیوں اور قریشیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں میرے ہاتھوں میں بہت سارے رخصت ہوئے ہیں۔ یہ آپ کے چہرے کی بشاشت اور چہرے کی سرخی یہ بتاتی ہے کہ حضور ﷺ اس دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ ہاشمی جب دنیا چھوڑتا ہے تو اسکا چہرہ بشاش بشاش ہوتا ہے۔

حافظ صاحب کے ہاں آخری دنوں میں دو تین بار جانے کا اتفاق ہوا تو آپ یقین کریں کہ اس سال پہلے انکا چہرہ اتنا چمکیلا اور سرخ نہیں تھا جو بیماری کی حالات میں تھا ایک چیز انکی یہ بھی دیکھی کہ ان پر اللہ نے بڑی رقت طاری کر دی تھی۔ ہم چار ساتھی ان سے مل کر واپس گئے تو ہمارے ساتھی مولانا بشیر احمد صاحب کہنے لگے حافظ صاحب تو بہت جری ہوتے تھے اور اب اتنی رقت طاری ہو گئی کہ انکے آنسو نہیں تھمتے ۔ میں نے مولوی بشیر سے کہا کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں پڑھا ہے کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام پر اللہ نے رقت طاری کر رکھی تھی اور وہ واحد پیغمبر ہیں جو اس دنیا میں نبوت کے ساتھ پیدا ہوئے اور بن شادی کے فوت ہوئے۔ اور ان کے ساتھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کی پیدائش کے ساتھ اللہ نے اعلان کیا تھا کہ یہ نبی ہوں گے دو پیغمبروں کو بچپن میں نبوت ملی تھی ان میں حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت رویا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمر میں ان سے چھوٹے تھے اور یہ بہت مسکرایا کرتے تھے۔ جن دوستوں نے حافظ صاحب کو جوانی میں دیکھا ہے ان کے لبوں کی سرخی ان کے دانتوں کی سفیدی، ان کے ماتھے کے بل، ان کے سامنے ہوں گے کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مسکرایا کرتے تھے اور جنہوں نے انہیں ان پانچ چھ ماہ میں دیکھا ہے کہ جب کوئی دوست ملا اپنا نام بتایا تو اسکی خیریت پوچھی، اسکے بچوں کا پوچھا، پھر انسانی ہمدردی کی باتیں کر کے روتے تھے۔ میں نے کہا کہ مجھے حضرت یحییٰ علیہ السلام یاد آجاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسکراتا دیکھتے تو کہتے تھے کہ تجھے ہنسی ہی آرہی ہے، تو بس نہیں کرتا۔ تو وہ ان سے کہتے کہ تو رویا جارہا ہے تو رونے سے بس نہیں کرتا۔ دو صفتیں تھیں۔ جوانی میں مسکراتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت پر قوی بھروسہ تھا۔ مومن جب مسکراتا ہے تو اللہ پر اعتماد کے ساتھ کہ وہ میرا خالق و مالک ہے۔ میں اسے جانتا ہوں، اس نے مجھے یہاں بشاشت دی ہے وہ آخرت میں بھی مجھے ہشاش بشاش رکھے گا اور جب مومن آنسو بہاتا ہے تو وہ موت کے لمحات ہوتے ہیں۔ کہ اس کے آنسوؤں کو پوچھنے والا اللہ ہے کہ یہ میرے ہاں آرہا ہے اور اسے احساس ہے کہ اس سے زندگی کا سوال ہونا ہے۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں اور مرے آنسو صاف کر دیں۔

میرے محترم دوستو، حضور علیہ السلام کے خاندان میں عظیم ترین افراد تھے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں حضور علیہ السلام کا خاندان واحد خاندان ہے جو دین کی اشاعت و ترویج اور معرفت کے پھیلاؤ میں منفرد ہے۔ یہ امتیاز اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی پشت در پشت رکھا ہے۔ ہماری چودہ سو سال کی تاریخ میں جہاں جہاں سادات میں سے مشائخ گزرے ہیں ان کے اثرات آپ نے منفرد دیکھے ہوں گے۔ اللہ رب العزت حافظ صاحب کے درجات کو بلند فرمائیں۔ یہ دین کا کام حافظ صاحب کی اپنی زندگی میں ایک منفرد انداز میں تھا۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ انکا ایک اپنا انداز تھا، ان کے ستر سالہ زندگی کے لمحات امت مسلمہ اور امت مسلمہ کے چنے ہوئے افراد جو علمائے کرام تھے ان کے متعلق اور دین اسلام کے خلاف جو فتنے پیدا ہورہے تھے تین باتوں کے متعلق ان کے دل اور دماغ میں یہ فکر ہوتی تھی کہ دین کے خلاف کس طرح منہ کھول رہے ہیں اور اسکا تدارک امت کو جس طرح کرنا چاہیئے اس طرح ہونے نہیں پاتا انہوں نے اپنے اساتذہ کا ایک معیار دیکھا تھا۔ وہ جب دنیا سے اٹھے تو انہیں اپنے دائیں بائیں بھی ہم جیسے کمزور مولوی صاحبان ملے یہ بھی ان کے لئے

تکلیف وہ بات تھی کاش کے وقت کے علماء ان کا مقام، ان کا منصب، انکی سوچ اور فکر، انکی قوت ارادی ماضی کے اپنے اسلاف کے ہم پلہ ہوتی اس کے اندر لچک نہ آتی۔ دین اسلام کی یہاں جس طرح پامالی ہو رہی ہے یہ حافظ صاحب کا ایک منفرد موضوع ہوتا تھا کہ اس خطے کے اندر جو اسلام کیلئے طویل جدوجہد کے بعد حاصل کیا گیا تھا امید تھی دین کی سر بلندی کی مگر اسکے برعکس یہاں دین کو نقصان پہنچ رہا ہے اور دین کے خلاف طاقتیں اجاگر ہو رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی اس زندگی میں کبھی درس دیئے ہیں، کہیں انہوں نے تقریریں کی ہیں اور کہیں انہوں نے وعظ کیئے ہیں۔ انہیں ایک تو مجلس احرار اسلام کے ورکر اور ساتھی ملے اور پھر حضرت امیر شریعت کے رفقاء اور ساتھی بھی ملے۔ اور یہ انکا کمال ہے کہ اپنے والد ماجد کے رفقاء کرام کو بھی اپنے سینہ سے جوڑ کے رکھا اور مجلس احرار اسلام کے رفقاء کرام کو بھی ان کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنا ایک مستقل حلقہ پیدا کیا۔ اپنے اخلاق سے، اپنی عادات سے، اپنے طرز عمل سے اور اپنی محنت سے۔ اللہ نے انہیں ایک مستقل حلقہ دیا۔ وہ آج تین حلقے چھوڑ کر اس دنیا سے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کے ان تینوں حلقوں کو شیر و شکر رکھیں۔ جب ایک آدمی دنیا سے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی خصوصیات اور خوبیاں جو دین کے محاذ پر کام کرتے ہیں اس کے چاہنے والوں میں منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ دنیا سے چلے گئے لیکن جو چیزیں انکے وجود کے ساتھ وابستہ تھیں آپ دعا کریں اللہ رب العزت وہ اوصاف حافظ صاحب کے بھائیوں میں اور ان کے چاہنے والوں میں منتقل کر دیں۔ ہم ان کے وجود سے اسی طرح مستفید ہوتے رہیں۔ آمین۔

*

مولانا مجاہد الحسینی

اعوذ باالله من الشیطن الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم

الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا

(جس نے بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے، کون اچھا کرتا ہے تم میں سے کام)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ ذات برکت والی ہے جس نے حیات کو پیدا کیا۔ ذرا توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے موت کا ذکر پہلے کیا اور حیات کا بعد میں۔ جس کو ہم آج زندگی سمجھ رہے ہیں یہ زندگی نہیں بلکہ یہ زندگی حاصل کرنے کا ایک وقت ہے۔ جو یہاں جس انداز سے عمل کریگا اسی حساب سے اسکو جزا اور سزا ملے گی۔ آج آپ حضرات نے دیکھ لیا، سن لیا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند اکبر آپکے جانشین مولانا حافظ سید عطاء المنعم بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے مختلف حضرات نے جو باتیں کی ہیں، جس انداز میں بیان کیا ہے یہ ان کی محبت ہے اگر میں یہ کہوں کہ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا اس برصغیر میں خطابت کے حوالے سے ایک تعارف ہے اور خطابت کا وہ جوہر تو آج آپ نے دیکھ لیا کہ انکی اولاد میں وہ جوہر خطابت، وہ جوہر علم کس قدر موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اسکا حصہ وافر عطاء کیا ہے۔ حضرت سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ میری وابستگی، انکے ساتھ میرا

تعلق خاطر، صحبت، سنِ چالیس اکتالیس سے لے کر آج تک رہا ہے۔ میں نے حافظ صاحب کا بچپن اور طالب علمی کا زمانہ خیر المدارس جالندھر میں دیکھا۔ ہم اکٹھے پڑھتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ملتان میں انکے ساتھ وقت گزرا پھر میں لاہور میں رہا۔ اگر میں یہ کہوں تو یہ مبالغہ کی بات نہیں ہے یہ حقیقت ہے کہ جو شعور، جو سوچ اور فکر مجھے حافظ صاحب کی رفاقت کی وجہ سے، انکی مجلس کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ میں اس خاندان سے وابستہ ہوں۔ حافظ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت عطاء فرمائی میرے عزیز سید کفیل بخاری نے آپکے سامنے وہ باتیں پیش کر دیں وہ میرے گوشۂ خیال میں تھیں۔ علم وادب، صحافت اور تحریر و تقریر میں شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت صلاحیتیں عطاء فرمائی تھیں۔ وہ باکمال شخصیت تھے۔ عزیزی محمد کفیل بخاری نے "مستقبل" کا ذکر کیا۔ میں اس ضمن میں عرض کرتا ہوں کہ پاکستان بننے کے بعد جب اسکا ابتدائی زمانہ تھا اور "مستقبل" کی ترتیب و تزئین اور اشاعت کے سلسلہ میں وہ اکثر مجھ سے تذکرہ کیا کرتے تھے وہ نقشہ آج بھی میرے سامنے ہے کہ ۱۹۵۰ء میں آل مسلم پارٹیز کنونشن تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں تھا۔ کراچی میں اجلاس ہوتے تھے۔ حاجی مولانا بخش سومرو کی کوٹھی پر حضرت امیر شریعت بھی ہیں اور حافظ صاحب بھی۔ ہم حاجی مولانا بخش کی کار میں کہیں جا رہے تھے۔ حافظ جی راستہ میں اصرار کر رہے تھے کہ اباجی سردار عبدالرب نشتر وزیر اطلاعات ہیں آپ ان سے کہیں وہ ہمیں "مستقبل" کا ڈیکلریشن دے دیں۔ شاہ صاحب فرمانے لگے کہ حافظ جی مجھے کیوں کہتے ہو کہ میں انکے پاس جاؤں؟ گاڑی جارہی تھی اور راستہ میں سیکرٹریٹ تھا۔ حافظ جی نے پھر اصرار کیا تو حاجی صاحب کہنے لگے شاہ جی کوئی حرج نہیں بات کر لیتے ہیں۔ گاڑی راستہ میں رک گئی سیکرٹریٹ کے دروازے پر حاجی صاحب نے پیغام دیا کہ شاہ جی باہر کار میں بیٹھے ہیں سردار عبدالرب نشتر جیسے بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے انکے سر پر پگڑی تھی اور پاؤں انکے ننگے تھے۔ اسی طرح ننگے پاؤں باہر آگئے شاہ جی سے جھک کے سلام کیا اور فرمایا کہ آپ نے زحمت کیوں فرمائی؟ آپ مجھے حکم دیتے میں وہاں حاضر ہوتا کار میں بیٹھ کر ہی حضرت شاہ صاحب نے ذکر کیا کہ آپ کا بھائی آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔ اسکی بات سن لیں۔ میں بھی ساتھ بیٹھا تھا حافظ جی نے رسالہ "مستقبل" کے لئے ڈیکلریشن کے حصول کی بات کی اور سردار صاحب نے منظوری دے دی، ڈیکلریشن مل گیا۔ وہ بات آج مجھے سمجھ آرہی ہے جو حافظ جی "مستقبل" کے بارے میں کر رہے تھے۔ ورنہ حافظ جی کو مستقبل کی کیا ضرورت؟ آج پچاس سال گزرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان بننے کے بعد اس قوم اور ملک کے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے۔ پھر انہوں نے ملتان سے ایک پرچہ نکالا "مزدور"۔ آپ بتائیں کہ اس ملک کے مزدوروں کے کتنے مسائل ہیں۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں مزدوروں کے حقوق کا نام لے کر اقتدار پر براجمان ہوتی ہیں۔ مگر ان کے لئے کچھ نہیں کرتیں۔ یہاں کمیونسٹ ادیبوں نے انجمنیں بنائیں تو حافظ جی نے بھی نادیۃ الادب اسلامی کے نام سے ایک ادارہ بنایا۔ منشاء یہ تھی کہ اس قوم کے ذہن میں اسلام کی فکر، ختم نبوت کا مفہوم اور عقیدۂ ختمِ نبوت پر حملہ

کرنے والوں کے خلاف جذبۂ جہاد بیدار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے۔

عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذامات الانسان انقطع عملہ الامن ثلاث صدقتہ جاریہ اوعلم ینفع بہ او ولد صالح یدعولہ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اسکے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین عمل ایسے ہیں جنکا ثواب ختم نہیں ہوتا ۔ ا۔ صدقہ جاریہ ۲۔ ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جارہا ہو۔ ۳۔ ایسی اولاد جو نیک ہو اور دعا کرتی رہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ یہ تینوں چیزیں چھوڑ گئے ہیں ۔ صدقۂ جاریہ، علم نافع اور اولاد صالح بھی جو دعا کرنے والی ہے۔ ملتان کا واقعہ ہے ایک دن میں حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے گھر کی بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے آ کر کہا ایک کار آئی ہے جس پر جھنڈی لگی ہوئی ہے تو شاہ جی نے فرمایا کہ دیکھو یہ کوئی وزیر آیا ہوگا۔ میں نے باہر گلی میں دیکھا تو میاں افتخار الدین اور انکے ساتھ میاں محمد شفیع صاحب تھے جو ناظم بلدیات تھے۔ مخدوم سجاد قریشی اور علمدار گیلانی بھی غالباً ساتھ تھے۔ میاں افتخار الدین نے آتے ہی ایک جملہ کہا کہ "شاہ جی آپ کہاں آ کے بیٹھ گئے ہیں؟ (کچا مکان، گلی کچی، اور گندی نالی درمیان میں تھی اس پر اینٹیں رکھی ہوئیں تھیں۔) آپ کہاں آ کے بیٹھ گئے، آپ ایک درخواست لکھیں میں ابھی آپ کے نام ایک کوٹھی الاٹ کر دیتا ہوں۔ ایک مرکزی وزیر مالیات، خود یہ درخواست پیش کر رہا ہے کہ آپ ایک درخواست مجھے لکھیں میں ابھی آرڈر کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا بابو بیٹھ جاؤ، میں بہت گناہ گار ہوں لیکن زندگی میں مجھ سے ایک گناہ سرزد نہیں ہوا "فدوی کی درخواست یہ ہے" یہ گناہ میں نے نہیں کیا اگر یہ درخواستیں میں نے لکھنی ہوتیں تو انگریز کو درخواست کرتا۔ میرے مربعے ہوتے، میری کوٹھیاں ہوتیں، میری جائیداد ہوتی، میاں محمد شفیع بولے شاہ صاحب جو جگہ منظور ہو وہ آپ کو لے دیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا نہیں۔ پھر میاں افتخار الدین نے پوچھا کہ یہ جو مکان ہے کتنے کرایہ کا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا بابو روز ایک روپے کی سبزی آتی ہے اور ایک روپے کا مکان۔ انہوں نے پھر اصرار کیا تو شاہ جی نے فرمایا

نشیمن چھوڑ کے نکلے چمن سے

ابھی ہے باغ میں صیاد تو بہ

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ ایک درویش صفت، فقیر منش، خود دار اور غیرت مند انسان تھے۔ وہ اس دنیا میں ایک مقصد لے کر آئے تھے اور پوری زندگی اس مقصد پر صرف کردی۔ شاہ جی کی یہ صفات بلاشبہ ان کی اولاد اور خاندان میں منتقل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ سید عطاء المنعم بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر منور فرمائے۔ ان کے عزیز بھائیوں، بہن، بیوہ، بیٹوں اور سب احباب کو صبر عطاء فرمائے (آمین)

تعزیتی شذرات

جانشینِ امیر شریعت مولانا سید عطاء المنعم بخاری کی وفات

(ماہنامہ الرشید لاہور)

۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو علی الصبح پورے ملک میں کسی کسی جگہ مکمل اور اکثر جگہ سورج کے اکثر حصے کو گرہن لگنا تھا۔ اس دن سے پہلے شب پونے گیارہ بجے علم کا ایک سورج غروب ہو چکا تھا۔ ساڑھے سات بجے کے قریب مجھے حضرت سید نفیس الحسینی (نفیس رقم) مدظلہ نے فون کر کے کرب ناک لہجے میں فرمایا کہ حافظ صاحب! مولانا سید عطاء المنعم..... انہوں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھ کر پوچھا کیا ان کا انتقال ہو گیا تو جواب ملا کہ ہاں رات کو وہ واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خاصے عرصے سے ان کی شدید علالت کی خبریں آرہی تھیں اور عزیز محترم سید محمد کفیل بخاری سلمہ اللہ نے کئی دفعہ کہا بھی کہ نہ جانے کب موت کا بلاوا آجائے زندگی میں ان سے جا کر مل آؤ۔ اور ایک ہفتہ قبل حضرت شاہ صاحب سے پروگرام بنا تھا کہ کسی دن شالیمار پر لاہور سے ملتان چلیں اور عیادت کر آئیں لیکن زندگی کے آخری ایام میں ان کی زیارت مقدر نہ تھی بارہا اور اب مکمل ارادے کے باوجود زیارت سے محرومی رہی۔ اور ۲۴ تاریخ کو ملتان ایرسن گراؤنڈ (اب سپورٹس گراؤنڈ) میں جب سب حضرات نماز عصر ادا کر رہے تھے۔ ہم نے حضرت سید ابوذر بخاری (کہ سالہاسال سے وہ اسی نام کو اپنے لئے استعمال کرتے تھے) کے جسد خاکی کی زیارت کی۔ اور اس کے بعد ہزاروں افراد نے مرحوم کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی۔ میت کی چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھے ہوئے تھے۔ لیکن ہم کوشش کے باوجود ان کو ہاتھ نہ لگا سکے کہ کمزور افراد کے لئے یہ بہت مشکل تھا۔ صبر کیا اور جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مجلس احرار اسلام کے سرپرست کو اپنے والدین کے ساتھ جلال باقری قبرستان (نزد باغ لانگے خاں) میں دفنا دیا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد دار بنی ہاشم مہربان کالونی میں بیسیوں سوگواروں نے تعزیتی جلسہ میں مرحوم کی خدمات اور زندگی کے مستقل موقف اور مشن کی استقامت پر خراج عقیدت ادا کیا اور یوں ایک انسان جو مجلس احرار اسلام کی جیتی جاگتی کہانی تھا۔ قائدین احرار کی گود میں بیٹھ کر، جوان ہو کر جس نے سینکڑوں عنوانات کو حافظے میں محفوظ کیا ہوا تھا وہ خود سلف صالحین اور کاملانِ راہ کے ساتھ جا ملا۔ معلوم حضرت سید محترم مرحوم نے اپنی ان یادداشتوں کو قلم بند بھی کیا یا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ خدا کرے کہ ان کا کوئی لکھا ہوا مسودہ موجود ہو جو برصغیر کے حالات اور بزرگوں کے احوال پر اسناد کی حیثیت رکھتا ہو گا۔ ان کے وارث ان کو جلد منصہ شہود پر لائیں۔ بہر حال ایک عہد کی مختلف داستانوں کی حامل شخصیت ہم سے جدا ہو گئی۔

قیام پاکستان کے بعد برصغیر کے سب سے بڑے خطیب نے ایک کچے مکان میں اپنی زندگی کے

(جیل کے علاوہ) پندرہ سال گزار دیئے جبکہ برصغیر کو آزاد کرانے میں ان کا ہر اول دستے میں نام تھا اور اسی برصغیر کی آزادی کے بعد ایشیا کے اکثر ممالک آزاد ہوئے۔ ملک کو آزاد کرنے کی جدوجہد میں ان کا مقدر جیل یا ریل تھا! اور جو لوگ اس وقت انگریز کے منظور نظر اور خطاب یافتہ تھے وہ پاکستان کے بعد بھی پیرانِ تسمہ پا کی طرح قوم پر سوار ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں امیر شریعت نے جس مکان میں جان جاں آفرین کے سپرد کی تھی ۳۳ سال دو ماہ بعد اسی مکان میں ان کے جانشین نے اپنے والد کی راہ لی۔ امیر شریعت نے دیگر "داعیانِ اسلام" کی طرح اپنی اولاد کے لئے دنیوی تعلیم اور زخارف دنیا کو پسند نہیں کیا بلکہ ان کے لئے وہی طرز پسند کیا جس کو خود ساری عمر اختیار کئے رکھا اور ان کو سادگی، قناعت، کفایت شعاری لیکن فقر غیور، خودداری، جرات و شجاعت اور دینی اعمال پر چھوڑا۔ بیٹیوں کے علاوہ چار بیٹے حضرت مولانا سید عطاء المنعم (جو جدا ہو گئے) مولانا سید عطاء المحسن، مولانا سید عطاء المومن اور مولانا سید عطاء المہیمن سلمھم اللہ تعالیٰ جرأت و شجاعت اور شکل و صورت میں "الولد سر لابیہ" کے مصداق ہیں اور اپنے گرامی قدر والد کی جماعت مجلس احرار اسلام کا پرچم تھامے ہوئے اعلاء کلمۃ الحق اور تحفظ ختم نبوت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماتے ہوئے اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اولاد و برادران سلمھم اللہ تعالیٰ کو اپنے عظیم والد کے مشن و موقف پر مستقیم رہنے کی توفیق رفیق فرمائے (آمین) حافظ عبدالرشید ارشد (ماہنامہ الرشید لاہور نومبر ۹۵ء ص ۷۴ تا ۶۱)

❋

اِنّا للّٰہ واِنّا الیہِ رَاجِعُون (ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند ارجمند مولانا سید ابو معاویہ عطاء المنعم بخاری جو طویل علالت کے بعد ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو دار فانی سے عالم جاوداں میں چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب مولانا صاحبزادہ ابرار احمد صاحب بگوی امیر مجلس حزب الانصار بھیرہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا مرحوم نے ساری زندگی قرآن و سنت کی خدمت کرنے۔ مرزائیت اور دیگر مذاہب باطلہ کا مقابلہ کرتے ہوئے بسر کی۔ آپ کی زندگی کا خصوصی مشن صحابہ کرامؓ کا دفاع اور (خصوصاً) سیدنا امیر معاویہؓ اور بنوامیہ کی اسلامی خدمات کو اجاگر کرنا تھا۔ بنوامیہ دشمنی پر مبنی پروپیگنڈہ کا توڑ کرنا آپ کی تقریروں اور تحریروں میں نمایاں ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ مولانا کے انتقال سے علمی دنیا میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ رب الکریم آپ کے درجات کو بلند فرمائے (آمین) اراکین ادارہ سوگوار خاندان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادگان کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے (آمین)

مولانا مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے دارالعلوم عزیزیہ بگویہ جامع مسجد بھیرہ میں قرآن خوانی ہوئی اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی گئی (ادارہ)

(ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ، اکتوبر/نومبر ۹۵ء ص ۲۸)

مولانا سید ابوذر بخاری

(ماہنامہ البلاغ، کراچی)

مؤرخہ ۲۴ اکتوبر بروز منگل کو مولانا سید ابوذر بخاریؒ طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے فرزند ارجمند تھے، اور ان کی سوچ، انداز تکلم اور خطابت میں اپنے والد ماجد کی بڑی دلکش جھلک موجود تھی۔ انہوں نے خیر المدارس ملتان میں درس نظامی کی تکمیل کی، اور اس طرح حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے علوم سے بھی استفادہ کیا۔ وہ بلا کے ذہین، حاضر جواب، اور وسیع المطالعہ عالم تھے، خطابت میں فصاحت و بلاغت انہوں نے اپنے والد سے میراث میں پائی تھی، اور انداز زندگی بھی اپنے والد کی طرح درویشانہ تھا۔ سنا گیا ہے کہ قرآن کریم کے آٹھ آٹھ پارے روزانہ تلاوت کرنے کا معمول تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے۔ اپنے والد ماجد کی طرح انہوں نے فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں، نیز صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ناموس کا تحفظ اور ان اساطین امت کے خلاف دریدہ دھنی کرنے والوں کی تردید ان کی زندگی کا خاص مشن تھا، اور اپنی جدوجہد میں انہوں نے بہت سی صعوبتیں جھلیں، قید و بند کے مراحل سے بھی گزرے، لیکن کوئی انہیں اپنے مؤقف سے متزلزل نہ کرسکا۔

مولانا مرحوم کا جب بھی کراچی آنا ہوا تو عموماً دارالعلوم میں تشریف لاکر خاصا وقت برابر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم اور اس ناکارہ کے ساتھ ملاقات میں صرف کرتے۔ اپنے والد کی طرح وہ ایک باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ اور جب کبھی وہ تشریف لاتے ان کی شگفتہ محفل حاضرین کو نہال کر دیتی، انہوں نے قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں مسلمانوں کی ایک بستی آباد کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا، اور ایک مسجد بھی تعمیر کی، جہاں وہ وقتاً فوقتاً جلسے بھی منعقد کیا کرتے تھے، کئی بار اس ناکارہ کو انہوں نے ربوہ کی دعوت دی تو میں اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے پورا نہ کرسکا۔ احقر بھی جب ملتان حاضر ہوتا تو ان سے ملاقات کی کوشش کرتا۔ اب وہ کافی عرصے سے فالج کے حملے میں مبتلا تھے، اور آخر میں زبان بھی بند ہوگئی تھی۔ اور بالآخر ۲۴ اکتوبر کو ان کی آخری منزل آپہنچی۔ اور وہ دنیا کی اس جدوجہد کو خیرباد کہہ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ مجھے مولانا کی وفات کا علم ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ بعد ہوا اور اچانک ایک رسالے میں یہ خبر پڑھ کر دل کو ایک دھچکہ سا لگا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائیں۔ اور ان کو جوار رحمت میں درجات عالیہ سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین۔

(مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی) (البلاغ جنوری ۱۹۹۶ء ص ۵۵)

❋

سید ابوذر بخاری بھی انتقال فرما گئے

(ماہنامہ تعلیم الاسلام، ماموں کانجن)

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے جانشین اور بڑے فرزند حافظ سید عطاء المنعم

(المعروف سید ابومعاویہ ابوذر بخاری) ٢٣، ٢٤ اکتوبر ١٩٩٥ء کی درمیانی رات انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یوں شاہ صاحب نے تقریباً ٧١ برس عمر پائی۔ برصغیر میں کون مسلمان ہوگا جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے ناواقف اور نا آشنا ہوگا۔

شاہ جی کے سیاسی کارناموں دینی خدمات خطابتی معرکہ آرائیوں اور علمی رفعتوں کے بارے میں آئندہ مفصل لکھا جائے گا۔ سید ابوذر بخاری کو ١٩٣٩ء میں خیرالمدارس جالندھری میں داخل کروایا گیا۔ ١٩٤٨ء میں انہوں نے سند فراغت حاصل کی۔ وہ نادر الوجود شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت مصنف، مولف، خطیب، ادیب، زعیم اور عظیم دانشور تھے۔ تقریر و تحریر کی تمام صلاحیتیں اللہ تعالی نے ان میں بڑی فیاضی سے ودیعت فرمائی تھیں۔ وہ جب بولتے تو موتی رولتے تھے۔ جب لکھتے تھے تو پڑھنے والے عش عش کراٹھتے۔ مبداء فیاض سے انہیں اوصاف جلیلہ خوب ملے تھے۔ وہ شیر ابن شیر تھے۔ دل کے غنی بات کے دھنی تھے۔ وہ بظاہر کم آمیز تھے لیکن جن سے راہ و رسم ہو جاتی ان سے وہ نباہ کرنا اپنی وضع داری سمجھتے تھے۔ وہ بے اصولی سے نفور اور اصول پرستی میں غیور تھے۔ احقاق حق اور ابطال باطل میں وہ کسی لچک کے روادار نہ تھے۔ وہ واحد شخصیت تھے جنہوں نے قافلہ احرار کے بچے کھچے افراد کو اکٹھا کر کے اپنے عظیم باپ اور عظیم اسلاف کی یادوں کو سینے سے لگائے رکھا۔ کچھ لوگ احرار کا نام بیچنا چاہتے تھے۔ کچھ لوگ تغیرات زمانہ سے متاثر ہو کر احرار سے بے زاری کا اظہار فرماتے رہے تھے لیکن سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، مولانا عبیداللہ احرار اور ثناء اللہ بھٹہ کو ساتھ لے کر کاروان احرار اکٹھا کیا اور ان میں تنظیم واتحاد قائم کیا۔ ان کے خفتہ جذبات کو بیدار کیا اور اپنے اکابر کی عظیم یادگار سے نہ صرف بے اعتنائی نہیں برتی بلکہ ہرچہ بادہ باد کے تحت اس کا تحفظ کیا۔

بندہ کی سید ابوذر بخاری سے راہ و رسم بہت پرانی ہے۔ مولانا مجاہد الحسینی میرے جگری دوستوں میں سے ہیں، وہ شاہ صاحب کے ہم جماعت تھے۔ جب سے سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کی شادی فیصل آباد میں ہوئی تھی، ان سے ملاقات سال میں کئی کئی مرتبہ ہو جاتی۔ حافظ صاحب نے "تاریخ احرار" چھاپنا چاہی تو اس کے پیش لفظ مولانا عبیداللہ احرار مرحوم سے لکھوانا چاہے۔ مولانا عبیداللہ احرار نے فرمایا میں تو احراری ہوں۔ احراری محرر سے زیادہ مقرر ہوتا ہے۔ فرمانے لگے یہ (اسلم سیف) آپ کے پاس بیٹھا ہے، یہ آپ کے لئے نہیں لکھ سکتا؟ مجھے حکم ہوا میں نے دونوں بزرگوں کی بات مان لی لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ چند سطری تحریر نہیں ہوگی۔ برصغیر کے آخری ایام کی اسلامی تحریک کا خلاصہ ہوگا۔ کہنے لگے کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا پرسوں یہاں آکر میں دے دوں گا۔ چنانچہ اکبر اعظم سے شروع کر کے قیام پاکستان تک اسلامی تحریک کے خدوخال بالاختصار میں نے مرتب کر دیئے اور وہ غالباً ١١، ١٢ صفحات پر مشتمل تھے جو تاریخ احرار میں "اشارات" کے عنوان سے مولانا عبیداللہ احرار کے نام سے شائع ہوئے۔ یہ پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارے اکابر ہمیشہ دین کی سربلندی، اسلام کی عظمت اور دینی دعوت کو عام کرنے میں مشترکہ طور پر دینی خدمات بجا لاتے رہے ہیں۔ شاہ صاحب پر کئی سالوں سے فالج کا شدید حملہ ہوا اور

وہ صاحب فراش ہو گئے۔ زبان پر بھی اس کے بہت زیادہ اثرات دکھائی دیتے تھے۔ عموماً کثروں نے عام ملاقاتوں سے منع کر رکھا تھا۔ غالباً اگست یا ستمبر کی بات ہے میں "دار بنی ہاشم" ملتان پہنچا تو محترم دوست سید عطاء المحسن شاہ بخاری سے مولانا سید ابوذر بخاری کا حال دریافت کیا تو کہنے لگے کہ ان سے ضرور مل کر جائیں زندگی کا کوئی پتہ نہیں۔ میرے ساتھ عزیز ملتانی اور چند طلباء تھے۔ کہنے لگے کہ شاید وہ آپ کو نہ پہچان سکیں۔ میں نے کہا کہ وہ نہ پہچانیں ہم تو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ راقم نے اپنے نام کے ساتھ چٹ بھیج دی تو شاہ صاحب نے فوراً طلب فرمایا۔ ہماری ملاقات بھی دیدنی تھی۔ سید ابوذر بخاری نے جونہی مجھے دیکھا۔ سینے سے چمٹالیا۔ ہم دونوں زار و قطار روتے رہے۔ تقریباً ۵، ۶ منٹ یہی کیفیت رہی۔ اس وقت یہ دکھائی دیتا تھا کہ زندگی کی پت جھڑ کا موسم شروع ہے نامعلوم کب بلاوہ آجائے۔

وہ چراغ سحر دکھائی دیتے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ اس کے بعد کئی مرتبہ ملتان جانا ہوا۔ جب بھی ملتان جاتا ہوں تو "دار بنی ہاشم" ضرور حاضری دیتا ہوں، (کیونکہ وہاں سید عطاء المحسن بخاری، سید عطاء المومن بخاری، سید عطاء المہیمن بخاری، سید کفیل بخاری، سید ذوالکفل بخاری میں سے کسی کے ساتھ ملاقات کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے) لیکن افسوس دوبارہ سید ابوذر بخاری سے ملاقات نہ کر سکا، جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو چیچہ وطنی میں حکیم محمد رفیق کی اہلیہ کی تعزیت کے لئے حاضر ہوا تو وہاں انتقال کی خبر ملی چنانچہ عازم ملتان ہوا اور شاہ صاحب کے جنازہ میں شمولیت کا شرف حاصل ہو گیا۔ وہیں پروفیسر عبدالمجید سے ملاقات ہو گئی۔ شاہ صاحب کا جنازہ ملتان کے بڑے بڑے جنازوں میں سے ایک تھا۔ اس سفر میں میرے ہمراہ مولوی محمد سعید شجاع آبادی، حافظ شبیر احمد عثمانی اور حافظ عبدالمنان ملتانی بھی تھے۔

(ماہنامہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن دسمبر ۱۹۹۵ء ص ۳۰) (قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری رحمہ اللہ)

*

حضرت مولانا سید عطاء المنعم ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(ماہنامہ نصرت العلوم، گوجرانوالہ)

گزشتہ دنوں ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المنعم ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ ایک محقق عالم دین، عظیم مفکر و مدبر، مستند مؤرخ و مصنف، خوش الحان حافظ و قاری اور صاحب طرز خطیب و ادیب تھے۔ آپ ہمیشہ ختم نبوت اور ناموس صحابہ کی حفاظت کے لئے سر بکف رہے۔ نہ جھکے نہ بکے اور نہ ہی مصلحت کوشی کے پردے میں اپنے عظیم باپ اور حسنی و حسینی سادات کے خانوادے پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع دیا۔ ادارہ نصرۃ العلوم بارگاہ رب العزت میں ملتجی ہے کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔ (نصرت العلوم، گوجرانوالہ، دسمبر ۱۹۹۵ء)

علماء کا سفر آخرت..... مجالس علم کی ویرانی

(ہفت روزہ ختم نبوت، کراچی)

گزشتہ دنوں اہل حق علماء کرام کے یکے بعد دیگر اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پوری اہلسنت والجماعت ایک صدمے اور غم کی کیفیت میں ہے۔ ایک بزرگ کا غم ہی سنبھلنے نہیں دیتا چہ جائیکہ کئی بزرگوں کا بیک وقت رخصت ہو جانا تو اس نقصان کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو خدانخواستہ کبھی ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے اللہ تعالی ہر جماعت کو اس سے محفوظ فرمائے۔ قافلہ ختم نبوت کے امیر محدث العصر مولانا انور شاہ کشمیری سے امیر شریعت کا خطاب پانے والے، عقیدۂ ختم نبوت پر زندگی نچھاور کرنے والے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سب سے بڑے صاحبزادے اور جانشین مولانا سید عطاء المنعم اس دارفانی سے دار بقا کی طرف تشریف لے گئے۔ مولانا ابو معاویہ ابوذر کے نام سے معروف تھے گزشتہ کچھ عرصہ سے فالج کے مرض کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ لیکن اس بیماری کے باوجود صبر و تحمل اور شکر کی عملی تصویر تھے۔ کبھی زبان پر شکوہ نہیں آیا۔ خانوادۂ امیر شریعت ہونا ہی کم اعزاز نہیں تھا اس کے ساتھ اللہ تعالی نے آپ کو بہت زیادہ خوبیوں سے نوازا تھا تقریر کے میدان میں آپ کو جو مقبولیت اور اثر انگیزی عطا فرمائی وہ بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ بڑے بڑے اجتماعات میں جب آپ تقریر فرماتے تو مجمع جھوم اٹھتا حق گوئی کا وصف آپ کو خاندانی ورثہ کے طور پر عطا ہوا تھا۔ بڑے سے بڑا ظالم اور جابر حکمران بھی آپ کی حق گوئی کی راہ میں آڑے نہ آسکا اور آپ نے اس کو ببانگ دہل للکارا۔ جب آپ تقریر فرماتے تو الفاظ موتیوں کی لڑیوں کی طرح آپ کے سامنے دست بستہ صف باندھ لیتے۔ حق گوئی کے ساتھ خودداری بھی آپ کا خاندانی وصف تھا اگر آپ چاہتے تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ کے نام پر بہت کچھ دنیا کما سکتے تھے لیکن آپ نے کبھی والد محترم کی غیرت کا سودا نہیں کیا۔ فاقے تو برداشت کر لئے لیکن کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں کیا۔ اور نہ ہی والد کے نام پر کسی عہدہ کو قبول کیا۔ والد محترم کی طرف سے تربیت اور علمی شفقت کا جو ورثہ آپ کو ملا تھا اس کا حق ادا کرنے کی زندگی بھر کوشش کرتے رہے۔ مطالعہ کا شوق آپ کو جنون کی حد تک تھا۔ ساری زندگی والد محترم کی جماعت مجلس احرار اسلام کی شمع کو روشن رکھا۔ "الاحرار" کے نام سے رسالہ جاری فرمایا جو کلمۃ الحق اور عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کرام کی جماعت کی عظمت کا جذبہ اللہ تعالی نے آپ کو خصوصی طور پر عطا فرمایا تھا۔ کسی صحابی کی شان میں گستاخی کا شائبہ بھی آپ محسوس کرتے تو تعاقب میں لگ جاتے تھے اور منکرین عظمت صحابہ کے خلاف آپ نے مسلسل جہاد جاری رکھا۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب کے مصداق آپ خاندان امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے وہ چشم چراغ تھے جن کی خدمات تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جائیں گی اور قوم مدتوں آپ کے کارناموں کو مشعل راہ بنا کر کامیابی و کامرانی کے راستہ پر گامزن رہے گی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ مولانا خواجہ خان محمد، امیر دوم مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک ایک کارکن کے لئے حضرت کی وفات ایک جانکاہ حادثہ اور عظیم صدمہ ہے۔ یہ سب لوگ خاندان امیر شریعت کے غم میں برابر کے شریک ہیں اللہ تعالی اس خاندان پر ہمیشہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ہر قسم کی آفات سے حفاظت فرمائے۔

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی، نومبر ۱۹۹۵ء ص ۴)

مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری کا سانحہ ارتحال

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے جانشین حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ دنوں طویل علالت کے بعد رحلت فرماگئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم علمی و تحریکی حلقوں میں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے کہ امیر شریعت کے جانشین ہونے کے علاوہ وہ خود علم و تقوی کے اعلی مرتبہ پر فائز تھے۔ تحریر و تقریر میں ان کا اپنا منفرد انداز تھا اور انہوں نے ایک زمانے کو اس انداز سے مسحور و متاثر کیا۔

مجلس احرار اسلام پاکستان کے قائد اور اپنے احراری نظریات و ثقافت پر پوری استقامت اور ایمانی غیرت کے ساتھ آخر دم تک قائم رہنے کی وجہ سے انہیں ہمیشہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

عقیدۂ ختم نبوت کی تعبیر و تشریح کی بنیاد پر ان تمام اسلام دشمن تحریکوں کے ساتھ انہیں شدید نفرت تھی جنھوں نے مختلف لبادے اوڑھ کر مسلمانوں کے نظریات پر شبخون مارا۔ حافظ جی ان تحریکوں کے چہروں سے نقاب الٹنے میں ساری زندگی مصروف رہے۔

کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر ہمیشہ اور ہر محفل میں کلمۂ حق اور اپنے ضمیر کی آواز بلند کرنے میں وہ مثالی کردار کے حامل تھے۔ عالمی انجمن خدام الدین اور امام الاولیاء حضرت لاہوری و امام الہدی مولانا عبید اللہ انور کے ساتھ انہیں جو عقیدت و محبت تھی اس کا ایک زمانہ گواہ ہے۔ ان کی وفات سے علم و عمل جرات و بے باکی اور ایمانی غیرت و استقامت کا ایک اور چراغ بجھ گیا۔ ان کی وفات سے جو رنج و غم مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں، کارکنوں اور عقیدت مندوں کو ہوا ہے ادارہ خدام الدین اس میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالی انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔

(ہفت روزہ خدام الدین، لاہور، ۳ نومبر ۱۹۹۵ء)

....

موت العالِم موت العالَم

(ماہنامہ شمع ہدایت)

گذشتہ دنوں قائد احرار مولانا سید ابوذر عطاء المنعم بخاری انتقال کر گئے۔ حضرت شاہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی وفات کے بعد انہوں نے مجلس کے علم کو بلند رکھا اور احرار کا وجود ان کے دم خم سے قائم تھا۔ وہ حق گو نڈر اور بیباک شخصیات میں سے تھے، کلمۂ حق منہ پر کہہ دیتے تھے جس مضمون پر بولتے گھنٹوں روانی سے بولتے چلے جاتے۔ نوجوان نسل کی رہنمائی میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا جماعت میر اصولوں کے خود بھی پابند تھے اور دوسروں سے بھی پابندی کراتے تھے، مہمان نوازی، انکساری میں اپنی مثال آپ تھے اور حق تو یہ ہے کہ اپنے والد ماجد کی صحیح تصویر اور نمونہ تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد علمی اور روحانی دنیا میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے پر کرنے میں زمانہ درکار ہے۔

(ماہنامہ شمع ہدایت، بہاولپور، دسمبر ۹۵ء ص ۳)

ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا تاریخ ساز

امیرِ شریعت نمبر (حصہ دوم)

اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کے سوانح و افکار

ایک تاریخ ★ ایک دستاویز ★ ایک داستان ★ خاندانی حالات ★ سیرت کے مجلا اوراق ★ خطابتی معرکے ★ سیاسی تذکرے ★ بزم سے لیکر رزم اور منبر و محراب سے لے کر دار و رسن تک

نصف صدی کے ہنگاموں جہادی معرکوں، تہذیبی محاربوں، مذہبی سازشوں اور علمی محاذ آرائیوں کی فضا میں ایک آواز ہدایت، جو بصیرت حریت اور بغاوت کا سرچشمہ تھی۔

خوبصورت سہ رنگا سرورق 576 صفحات، قیمت 300 روپے

صرف 200 روپے پیشگی منی آرڈر بھیج کر نمبر حاصل کریں۔

ترسیل زر کے لئے: سید محمد کفیل بخاری

مدیر مسؤل، ماہنامہ نقیب ختم نبوت دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان - فون ۵۱۱۹۶۱

مولانا عبدالمجید ندیم

علم و حکمت کی دنیا اداس ہو گئی

ابنِ امیر شریعت علامہ (حافظ عطاء المنعم) سید ابومعاویہ ابوذر بخاری ۲۳ اکتوبر تقریباً نصف شب داعی اجل کو لبیک کہہ کر قید حیات سے نجات پا گئے اور اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کے پاس چل دیئے۔ سید ابوذر بخاری شباہت و جلالت میں اپنے والد کا عکس تھے۔ خود داری اور حمیت دین ان کی فطرت تھی۔ انہوں نے وقت کے بڑے بڑے جابروں اور متکبروں سے آنکھیں چار اور انکے دجل و تلبیس کے پردوں کو تار تار کیا۔ انکی آنکھوں سے میں نے ہمیشہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو جھانکتے ہوئے دیکھا اور انکے چہرے پر امنڈتی ہوئی [illegible]ت سے امیر شریعت کی شوکت کی تنویر محسوس کی۔ بلاشبہ حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کی وفات سے بعد انکی چاہتوں کے اسیر سید ابوذر بخاری کا چہرہ دیکھ کر اپنی دل و نگاہ کی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ جی نے ایک بار تصویر کھینچنے والے سے کہا میری تصویر کیا لیتے ہو، یہ ہے میری تصویر (اور اشارہ کیا اپنے بیٹے ابوذر کی جانب)

وہ اپنے اسلاف کے فقر و غنا کے امین، علم و حکمت کے شناور، متانت و پاکیزگی کا مظہر تھے۔ اپنی ساری امیدیں اپنے رب سے وابستہ کئے ہوئے تھے۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ انہوں نے زندگی بڑے کٹھن مرحلوں اور دل گداز آزمائشوں سے گزر کر بسر کی۔ وہ اگر اپنی نسبت اور دینی حیثیت کو سیاست کی منڈی میں کیش کرانے کا راستہ اختیار کر لیتے تو شاید بڑے سے بڑا منصب انکے قدموں کی دھول بنتا لیکن وہ غیرت مند باپ کا غیور فرزند ثابت ہوا۔ اسے مروجہ سیاست راس نہ آئی۔ اور نہ ہی یہ کسی باضمیر انسان کے بس کا روگ ہے۔ کہ نہ دوستی کا کوئی معیار نہ دشمنی کا۔ بس جس سے مفادات وابستہ ہوئے اسے گلے کا ہار بنا لیا اور جونہی مطلب نکلا، تو کجا من کجا۔

سید ابوذر بخاری (جسے مرحوم لکھتے ہوئے قلم لرزہ براندام ہے) کی تمام ذہنی و فکری استعداد اصحاب و اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں کام آئی۔ اس راہ میں انہوں نے تاریخ کی اتباع کو گمراہی قرار دیا اور باصرار یہ موقف منوانے پر قلم و زبان سے مصروف جہاد رہے کہ حلقۂ رسالت کا محاکمہ تاریخ نہیں کر سکتی۔ یہ حق صرف اللہ کو ہے۔ وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کردہ انسانوں کے قلوب و اذہان کو پرکھے، ٹٹولے اور پھر ان کے STATUS کا تعین کرے، یہ سب کچھ ہو چکا، قرآن نے اللہ کی مرضی، اسکا فیصلہ ہمیں سنا دیا۔ اب ملوکیت کے زیر سایہ عصبیت کے سوداگر مورخین کون ہوتے ہیں اصحاب و اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محاکمہ کرنے والے؟

یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ طبری اور واقدی جیسے سبائیت کے مریض قلمکاروں کے جانبدارانہ تجزیہ کو معیار بنا کر اصحاب و اہلبیت رسول علیہم الرضوان کے متعلق مثبت یا منفی رائے قائم کی جائے۔

کیا اس سلسلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرمودات قابل اعتماد نہیں یا اللہ کی کتاب کی وضاحتیں اطمینان بخش نہیں۔ مجھے سید ابوذر بخاری کا ایک خطاب نہیں بھولتا (ہری پور ہزارہ میں) جب انہوں نے فرمایا

"امت میں کوئی بھی شخص اصحاب و اہلبیت رسول سے زیادہ محترم نہیں، اگر کوئی اپنے خبث باطن کی تسکین کیلئے تاریخ کی آڑ میں حلقۂ رسالت پر تنقید کا کیچڑ اچھالنے کی جسارت کرتا ہے تو ہمارا یہ فرض منصبی ہے کہ ہم قرآن و سنت کی روشنی سے اسکا تعاقب کر کے ثابت کریں کہ اس نے محبت کی نظر سے نہیں بغض و عداوت کی نظر سے دیکھا ہے اور ظاہر ہے کہ محبت کی نظر محاسن دیکھتی ہے اور بغض کی نظر عیب تلاش کرتی ہے۔"

سید ابوذر بخاری ہمارا بہت بڑا فکری سرمایہ تھے اپنی سوچ اور ذوق میں بڑے کھرے اور سچے انسان تھے، جاہ پرستوں اور دنیا کے شیدائیوں میں وہ کبھی فٹ نہیں آئے۔ انکی محفل بڑی ہی زعفرانی اور معطر ہوا کرتی، علمی مباحث، اسلاف کے تذکروں اور قدیم و جدید حالات پر گفتگو کے ساتھ خوش مزاجی و بذلہ سنجی کا ایک سیلاب رواں دواں رہتا تھا، لیکن پچھلے کئی سالوں سے وہ مسلسل جسمانی اور ذہنی انحطاط کا مقابلہ کر رہے تھے، سیال کلینک میں زیر علاج تھے تو میں عیادت کو حاضر ہوا۔ انکے فرزند محمد معاویہ نے دروازہ کھولا کہ وہی انکے آخری دنوں کے انیس و غمگسار تھے۔ بیڈ پر عصرِ حاضر کے محقق اعظم کی تنہائی اور چہرے پر شریفانہ سکوت نے مار ڈالا۔ میں بے ساختہ رو دیا، اور دیر تک روتا رہا۔ واقعی یہ دنیا باضمیر انسانوں کیلئے قید خانہ ہے۔ سید صاحب میری آزردگی اور قلق کو سمجھتے تو کیا مشاہدہ ہو گیا، وہ خاود بھی اشکبار ہو گئے، خیریت پوچھتے رہے، فرمایا دیر سے آئے ہو کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا ملک سے باہر تھا۔

صاف نظر آرہا تھا، اب یہ شخص تا دیر شاید ہمارا ساتھ نہ دے سکے۔ روانگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر آخری ملاقات گھر پہ ہوئی۔ محمد معاویہ سلمہ مجھے اندر لے گئے۔ اب تو بڑی دل خراش صورت حال تھی، بولنا مشکل تھا۔ علالت و نقاہت نے سارے مرحلے طے کر لئے تھے۔ اشاروں اور آنسوؤں سے اپنی بے بسی و ناتوانی بیان کی، میں دیر تک نہ بیٹھ سکا، ماتھا چوما، اور شجاعت و استقامت کے اس کوہ گراں کو فی امان اللہ کہہ کر نکل آیا۔ رقت کی کیفیت دیر تک طاری رہی۔ مجھ سے حضرت امیر شریعت کی متحرک تصویر کی خاموشی دیکھی نہ گئی۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کشمیر کے دورہ سے راولپنڈی پہنچا تو گھر والوں نے فون کر کے بتایا کہ سید ابوذر بخاری اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بڑی جدوجہد کے بعد ۹ بجے صبح کے جہاز سے سیٹ بک ہوئی اور ملتان پہنچکر مسلم ہائی سکول کے گراؤنڈ میں ہزاروں غم کے ماروں کے ہجوم میں نماز جنازہ پڑھی۔ آج پھر کوئی کہہ گیا

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

"ماہنامہ الوعد الحق" ملتان

مولانا محمد ازہر، مدیر ماہنامہ الخیر (ملتان)

جانشین امیر شریعت کی رحلت

بجھی شمع تنویر گم ہو گئی
بخاری کی تصویر گم ہو گئی

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء پیر اور منگل کی درمیانی شب دس بج کر چالیس منٹ پر جانشین امیر شریعت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری طویل علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ، ملک کے ان جلیل القدر علماء میں سے تھے جنہوں نے ساری عمر فتنوں کے خلاف حق کے دفاع میں گزاری اور حیات مستعار کی تمام توانائیاں اسی مقصد جلیل میں صرف کر دیں، فتنۂ قادیانیت ہو یا اباحیت، لادین جمہوریت ہو یا کمیونزم، اسلاف بیزاری ہو یا تحقیق کے نام سے حضرات صحابہ کرام پر تنقید و تشنیع، حضرت شاہ صاحب نے ہر فتنہ کا تعاقب کیا اور استدلال و استناد کی دنیا میں ان تمام فتنوں کے تار و پود بکھیر دیئے۔ لیکن شیعیت و رافضیت ان کا خاص موضوع تھا، جس پر ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ فطری تہور و شجاعت، موروثی خطابت، وہبی علم و فضل، دینی غیرت و حمیت اور سیرت رسول و اصحاب رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بولتے ہوئے محبت و عقیدت کے پاکیزہ جذبات ان کی تقریر کو ''سحر مباح'' بنا دیتے تھے۔

پھر دیکھیے انداز گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

شاہ صاحب کی طرح ان کے سامعین بھی ان کے پانچ پانچ چھے چھے گھنٹوں کے طویل علمی خطاب بلا تکان سنتے اور سر دھنتے۔

شاہ صاحب نے عصر حاضر میں صحابہ کرام کی تقدیس و تعدیل کو مجروح کرنے والے بدبخت گروہ کے تعاقب کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ وہ حضرات صحابہ کرام کے تقدس و عدالت کو صرف جذبات و عقیدت کا مسئلہ نہ سمجھتے تھے بلکہ پوری شریعت اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کا معیار قرار دیتے تھے۔ اس مسئلہ میں وہ اس قدر حساس تھے کہ غیر تو غیر اگر اپنوں میں بھی کسی مرحلہ پر مسامحت یا مصلحت اندیشی محسوس کرتے تو تمام مصالح کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنا مسلک و نظریہ برملا بیان فرما دیتے ایسے مواقع پر وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے اور حق یہ ہے کہ یہ انہیں ہی زیب دیتا تھا کہ

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

ناموس و مقام صحابہ کرام کے بارے میں حضرت شاہ صاحب حساس ضرور تھے۔ لیکن مشاجرات صحابہؓ کے باب میں کوئی غیر محتاط جملہ انکی زبان سے نہیں سنا گیا جو جمہور امت کے مسلک و موقف سے مطابقت نہ رکھتا ہو وہ قلباً و ذہناً مسلک جمہور ہی کے پابند تھے اور اسے ہی وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک نجی مجلس میں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا کہ "تمام عمر کے تجربہ کے بعد یہ حاصل ہوا ہے کہ عافیت و نجات جمہور ہی کے مسلک میں ہے۔

حضرت شاہ صاحب خطابت و سحر انگیزی کی طرح تقوی و تدین اور سلوک و تصوف میں بھی اپنے والد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کے جانشین تھے۔ ہمارے مخدوم و مکرم سیدی حضرت نفیس الحسینی مدظلہ، راوی ہیں کہ حضرت امیر شریعت کے آخری ایام میں مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے عرض کیا کہ آپ مولانا ابوذر صاحب کو اپنا جانشین نامزد فرمادیں تو حضرت امیر شریعت نے ازراہِ ادب و انکسار فرمایا کہ یہ اجازت رائے پور سے ہونی چاہیئے۔ جب یہ روایت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ تک پہنچی تو انہوں نے حضرت شاہ صاحب کو چاروں سلسلوں میں مجاز فرما کر حضرت امیر شریعت کی تمنا پوری فرما دی۔ رائے پوری دربار سے یہ اجازت حضرت شاہ صاحب کے لئے سعادت کبریٰ اور دلیل حسن قبول ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے آخری چار سال شدید علالت میں گزرے۔ بیماری کے شدائد انہوں نے ایک صابر و شاکر بندے کی طرح برداشت کئے۔ آخر میں فالج کے حملے نے پیوند بستر کر دیا مگر صبر و برداشت اور تسلیم و رضا کے خلاف کوئی کلمہ انکی زبان سے کبھی نہ نکلا، بلکہ آخری ایام میں حب اہل بیت و حب اصحاب رسول علیہم الصلوۃ والسلام کا غلبہ ہو گیا تھا، عام طور پر انہی حضرات قدسی صفات کا تذکرہ فرماتے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ بیماری کا یہ سلسلہ چلتا رہا، تیمارداروں نے اپنی ساری کوششیں کر دیکھیں، بالاخر وقت موعود آپہنچا اور عظیم باپ کے عظیم فرزند نے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین متین کی تبلیغ واشاعت اور ناموس و عزت صحابہ کے تحفظ و دفاع میں اپنی زندگی دے دی۔

حضرت شاہ صاحب مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے ممتاز و محبوب تلامذہ اور خیرالمدارس کے جلیل القدر فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت مولانا کو شاہ صاحب کے ساتھ اگر محبت و شفقت اور تربیت و سرپرستی کا تعلق تھا تو شاہ صاحب استاد محترم کے غایت درجہ ادب و احترام اور عقیدت و کفش برداری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ حضرت بانی جامعہ قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت شاہ صاحب نے محبت و احترام کا یہی معاملہ مخدوم الصلحاء حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری قدس سرہ سے رکھا اور اب جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم سے بھی ان کا تعلق گزشتہ دور خیر و شرافت کی یاد تازہ کرتا تھا۔

آپ کے وصال کی خبر پر جامعہ خیرالمدارس میں حسب معمول ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ جامعہ

کے تمام اساتذہ کرام اور طلباء عزیز نے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی، غسل اور تجہیز و تکفین کے مراحل حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری، مولانا سید عطاء المومن بخاری، عزیز القدر حافظ محمد معاویہ اور حافظ محمد مغیرہ سلمہا اللہ تعالیٰ نے مکمل فرمائے۔ ان حضرات نے ازراہ شفقت و محبت احقر راقم السطور اور برادرم عبدالمنان صاحب کو بھی اس میں شرکت کی اجازت وسعادت بخشی۔

غسل کے بعد چہرے پر رونق و معصومیت دیدنی تھی، ضعف اور مرض کے شدائد کا کوئی اثر چہرے پر نہ تھا بلکہ شاداب و پررونق چہرے کے گرد نور کا غیر مرئی ہالہ محسوس ہوتا تھا..... ۲۴ اکتوبر کو بعد از عصر سپورٹس گراؤنڈ ملتان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ میں ہزار ہا علماء صلحاء حفاظ اور متدین و متشرع مسلمان شریک ہوئے۔ دین کے ایک بے غرض خادم، سچے داعی اور ناموس صحابہ کے لئے زندگی وقف کر دینے والے کی نماز جنازہ میں خلق خدا کا بے پناہ ہجوم کارکنان قدرت کے اس خاموش حکم کی تعمیل تھی کہ

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

نماز جنازہ حضرت شاہ صاحب کی وصیت کے مطابق جامعہ کے صدر مفتی، استاد مکرم حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب زید مجدہم نے پڑھائی۔

اور مغرب کے قریب انہیں قبرستان جلال باقری میں اپنے والد اور والدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اللهم اكرم نزله و وسع مدخله وابدله داراً خير من داره واهلا خيراً من اهله ونقه من الخطايا كماينقى الثوب الابيض من الدنس وبلغ الدرجات العلى من الجنة۔ آمین!

ہم حضرت شاہ صاحب کے تمام اعزہ و اقرباء متعلقین و احباب سے دلی تعزیت کرتے ہیں بلکہ اس حادثہ جانکاہ پر ہم خود اہل خیرالمدارس تعزیت کے مستحق ہیں، بالخصوص احقر راقم السطور اور میرے برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہم کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے تعلق خاطر اور محبت و شفقت نے اس صدمہ کو بالکل ذاتی غم بنا دیا ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کے پسماندگان بالخصوص مولانا سید عطاء المحسن بخاری، مولانا سید عطاء المومن بخاری، قاری سید عطاء المہیمن بخاری، صاحبزادگان حافظ سید محمد معاویہ بخاری، حافظ سید محمد مغیرہ بخاری، انکے خواہر زادگان حافظ محمد کفیل بخاری، عزیزم محمد ذوالکفل بخاری اور سیدہ ام معاویہ اور سیدہ ام کفیل بخاری کو اس جانکاہ حادثہ پر صبر جمیل عطاء فرمائیں۔ حضرت شاہ صاحب کو اعلیٰ علیین میں اپنے اسلاف کے ساتھ جمع فرمائیں اور سب کو اپنی شایان شان رحمتوں اور رفعتوں سے نوازیں۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

سید ابوذر بخاری کا سانحہ ارتحال

ماہنامہ صوت الاسلام، فیصل آباد، نومبر ۱۹۹۵ء

پاکستان کے متبحر اور جید عالم دین، عربی، اردو، فارسی کے قادر الکلام شاعر، صاحب طرز ادیب اور فکر انگیز خطیب ابن امیر شریعت علامہ سید عطاء المنعم ابوذر بخاری ۲۷-۲۸ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ ۲۳-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء پیر اور منگل کی درمیانی شب قریباً پونے گیارہ بجے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سید ابوذر بخاری عظیم المرتبت والد ماجد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند اکبر تھے، ان کی شخصی عظمت اور ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا علمی حلقے میں باحترام ... جاتا ہے۔ سید ابوذر بخاری کی تحریر و انشاء اور نثر مولانا ابوالکلام آزاد کی آئینہ دار تھی، وہی الفاظ کا شکوہ، معلومات کی وسعت اور افکار کی گہرائی و گیرائی تھی۔ حتیٰ کہ انداز تحریر میں بعض جگہ رسم الخط مولانا آزاد ہی کا اختیار کرتے تھے۔

حضرت امیر شریعت جس طرح تقریر و خطابت میں منفرد و یگانہ تھے اسی طرح ان کے فرزند سید ابوذر بخاری بھی تحریر و خطابت میں انفرادیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی اعلیٰ اور کمال صلاحیتوں سے متصف کیا تھا، علم و ادب کے ساتھ ساتھ وہ دینی سیاست کے صحیح شعور کے حامل تھے، نہایت مرنجاں مرنج طبیعت کی باغ و بہار شخصیت کا داغ مفارقت واقعی بہت بڑے صدمے کا موجب ہے۔

سید ابوذر بخاری نے کتاب و سنت کی روشنی میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور قادیانیت، اعداء صحابہ اور تمام باطل تحریکات کے رد میں گراں قدر اور لائق تحسین خدمات انجام دی ہیں، ان کی علمی تحقیق امت مسلمہ کا قیمتی اثاثہ ہے، جسکی اشاعت کا اہتمام امت مسلمہ خصوصاً باشندگان پاکستان کا دینی فریضہ ہے۔ سید ابوذر بخاری کی وفات سے پاکستان ایک بلند پایہ اور ممتاز علمی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سید ابوذر بخاری کی مغفرت کر کے جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و استقامت کی توفیق سے نوازے۔ آمین (مولانا مجاہد الحسینی)

وفیات

(۱) حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے جانشین، عظیم مصنف اور عالم با عمل سید عطاء المنعم شاہ بخاری طویل علالت کے بعد ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرما گئے۔ مرحوم کا شمار بلاشبہ ان علماء میں ہوتا تھا جو اسلاف کی یادگار ہیں۔ ان کی زندگی جہد مسلسل کا نام تھی۔ انہوں نے کئی مدارس قائم کیے، کئی رسائل جاری کئے، کئی اداروں کی بنیاد رکھی، انہیں بیک وقت شعر و نثر، وعظ و خطابت اور تعلیم و تدریس میں مہارت حاصل تھی۔ وہ سات سال تک مجلس احرار اسلام کے امیر رہے، تحفظ ختم نبوت اور دفاع صحابہ کے سلسلے میں ان کی خدمات بے مثال ہیں۔

وہ سلاسل اربعہ میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ کے مجاز تھے، ان کے انتقال

سے بہت بڑی مسند خالی ہو گئی ہے۔

ادارہ الاشرف حضرت شاہ صاحب کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے آمین۔ (ماہنامہ الاشرف، کراچی، دسمبر ۱۹۹۵ء)

مولانا سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالی کے فرزند و جانشین اور مجلس احرار اسلام کے قائد حضرت مولانا سید ابوذر عطاء المنعم شاہ بخاری طویل علالت کے بعد گزشتہ دنوں ملتان میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم، حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ تعالی کے علمی و فکری جانشین تھے اور بلند پایہ عالم دین، دانش ور، صاحب قلم اور منجھے ہوئے خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عظیم باپ کی وضعداری، فقر و استغناء اور حق گوئی کی روایات کے بھی امین تھے جو کساد بازاری کے اس دور میں جنس نایاب ہوتی جا رہی ہے۔ مولانا سید ابوذر بخاری جو "حافظ جی" کے نام سے معروف تھے، مطالعہ اور معلومات کے حوالے سے اپنے دور کے چند گنے چنے افراد میں شمار ہوتے تھے، وہ کسی موضوع پر گفتگو کرتے تو گھنٹوں بے تکان بولتے چلے جاتے اور مستند معلومات کا انبار لگا دیتے، ان کی مجلس میں کبھی تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تو مجلس سے اٹھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا جیسے کسی بڑی لائبریری میں کچھ وقت گزار کر آئے ہیں۔ بے رحم سیاست کی آکاس بیل ان کی شخصیت کے گرد حصار قائم نہ کر لیتی تو قحط الرجال کے اس دور میں وہ اہل علم کے لئے استفادہ اور راہ نمائی کا ایک بڑا مرکز اور مرجع ہوتے۔ مگر حوادث زمانہ کے تسلسل نے انہیں گوشہ نشینی اور علالت کی دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ حافظ جی کی وفات صرف بخاری خاندان اور مجلس احرار اسلام کے کارکنوں کے لئے نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے باعث رنج و غم ہے جو علم دوستی، وضع داری اور بے باکی کی قدروں سے شناسائی رکھتا ہے۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور ان کے اہل خاندان اور عقیدت مندوں کو صبر و حوصلہ عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

ماہنامہ الشریعۃ گوجرانوالہ نومبر ۹۵ء

حق مغفرت کرے

حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو دیکھنے، سننے اور جاننے والے ابھی بے شمار ہیں۔ اور جو آں مرحوم کو جانتے ہیں ان میں شاید ہی کوئی جو برصغیر ہند کے مسلمانوں پر، بلکہ سچ یہ ہے کہ بلا کسی تفریق کے برصغیر کی

پوری آبادی پر، ان کا حق ماننے سے انکاری ہو۔ شاہ جی مرحوم نے جس طرح اپنی پوری زندگی ملک اور ملت پر نثار کی اس کی کوئی دوسری شاید مثال ان کے ہمعصروں میں نہیں ہے اور ان کے جو خاص کمالات تھے اس میں بھی وہ لاثانی ہی رہے۔ یعنی خطابت اور انتھک پن اور اپنی خطابت کے ذریعہ پوری زندگی کی انتھک خدمت کا کوئی صلہ نہ صرف یہ کہ آں مرحوم نے خود حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ وہ جس قوم میں پیدا ہوئے تھے اس نے صرف اس بات کی سزا میں کہ وہ پاکستان بننے کی صورت میں مسلمانانِ ہند کا نفع کم اور نقصان زیادہ سمجھتے تھے۔ انہیں بیمار بڑھاپے میں بھی کسی خدمت کا اور اعتراف خدمت کا حق دار نہ سمجھ کر کسی صلے سے ملوث کئے بغیر ہی اس دنیا سے اٹھ جانے کا موقع دیدیا۔ انہی شاہ جی مرحوم کے فرزند اکبر مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری تھے جن کی علالت (فالج کے اثرات) کی خبر کئی ماہ سے خانوادہ بخاری کے ماہنامہ نقیب ختم نبوت (ملتان) میں آرہی تھی۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۸۵ء کو اپنے والد مرحوم ہی کی راہ پر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ اور شاہ جی مرحوم کے لئے ان کی اسلامی خدمات اور خاص کر دربارِ رسالت سے ان کے فدائیانہ لگاؤ اور ختم نبوت کے تحفظ میں ان کی مجاہدانہ تب و تاب کے طفیل جو بلند درجات قبول اللہ کے یہاں ان کے واسطے مقدر ہوئے ہوں اس کا فیض اللہ کے اپنے بیان کردہ قانون کرم کے مطابق ان کے مرحوم فرزند کے حصہ میں بھی آئے۔

معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کا اصل نام سید عطاء المنعم تھا۔ مگر ردِ شیعیت کے ذوق میں انھوں نے اپنے لئے یہ "ابومعاویہ ابوذر" نام پسند کر لیا تھا۔ اور اس لحاظ سے انھیں اپنی سادا تیت میں فردِ فرید ہی کہنا پڑے گا۔ اور یہ جیسے دل گردے کی علامت ہے اس کے لحاظ سے وہ صاحب جرأت ہونے میں یقیناً اپنے والد ماجد کے خلف الصدق تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کاملہ سے نوازے اور پسماندگان کو اجر سے۔

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بھارت، جنوری ۱۹۹۶ء ص ۴۷)

یادرفتگان:

دوماہ کے اس عرصہ میں کئی اہم اور قابلِ ذکر شخصیات کا ہماری اس دارِ فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ ہوا، ان میں سب سے اہم شخصیت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری ولد امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمھم اللہ کی ہے۔ وقت اور صفحات کی تنگی کی وجہ سے اس جگہ نہ شاہ مرحوم کے بارہ میں کچھ تفصیل سے لکھا جاسکتا ہے، نہ ہی دوسرے مرحومین کے سلسلہ میں، شاہ صاحب مرحوم کے سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہونے کا انھوں نے اس طرح حق ادا کردیا کہ اگر باپ نے تحفظ ناموس رسالت پر سب کچھ قربان کردیا تو بیٹے نے تحفظ ناموس صحابہ کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے کر اپنی ساری توانائیاں اس پر صرف کردیں۔ وکفیٰ بہ فخروا بتھاجا

ماہنامہ "البدر" کاکوری، انڈیا دسمبر، جنوری ۹۶، ۱۹۹۵ء مولانا عبدالعلی فاروقی

سید عطاء المنعم رحمہ اللہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سب سے بڑے فرزند سید عطاء المنعم بھی پچھلے دنوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ کئی ماہ سے صاحب فراش تھے۔ بڑھاپے کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے عوارض نے انہیں گھیر رکھا تھا کہ وقت موعود آن پہنچا۔

کس کی بنی ہے عالم ناپائیدار میں۔ مرحوم عالم باعمل تھے، تقویٰ، طہارت، تدین اور اکل حلال میں اپنے والد محترم کے صحیح جانشین بھی تھے۔ مجلس احرار کے ساتھ وابستگی کے ساتھ ساتھ تمام عمر اخلاص کے ساتھ تبلیغ دین میں کوشاں رہے۔ جھوٹے مدعیٔ نبوت کا تعاقب ان کی زندگی کا مشن تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ ادارۂ "التجوید" اس دعاء کے ساتھ ساتھ ملکی پریس اور اخبارات پر افسوس کناں ہے کہ کسی کو مرحوم کے بارے میں چند سطور لکھنا تو کجا خبر تک شائع کرنے کی بھی توفیق نہ ملی۔

(ماہنامہ التجوید فیصل آباد، دسمبر ۱۹۹۵ء)

✻

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

ایک چراغ اور بجھا

مولانا سید عطاء المنعم بخاری (جو سید ابوذر بخاری کے نام سے معروف ہیں) ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی شام ۱۲ بجے ملتان میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ایک جید عالم تھے اور شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ سید صاحب نے حفظ قرآن کے بعد درس نظامی کی تکمیل مدرسہ خیر المدارس ملتان میں کی۔ وہ کچھ عرصہ خیر المدارس میں پڑھاتے بھی رہے اور اپنے استاد مولانا خیر محمد سے جو اپنے وقت کے ممتاز عالم اور عارف باللہ تھے، روحانی تربیت بھی حاصل کرتے رہے۔ درس و تدریس کے بعد انہوں نے قلم و قرطاس کی صحبت اختیار کی، سہ روزہ اخبار "مزدور" اور سہ ماہی "مستقبل" جاری کیا۔ ان پرچوں کے ناموں ہی سے ان کے ذہنی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ جاگیرداری اور سرمایہ پرستی کو احرار ذہن نے کبھی قبول نہیں کیا۔ رسالہ "الاحرار" بھی ان کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ ہر چند وہ فن خطابت میں اپنے مرحوم والد کے ہمسر نہیں تھے، لیکن غیرت و حمیت اور فقر و استغناء میں اپنے والد کے صحیح جانشین تھے۔ انہیں شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ان کی رگوں میں ایک درویش خدامست، صاحب جنوں اور مجاہد باپ کا خون دوڑ رہا ہے، اس احساس نے ان کی معنوی شخصیت کے خدوخال سنوارنے میں بڑی مدد دی اور زندگی کے کسی موڑ پر بھی انہوں نے "فقیہ مصلحت بین" کا روپ اختیار نہیں کیا۔ یہ

ٹھیک ہے کہ وہ فن خطابت میں اپنے والد کے ہمسر نہیں تھے، لیکن علم و ادب میں وہ یقیناً اپنے والد سے آگے تھے۔ جہاں تک فن خطابت کا تعلق ہے، تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس میدان میں خود مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنا کوئی حریف نہیں دیکھا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ برصغیر کی جدید تاریخ نے اردو زبان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسا آتش نفس اور جادو بیان خطیب پیدا نہیں کیا، مرحوم مولانا محمد علی جوہر، شاہ جی کو پنجاب کا جادو گر کہا کرتے تھے۔ بلاشبہ برصغیر کے مسلم معاشرے نے اردو کے بڑے بڑے نامور مقرر پیدا کئے، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر محمد اشرف، حفظ الرحمان سیوہاروی، نواب بہادر یار جنگ، مولانا شبیر احمد عثمانی، قاری محمد طیب، سرشاہ سلیمان، جیسے لوگوں کے نام آج بھی زمانہ کے کان میں گونج رہے ہیں، ان میں سے اکثر کو دیکھنے اور سننے کا خاکسار کو شرف بھی حاصل ہے، لیکن عوامی سطح پر عطاء اللہ شاہ جیسا وجیہ، خوب صورت چہرہ اور جادو بیاں زبان، جس سے موسم بہار میں گل ولالہ کے پھول جھڑتے اور دل پر محن کا دھواں اٹھتا، راقم نے نہیں دیکھی۔ فرصت میں ہم شاہ صاحب پر تفصیل سے لکھیں گے۔

ان سے خاکسار کا تعلق بہت پرانا ہے، ہم دونوں شرح جامی، کنزالدقائق اور اصول الشاشی کے دروس میں اکٹھے تھے، ایسے ہی ہم دونوں مرحوم مولانا خیر محمد کے، اور مولانا محمد عبداللہ کے شاگرد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان یا لاہور میں ان سے ملنا رہتا۔ ہمیں دکھ ہے کہ وقت نے انہیں جس علم و فضل سے نوازا تھا، اس علم و فضل سے استفادہ کے لئے وقت نے انہیں سازگار ماحول فراہم نہیں کیا۔ پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ شاہ صاحب کے سفر آخرت کی خبر ملی، اس لئے جلدی میں ان پر تفصیل سے نہیں لکھا جاسکا۔ ہم خدا سے دعاگو ہیں کہ وہ سید صاحب مرحوم کے اہل و عیال کو صبر و تحمل سے نوازے۔

(المعارف لاہور ص ۲۳ دسمبر ۱۹۹۵ء)

گستاخ رسول۔ اور۔ گستاخ صحابہ۔ کی سزا۔

نبیؐ۔ علیہ السلام کی ترجمانی۔ علیؓ رضی اللہ عنہ کی۔ زبانی

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

عَنْ عَلِیٍّ۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَبَّ الْأَنْبِیَاءَ؟ قُتِلَ۔! وَ مَنْ سَبَّ أَصْحَابِی؟ جُلِدَ!

رَوَاہُ الطَّبَرَانِی۔ اَلصَّوَاعِقُ الْمُحْرِقَۃُ لِلشَّیْخِ ابْنِ حَجَرِ الْھَیْتَمِیِّ الْمَکِّیِّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ
ص: ۲، طبع مصر

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو برا کہے؟ اُس کو قتل کر دیا جائے! اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے۔؟ اُس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے۔!

صلہ جہادِ آزادی

بد دیانت مؤرخوں نے ان مجاہدینِ آزادی کو یکسر فراموش کر دیا جن کے عزم و عمل نے سیاسی گزر گاہوں میں اسلام کی عظمت کے چراغ روشن کر کے قوم کو آزادی کی منزل تک پہنچایا۔ افسوس! آج وہی لوگ قوم کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے۔ ان پر ہر وہ جھوٹ بولا اور ہر وہ افتراء باندھا گیا جسے سن کر.........

مہر و وفا کانپے، زمیں لرزی، فلک تھرا گیا

ان کی قربانیاں راکھ ہو گئیں
ان کی استقامت پر تبریٰ تولا گیا
ان کی عظمت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی
ان کی ہڈیوں کو سوکھی لکڑی کی طرح جلا دیا گیا

ان کے خلوص پر شک کیا گیا، ان کے جذبوں کا مذاق اڑایا گیا اور ان کی محنت کو دولت اور جاگیر کے عوض فروخت کر دیا گیا۔ دجل و دروغ کی سیاست گاہ میں ان کی آواز اس صدا کی طرح ہو گئی جو صحراؤں میں بلند ہو کر ریت کے تودوں میں اتر جاتی ہے۔ وہ لوگ احساسات کی قبر میں لیٹ گئے اور ان کی جگہ ایسے افراد نے لے لی جنھوں نے شہیدوں اور مجاہدوں کے خون کو غازہ اور ہڈیوں کو سہرے کا پھول بنا لیا۔ یہاں تک کہ مجاہدینِ آزادی کے وجود کا چراغ گل ہو گیا۔ ان کی جگہ سیاسی مجاور آ گئے جو آج بھی غلامی کا کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں............ع

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

(جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ)

سیّد عطاءالمحسن بخاری

"قائد احرار"

(بنام جانشینِ امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللّٰہ علیہ)

سرفروشوں کے لیئے ہے مرکز افکار تو — پیکر علم و عمل اور زُبدۂ اخیار تُو
ابن میر وہم وزیر و کاشف اسرار تو — تیرا دشمن روسیہ اور مطلع انوار تُو
رائے پوری اور بخاری سے ملا ہے تجھ کو فیض — ان کی صحبت کے ثمر سے وارث ابرار تُو
حرات شیخ و حبیب اور فکر افضل حق وتاج — منعکس تجھ میں ہیں اور ہے موجب افخار تُو

حلقہ احرار کا ہر فرد ہے تیرا رفیق
معشر احرار تجھ سے قائد احرار تُو

طالب حجازی مرحوم

"پیام نو"

(سید ابوذر بخاری کے نام)

اندھیرا کریں دور بزم جہاں سے — کہ آفاق روشن ہو سوزنہاں سے
ہم آتش نوائی سے وہ کام لیں گے — جو سر ہو سکے گا نہ تیغ وسناں سے
ہمارا پیام حقیقت یقیناً — جگائے گا مشرق کو خواب گراں سے
اڑا دیں گے تفریقِ خواجہ و بندہ — یہ لعنت مٹا دیں گے سارے جہاں سے
توپوں نہ تیروں سے مرعوب ہونگے — ہلا دیں گے دنیا صدائے اذاں سے
چلائیں گے دستور اسلام طالب — جو اعلیٰ و برتر ہے سارے جہاں سے

صداقت، عدالت، مروت، شجاعت
کریں گے اسی سے جہاں کی امامت

(۱۹۵۶ء)

۱۔مرشد احرار وبخاری حضرت قطب العصر مولانا الشیخ شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ، ۲۔ حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ، ۳۔ حضرت شیخ حسام الدینؒ، ۴۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، ۵۔ جناب چودھری افضل حقؒ، ۶۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ

سہیل جالندھری

حضرت سید ابوذر بخاری کی گرفتاری کی خبر پڑھ کر!

کر دی آئین پرستوں نے یہ تہدیداب کے
گائیں مت ایل وہن نغمہ توحید اب کے

لیکن اب مرد قلندر اٹھا بے باکانہ
کر گیا جبر کے تسلیم کی تردید اب کے

نعرہ زن ہے کہ چلو دارورسن سے کھیلیں
حق پرستوں کے لئے آہی گئی عید اب کے

پھر وہی طوق و سلاسل زیور وہی شیر
پھر سے یوں رسم کہن کی ہوئی تجدید اب کے

مسندِ سیدِ احرار پہ بوذر ہے، سہیل
چومنے آتے ہیں پاؤں مہ و خورشید اب کے

(۱۹۶۲ء)

باقر جامی

سپاس عقیدت

(بخدمت سید ابومعاویہ ابوذربخاری)

بحر طوفان خیز کے مانند ہے تیرا خطاب
صورت برق تپاق ہے تیرے دل کا اضطراب

ملت بیضاء کا غم سر گرم رکھتا ہے تجھے
شعلہ ریزی بیاں بھی اس لئے زیر عتاب

گلشن اسلام میں نغمہ سراتو ہیں بہت
ہم صفیروں میں مگر تیرا نہیں کوئی جواب

رہبری کے روپ میں ہے رہزنی جن کا شعار
ان سیہ بختوں کے رخ سے تو نے الٹی ہے نقاب

خرمن باطل پہ جس دم آگ برساتا ہے تو
قابل صد دید ہوتا ہے عدو کا پیچ وتاب

ہے غنیمت بے ریاء اس دور میں تیرا وجود
تو وطن کی آبرو ہے اور دین کی آب وتاب

مرزا محمد حسن چغتائی مرحوم
(سابق امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

"بخاری کا فرزند"

بخاری کے فرزند بوذر کو دیکھو — شجاعت کا پیکر، سیاست کا ماہر
علوم شریعت کا رہوار ہے وہ — وجاہت بزرگوں کی چہرہ سے ظاہر
خطابت میں اس کا نہیں کوئی ثانی — اثر اس کا ایسا کہ جیسے ہو ساحر
بُتِ کادیانی کا وہ سخت دشمن — کہ ہیبت سے اس کی ہے لرزندہ "ناصر"
روایات احرار کا ہے امیں وہ — رگوں میں ہے اسکی رواں خون طاہر

صحابہ کے دشمن ہوں یا اہل بدعت
سبھی اس کی یلغار سے مردہ خاطر

*

سید امین گیلانی

سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ

بخاری کا بیٹا ابوذر بخاری — برنگِ ابوذرؓ کٹی عمر ساری
وہی سادگی تھی وہی بے نیازی — وہی حق شناسی وہی حق شعاری
وہی دینِ حق کے لئے گرم جوشی — وہی سرفروشی، وہی جاں سپاری
نظر میں رہے ہیچ سب میر و سلطاں — رہا وہ خدا ہی کے در کا بھکاری
وہ عالم وہ فاضل وہ دیں کا مبلغ — وہ قرآں کا حافظ وہ قرآں کا قاری
وہ اسلام کا تھا بہادر سپاہی — لگاتا رہا کفر پر ضربِ کاری
نبی کی شفاعت سے وہ بہرہ ور ہو — کرے اس پہ فضل و کرم ربِّ باری
طبیعت تھی اس کی بڑی صاف واضح — عدو سے عداوت تھی یاروں سے یاری

امیں دشمنوں کے لئے تھا وہ آتش
اور اپنوں میں تھا مثلِ بادِ بہاری

سید محمد یونس بخاری

مثیلِ بوذر

مرے قبیلے کی رسم مہر و وفا کا پیکر
مرے بزرگوں کے ذکر و فکر خفی جلی کا عظیم وارث
وہ قرنِ اوّل کی عظمتوں کا حسین پرتو
جہانِ علم و عمل کا مہرِ منیر لوگو
وہ ہمت و عزم کا ہمالہ
وہ دانش و [illegible]الہ
وہ حلم کی رفعتوں کا ہالہ
شبِ سیہ میں وہ اک اجالا
مؤیدِ دینِ حق تعالیٰ
وہ ایک درویش ابنِ درویش
جلوتوں میں فلاحِ اُمّت تراشتا تھا
تو خلوتوں میں حقیقتوں کو تلاشتا تھا
وہ کاروانِ وفا و صدق و صفا کا نوشہ
وہ جرأتوں کا، جہانِ جہد و غزیٰ کا نغمہ
نبی کے یاروں تمام پیاروں سے پیار کرتا
وہ دامنِ دشمن ہی تار تار کرتا
وہ جدّ و آب کی تمام کیفیتوں کا مظہر
وہ بزمِ عشاقِ سرورِ دیں کا میر و محور
میں اس پہ نازاں مرا برادر رخِ منور
وہ میری دنیا کو چھوڑ کر اب
جہانِ نو کا مکیں ہوا ہے
مکینِ خلدِ بریں ہوا ہے

مرا برادر بہ نامِ بوذر مثیلِ بوذر
میں اسکی فرقت میں مضطرب ہوں
میں ایسا ہلکان ہو رہا ہوں
جو اپنی قسمت پہ ناز کرتا تھا
اپنی قسمت پہ رو رہا ہوں

(۲۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء ملتان)

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان نومبر ۱۹۹۵ء از ۳ تا ۱۳)

سید محمد یونس بخاری

بیادِ سید ابوذر بخاری

حلقۂ یاراں غریب ہے

بادِ خزاں کے شور کو سمجھا نہ تُو نہ میں برقِ تپاں کے زور کو سمجھا نہ تُو نہ میں
اے دوست اضطرابِ مسلسل کے باوجود اس نا رسیدہ دور کو سمجھا نہ تُو نہ میں
دشتِ وفا میں دھوپ کی شدت عجیب ہے
اس بار رنج و غم کی جراحت عجیب ہے
وحشت سی ہو رہی ہے دلِ شعلہ کار کو بوذر کا ہجر آگ لگائے بہار کو
الجھا ہوا ہوں ظلمتِ زندانِ یاد میں کیونکر ملے قرار دلِ بے قرار کو
لاؤں کہاں سے حسن کے نقش و نگار وہ
اب تو نہیں ملے گا شجر سایہ دار وہ
وہ میرے گھر میں نور کا ہالہ تھا دوستو عرفان و آگہی کا ہمالہ تھا دوستو
علم و عمل کا مہرِ جہانتاب بالیقیں صحنِ چمن کا خوش نظر لالہ تھا دوستو
میرے لئے تھا مژدۂ تسکینِ قلب و جاں
اس کا وجود باعثِ تزئینِ گلستاں
ہو کر حضورِ عشقِ رسالت میں بار یاب اصحابِ مصطفٰے کی محبت سے فیضیاب
بے رنگیٔ حیات کی تلخی کے باوجود تشنہ لبی کے کرب سے نکلا وہ کامیاب
موتی پرو پرو کے گریباں کے تار میں
میں ڈھونڈتا ہوں اسکو دلِ بے قرار میں
اے حسنِ تابدار بتا دے کہاں ہے تو؟ اے شخصِ کا مگار بتادے کہاں ہے تُو!
اے تیغِ تیز دھار بتادے کہاں ہے تو؟ اے میرے غمگسار بتادے کہاں ہے تُو؟
لیکن یہ میری آرزو بھی غم نصیب
تیرے بغیر حلقۂ یاراں غریب ہے

(۲۴/اکتوبر ۱۹۹۶ء لاہور، یومِ وصال حضرت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ)

یہ محمد طلحہ گیلانی، کراچی

سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ

وہ اک قرآن خود اس پر خوش الحانی ابوذر کی
کہ قدر اس عہد نے کچھ بھی نہ پہچانی ابوذر کی
وہ نکتہ سنجیاں اس کی فصاحت بھی بلاغت بھی
وہ تقریریں ابوذر کی زباں دانی ابوذر کی
اگر وہ چاہتا دولت تو چل کے اس کے گھر آتی
لہو ہم کو رلاتی ہے وہ قربانی ابوذر کی
ہوس نے موند دی آنکھیں ہوس کے ہر پجاری کی
انہوں نے کچھ بھی شخصیت نہیں جانی ابوذر کی
کہاں سے لائیں گے ایسا قلم کا ہو دھنی ویسا
کہ مضمونوں کی بندش میں وہ جولانیء ابوذر کی
سیاست میں اگر شامل ہو پیسہ کون کس کا ہے
سیاست اس کے یاروں کی وہ ویرانی ابوذر کی
کبھی بچوں میں بچہ تھا کبھی بوڑھوں میں بوڑھا تھا
جوانوں میں بھی دیکھی ہے گل افشانی ابوذر کی
مجھے بخشی تھی جو اس نے محبت یاد رکھوں گا
میں کیسے بھول سکتا ہوں وہ دربانی ابوذر کی
یہ مانا ہر نفس کو ہے اٹھانی موت کی لذت
مگر باتیں میں سچ کہدوں نہیں فانی ابوذر کی

سید محمد طلحہ گیلانی، کراچی

عطاء اللہ کے بیٹے

یہ مانا کچھ پریشاں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے
مگر سب اہل ایماں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

جنہوں نے دیکھ کر دولت نہیں چھوڑا ہے مسلک کو
بہت ان میں نمایاں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

کوئی ہو رافضی یا ہو کوئی مرزا کی امت سے
کئی روگوں کا درماں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

جہاں پر بھی بخاری کے محبت کرنے والے ہیں
انہیں تصویر جاناں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

صداقت چھوڑ کر جینا نہیں سیکھا کسی نے بھی
کئی سینوں میں پیکاں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

نہ چھیڑو تو یہ شبنم ہیں اگر چھیڑے کوئی انکو
بڑا ہی سخت طوفاں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

نہیں ثانی کوئی انکا سیادت میں شرافت میں
حقیقت میں یہ انساں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

جو رخصت ہو گیا کاشف خدا رحمت کرے اس پر
بحمد اللہ یک جاں ہیں عطاء اللہ کے بیٹے

سید سلمان گیلانی

بیادِ جانشینِ امیرِ شریعت (سید عطاء المنعم)

تیرا لہجہ، تری آواز عطاء المنعم
تھی دلوں پر اثر انداز عطاء المنعم
تُو تھا اسلام کا شہباز عطاء المنعم
عرش تک تھی تِری پرواز، عطاء المنعم
حضرتِ میرِ شریعت کا تھا تُو خلفِ رشید
اللہ اللہ یہ اعزاز عطاء المنعم
دین و مذہب کا اگر فخر کہیں ہم تجھ کو
قوم وملت کا تھا تُو ناز عطاء المنعم
کون جاہل ہے جو اس بات کی تردید کرے
تُو تھا اِک عالم ممتاز عطاء المنعم
ہر سخن فہم یہ کہتا ہے کہ اب شاید ہی
تجھ سا پیدا ہو سخن ساز عطاء المنعم
اور کھلتا تھا ترے نطق پہ جاری ہو کر
رب کے قرآن کا اعجاز عطاء المنعم
دل شکستہ ہیں تری موت پہ والد میرے
ان کا تھا ہمدم و ہمراز عطاء المنعم

سوز سے پُر نظر آتے ہیں جو سلمان کے شعر
تیرے ہی غم کے ہیں غماز، عطاء المنعم

(۲۴ اکتوبر ۱۹۹۶)

منظور احمد نعمانی
مدرسہ احیاء العلوم، ظاہر پیر

ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری کی یاد میں

حافظ و عالم مجاہدِ خوش بیاں جاتا رہا
مجلس احرار کا روحِ رواں جاتا رہا
تھے ابوذر جانشیں سید عطاء اللہ کے
قاتع و قماع قصرِ قادیاں جاتا رہا
شیر کا بیٹا رہا شیرِ خدا میدان میں
وہ مبارز شہ سوارِ کارواں جاتا رہا
تھے وہ مغرب کی سیاست سے بہت دور و نُفور
دینِ قیم کا مبلغ و پاسباں جاتا رہا
جاہ و زر کی قید میں ہر گز نہ آئے عمر بھر
دیوانہ ومستِ خدا سُوئے جِناں جاتا رہا
ملحدوں کے سر پہ تھے وہ تیغِ بُراں بالیقیں
قاتلِ جمہوریت شیرِ ژیاں جاتا رہا
کر دیا احرار کو بے سایہ اسکی موت نے
خوش قلم خوش خوَ منظورِ جہاں جاتا رہا

به موقع وفات باعث صدحسرات جانشین امیرشریعت

حضرت مولاناسید ابو معاویه ابوذر بخاری نور الله مرقده

منگل،۲۸ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء

آج گہنا گیا آفتابِ ھدیٰ اور ظلمت بڑھی الحفیظ الاماں نورِ تحقیق کا اک اجالا گیا بڑھ گئیں ظلمتیں اور تاریکیاں

جانشینِ امیرِ شریعت گیا رہبر و رہنمائے طریقت گیا
واقف و آشنائے حقیقت گیا آج غائب ہوا معرفت کا نشاں

مردِ میداں تھا قائدِ احرار تھا پرچمِ دینِ حق کا علمدار تھا
جادۂ مصطفیٰ کا وہ رہوار تھا بابِ ختمِ نبوت کا تھا پاسباں

مدحِ اصحابِ مدنی کا چرچا کیا دشمنانِ صحابہؓ کو رسوا کیا
سرپٹختی پھری روحِ ابنِ سبا ضربِ کاری رہا ان کا ہر اک بیاں

اس کے افعال و اقوال صادق رہے اس کی ہٹ پر شریعت کے فاسق رہے
اس کی رَو سے الرجک، منافق رہے پیکرِ صدق اخلاص کا ترجماں

اردو لونڈی کنیزک رہی فارسی مولتانی زباں پانی بھرتی رہی
گو پنجابی تھی ان کی زباں مادری پر عربیک میں بھی تھے فصیح اللساں

مدحِ میرِ معاویہ کرتا رہا جنگِ دفاعِ صحابہ وہ لڑتا رہا
ہر قدم، ہر نفس آگے بڑھتا رہا رفض کے راستہ میں تھا کوہِ گراں

زندگی ان کی تھی عظمتوں کا سفر نوکِ جوتی پہ رکھا رعونت کا سر
حاملِ زھد و تقویٰ رہا عمر بھر مثلِ بوذر بخاری ملے اب کہاں

گلشنِ حیدرہ کا گلِ تر گیا وارثِ فقرِ بوذرؓ ابوذر گیا
ہاں خطابت بخاری کا شہ پر گیا پہنچیں سدرہ خطابت کی جولانیاں

زیرِ گردِ عجم حسنِ تاریخ تھا دستِ تحقیق بوذر رہا جھاڑتا
حسنِ تاریخ نکھرا تو ظاہر ہوا کتنے اشخاص کی عظمتیں تھیں نہاں

بارہا ظالموں سے وہ ٹکرا گیا سنتِ موسوی کو وہ دہرا گیا
وقت کے جابروں پہ وہ یوں چھا گیا جیسے تنکے کو گھیرے ہو موجِ رواں

علمی خدمات عملی کمالات کو لاؤں تحریر میں ان کی کس بات کو
مختصر کر ضیاء اب مقالات کو تو کہاں اور شاہ جی کی مدحت کہاں

ا عبدالکریم حزیں (بہاولنگر)

معصیت کی ظلمتوں میں نور کا مینار وہ!

مرثیہ امام اہل سنت، قائد احرار، جانشین امیر شریعت
حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ج وہ رخصت ہوئے جو قافلہ سالار تھے — مرد حق آگاہ تھے، وہ قائدِ احرار تھے
مجسم صبر و تقویٰ وہ زسرتا پا عمل — ان میں کنیت بوذری کے بھی عیاں آثار تھے
ت احمد مجتبیٰ* سے ان کا دل لبریز تھا — نشۂ ختم نبوت سے سدا سرشار تھے
محدث، وہ مفسر، وہ مفکر، وہ ادیب — وہ خطیب بے بدل تھے صاحب کردار تھے
ِ حق کے واسطے بیتاب و مضطر اُن کا دل — ملحدوں کے واسطے وہ حیدری تلوار تھے
ان کا تھا سیاست میں نرالا اور عمیق — صاحب علم و نظر تھے، صاحب ایثار تھے
باطل ان کے دم سے لرزہ براندام تھے — اہل دل تھے بالیقیں وہ، قوم کے معمار تھے
گی بھر کج کلاہوں کی ذرا پروا نہ کی — دین کے سب دشمنوں سے برسر پیکار تھے
سپاہی معاویہ کے اور سب اصحاب کے — صاحب رشد و ہدیٰ تھے مصدر انوار تھے
پوری(۱) بارگہ سے وہ ہوئے تھے فیضیاب — معصیت کی ظلمتوں میں نور کا مینار تھے

انکی تربت پر کروڑوں رحمتیں ہوں اے حزیں
جو غزالی وقت کے تھے، عمدہ الاخیار تھے

*

لی اللہ علیہ وسلم

اضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

حکیم محمد اسمٰعیل عاجز، قصور
۲۵/اکتوبر ۱۹۹۷ء

جانشینِ امیرِ شریعت دی جدائی وچ

کنبیا جسم تے سینے چوں ہوک نکلی جد — سنی موت دی خبر سی یار تیری
دوست دشمن وی سن کے بھرن ہاواں — پیئے گئی جگ تے جھٹ پکار تیری
تیرے کارنامے سدا رہن زندہ — رہوے چمک دی حق گفتار تیری
تیری موت حیات وچ گئی بدلی — بخشش کرے گا رب غفار تیری
قید و بند دیاں جھل مصیبتاں توں — حق و باطل دا فرق نتار گیوں
جھکیا غیر دے اگے نہیں عمر ساری — دیندا حق دی توں پکار گیوں
عشق آقا دے وچ مسرور ہو کے — اس دے وچ ہی عمر گزار گیوں
دے سبق توحید دا قوم تائیں — اپنے سر توں قرض اتار گیوں
کئیاں محفلاں دی رونق آپ سیں توں — لوکاں سمجھیا اصلی مقام تیرا
ہر کوئی سنن دے لئی بے تاب رہندا — اُچا سُچا تے سوہنا کلام تیرا
لائی حق دے نال پریت توں — اُتے حق دے ہویا انجام تیرا
ہو ویں سُرخ رو حشر میدان اندر — شافع آپ ہو وے خیرالانام* تیرا
تہاڈی یاد سانوں کدی وی بھلنی نہیں — رہن گونج دے سدا اشعار تیرے
عاجز سمجھ جہان نوں چھڈ گیوں یا پھر — اُڈیک دے پے سن یار تیرے

*صلی اللہ علیہ وسلم

خطباتِ ابوذر بخاری

دارِ بنی ہاشم کی لائبریری سے طلب فرمائیں

نمبر	عنوان	تاریخ	مقام	وقت
۱	سیرت عمر فاروق اعظمؓ	۶-اکتوبر ۱۹۶۳ء	کراچی	۳ گھنٹے
۲	احرار کیا چاہتے ہیں!	۲-اکتوبر ۱۹۶۸ء	عید گاہ ڈیرہ غازی خان	۳ گھنٹے
۳	احرار کانفرنس	۷ مارچ ۱۹۶۹ء	موچی دروازہ لاہور	ڈیڑھ گھنٹہ
۴	بیادِ شہداء ختم نبوت کانفرنس	۵-مارچ ۱۹۷۰ء	احرار پارک لاہور	اڑھائی گھنٹے
۵	اسلام جمہوریت اور سوشلزم	۱۹۷۰ء	راجن پور	۲ گھنٹے
۶	احکام عقیقہ	مارچ ۱۹۷۲ء	قدیر آباد ملتان	۱ گھنٹہ
۷	اعمالِ صالح اور ایصالِ ثواب	۱۱-فروری ۱۹۷۷ء	مدرسہ تجوید القرآن چیچہ وطنی	۲ گھنٹے
۸	تحریک قومی اتحاد	۱۸-فروری ۱۹۷۷ء	حاصل پور - ضلع بہاولپور	۲ گھنٹے
۹	اسلامی قیادت کے اصول	۱۸-فروری ۱۹۷۷ء	مدنی مسجد - لاہور	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۰	تحریک تحفظ ختم نبوت پس منظر	یکم جولائی ۱۹۷۱ء	دہلی دروازہ لاہور	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۱	ایک خواب کی حقیقت	۱۹۷۶ء	مسجد احرار - ربوہ	۱ گھنٹہ
۱۲	عظمت صحابہ کرامؓ	۲۲ جون ۱۹۷۶ء	خطاب جمعہ - ملتان	اڑھائی گھنٹے
۱۳	قانون نکاح - حکمت - احکام	۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء	کوٹ تغلق شاہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۴	اسلام کا قانون نکاح	۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء	کوٹ رب نواز ملتان	۳ گھنٹے
۱۵	بیادِ امیر شریعتؒ	۲۱ اگست ۱۹۷۶ء	برکت علی ہال لاہور	۱ گھنٹہ
۱۶	درس قرآن مجید	۱۹۷۵ء	ڈیرہ غازی خان	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۷	احرار کانفرنس	۱۹۷۵ء	کمیٹی باغ - جام پور	۳ گھنٹے
۱۸	معراج مصطفیٰ کانفرنس	۲۲-جون ۱۹۷۹ء	مسجد احرار - ربوہ	۳ گھنٹے
۱۹	سیرت ازواج و اصحاب رسول	۲۶-مارچ ۱۹۸۰ء	بستی لنگڑیال - ملتان	۳ گھنٹے
۲۰	دینی اتحاد کون نہیں چاہتا؟	۲۸-مارچ ۱۹۸۰ء	جامعہ مخزن العلوم - خانپور	۱ گھنٹہ

نمبر	عنوان	تاریخ	مقام	وقت
۲۱	سیرت عثمان غنیؓ	۲۸-اکتوبر ۱۹۸۰ء	جام پور	۳ گھنٹے
۲۲	سیرت امیر معاویہؓ	۵-اپریل ۱۹۸۱ء	جامعہ خیر المدارس-ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۲۳	سیرت نبی اکرم ﷺ و صدیق اکبرؓ	۲۰-فروری ۱۹۸۱ء	امیر آباد ملتان	۲ گھنٹے
۲۴	سیرت رسول اکرم	۱۴-مارچ ۱۹۸۱ء	بستی حافظ والا-جلال پور	۲ گھنٹے
۲۵	خاندان رسول خاندان معاویہ	۱۹۸۱ء	ڈیرہ غازی خان	۲ گھنٹے
۲۶	سیرت امیر معاویہؓ	۲۹-مئی ۱۹۸۱ء	جام پور	۲ گھنٹے
۲۷	اسلامی شورائی نظام	ستمبر ۱۹۸۲ء	کراچی کمپنی اسلام آباد	۳ گھنٹے
۲۸	حکومت الٰہیہ	ستمبر ۱۹۸۲ء	جامعہ سراجیہ-راولپنڈی	ڈیڑھ گھنٹہ
۲۹	مشاجرات صحابہ-حیات مسیح علیہ السلام	۲۵-دسمبر ۱۹۸۲ء	جامعہ رشیدیہ ساہیوال	اڑھائی گھنٹے
۳۰	تذکر شہداء کربلا	۱۹۸۱ء	دار بنی ہاشم-ملتان	اڑھائی گھنٹے
۳۱	اظہار حق	۲۶-مارچ ۱۹۸۲ء	جامعہ فاروقیہ-ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۳۲	بیاد حضرت قاری رحیم بخش بانی بتیؒ	۱۹۸۲ء	جامعہ خیر المدارس-ملتان	۲ گھنٹے
۳۳	اہل بیت رسول اور بنات رسول کون!	۴-اپریل ۱۹۸۲ء	جامعہ خیر المدارس-ملتان	۲ گھنٹے
۳۴	خلافت راشدہ	۱۳-نومبر ۱۹۸۳ء	جامعہ خیر المدارس-ملتان	۳ گھنٹے
۳۵	مولود کعبہ	۱۸-جون ۱۹۸۳ء	تلہ گنگ	۳ گھنٹے
۳۶	سیرت سیدنا عثمان غنیؓ	۱۰-مئی ۱۹۸۳ء	جلال پور پیر والہ	۳ گھنٹے
۳۷	سیرت سیدنا امیر معاویہؓ	۶-مئی ۱۹۸۳ء	جام پور	۳ گھنٹے
۳۸	مسئلہ وراثت اور باغ فدک	۱۹۸۲ء	جامعہ مکیہ-کمالیہ	۳ گھنٹے
۳۹	سیرت صدیق اکبر و سیرت امیر معاویہؓ	جون ۱۹۸۴ء	تلہ گنگ	۳ گھنٹے
۴۰	خلافت علیؓ و معاویہؓ معہ سوال و جواب	۴-جون ۱۹۸۴ء	احمد پور شرقیہ	۳ گھنٹے
۴۱	اسوہ صحابہ اور ایمان بالنصیت	۲۷-جنوری ۱۹۸۴ء	جامع مسجد فردوس-بہاولنگر	ڈیڑھ گھنٹہ
۴۲	تذکرہ سیدنا فاروق اعظمؓ	۱۹۸۴ء	جامع مسجد معاویہ-ملتان	ا گھنٹہ

نمبر	عنوان	تاریخ	مقام	وقت
۴۳	سیرت امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ	۲۵-اپریل ۱۹۸۴ء	کوچہ معاویہ - ملتان	۳ گھنٹے
۴۴	سیرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ	۸-مارچ ۱۹۸۴ء	جامعہ دار الہدیٰ بھکر	اڑھائی گھنٹے
۴۵	خصوصیات حضرت عیسیٰ و یحییٰؑ	۱۳-فروری ۱۹۸۴ء	مسجد خان گڑھ	۱ گھنٹہ
۴۶	اجتماع عید الفطر	۱۹۸۴ء	دار بنی ہاشم ملتان	۲ گھنٹے
۴۷	عقیدہ - ایمان اور رفاقت صدیق اکبرؓ	۲۰-فروری ۱۹۸۷ء	بستی پیہرڑ - تونسہ شریف	
۴۸	حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ	۲۷-نومبر ۱۹۸۵ء	خانپور	ڈیڑھ گھنٹہ
۴۹	خطاب جلوس ۱۲ ربیع الاول	۲۶-دسمبر ۱۹۸۵ء	چوک سبزی منڈی رحیم یار خان	ڈیڑھ گھنٹہ
۵۰	خطاب جلوس ۱۲ ربیع الاول	۲۶-دسمبر ۱۹۸۵ء	چوک معاویہ رحیم یار خان	ڈیڑھ گھنٹہ
۵۱	سیرت امیر المومنین سیدنا معاویہؓ	۱۹-اپریل ۱۹۸۵ء	اندرون دہلی گیٹ - ملتان	۱ گھنٹہ
۵۲	تذکرہ خاندان نبوت	۱۹۸۶ء	مدرسہ تعلیم القرآن میلسی	۳ گھنٹے
۵۳	اسلام ملنے کے تین ذریعے	۸-محرم ۱۹۸۶ء	مدرسہ تعلیم القرآن فیصل آباد	۲ گھنٹے
۵۴	سیرت عمر فاروق اعظمؓ	۱۱-دسمبر ۱۹۸۶ء	مدرسہ تعلیم القرآن چنیوٹ	۲ گھنٹے
۵۵	اسلامی دستور زندگی	۳۰-جون ۱۹۸۶ء	ڈیرہ اسماعیل خان	ڈیڑھ گھنٹہ
۵۶	سیرت النبی اور مسئلہ حیات النبی ﷺ و صحابہؓ	۷-ستمبر ۱۹۸۶ء	بستی بہاولپور گھلواں - بہاولپور	۱ گھنٹہ
۵۷	سیرت رسول و سیرت یوسف علیہ السلام	۳-فروری ۱۹۸۶ء	احمد پور شرقیہ	ساڑھے تین گھنٹے
۵۸	اسلام میں نکاح کے احکام	۱۹۸۷ء	ٹوبہ ٹیک سنگھ	۳ گھنٹے
۵۹	خلافت علی و معاویہؓ	۲۸-فروری ۱۹۸۷ء	چونگی نمبر ۱۴ ملتان	اڑھائی گھنٹے
۶۰	سیرت فاروق اعظمؓ	۱۱-دسمبر ۱۹۸۷ء	چنیوٹ	اڑھائی گھنٹے
۶۱	عظمت صحابہ کرامؓ	۲۱-اکتوبر ۱۹۸۷ء	جامعہ مکیہ - کمالیہ	ڈیڑھ گھنٹہ
۶۲	عظمت قرآن و عظمت صحابہؓ	۲۶-فروری ۱۹۸۸ء	نسبت روڈ - لاہور	۳ گھنٹے
۶۳	درس قرآن مجید	یکم جنوری ۱۹۸۸ء	مخدوم رشید آباد - ملتان	اڑھائی گھنٹے
۶۴	سیرت امیر معاویہؓ	۱۱-مارچ ۱۹۸۸ء	اندرون دہلی گیٹ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ

نمبر	عنوان	تاریخ	مقام	وقت
٦٥	سیرتِ صحابہ اور غزوہ تبوک	٦-مارچ ۱۹۸۸ء	بستی بہاولپور گھلواں - بہاولپور	۲ گھنٹے
٦٦	صحابہ معیارِ حق ہیں	۱۸-مئی ۱۹۸۸ء	عید الفطر - دار بنی ہاشم ملتان	۳ گھنٹے
٦۷	شیعہ سنی اتحاد کیسے؟	۲۹-مئی ۱۹۸۷ء	عید الفطر - دار بنی ہاشم ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
٦۸	قیام پاکستان کا مقصد کیا تھا!	۱۱-دسمبر ۱۹۸۷ء	گجرات	ڈیڑھ گھنٹہ
٦۹	سیرتِ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ	۳-مارچ ۱۹۸۹ء	ملتان	۳ گھنٹے
۷۰	صحابہ کرام کا عزم و استقلال	۲۱-دسمبر ۱۹۸۹ء	پہاڑپور - ڈیرہ اسماعیل خان	۲ گھنٹے
۷۱	اسلامی نظام کے شرائط و احکام	۸-ستمبر ۱۹۸۹ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	۲ گھنٹے
۷۲	اسلامی نظام اور کفریہ نظاموں کا تقابل	۲۰-اکتوبر ۱۹۸۹ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۷۳	توحید اور شرک	۱۰-نومبر ۱۹۸۹ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۷۴	انکار دین کے نتائج	۳-نومبر ۱۹۸۹ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	ا گھنٹہ
۷۵	صحابہ کرامؓ اہل سنت کی نظر میں	۱۴-جولائی ۱۹۸۹ء	عید الاضحیٰ دار بنی ہاشم ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۷٦	اسوہ صحابہ معہ صحابیات	۷-مئی ۱۹۸۹ء	عید الاضحیٰ دار بنی ہاشم ملتان	۲ گھنٹے
۷۷	عظمت صحابہ کرامؓ	۲۳-فروری ۱۹۹۰ء	جلال پور پیروالا	۲ گھنٹے
۷۸	سیرتِ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ	۱٦-فروری ۱۹۹۰ء	انصار کالونی - ملتان	۲ گھنٹے
۷۹	واقعہ جنگ صفین کا پس منظر	۲۱-اپریل ۱۹۹۰ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	اڑھائی گھنٹے
۸۰	اسلامی نظام زندگی	۱۴-ستمبر ۱۹۹۰ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۸۱	دین میں استقامت	۹-نومبر ۱۹۹۰ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۸۲	ہمارا مقصد زندگی کیا ہے؟	۴-جولائی ۱۹۹۰ء	عید الاضحیٰ دار بنی ہاشم ملتان	ا گھنٹہ
۸۳	سیرت الصحابہ معہ صحابیات	۲۷-اپریل ۱۹۹۰ء	عید الفطر دار بنی ہاشم ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۸۴	سیرت امیر المومنین سیدنا معاویہؓ	۴-جنوری ۱۹۹۱ء	مسجد بلال - ڈیرہ غازی خان	۲ گھنٹے
۸۵	مقام صحابہ اور تاریخی حقائق	۸-مارچ ۱۹۹۱ء	کہروڑپکا	۳ گھنٹے
۸٦	سیرت امیر المومنین سیدنا معاویہؓ	۸-فروری ۱۹۹۱ء	مسجد معاویہ ملتان	۳ گھنٹے

نمبر	عنوان	تاریخ	مقام	وقت
۸۷	سیرت امیر المومنین سیدنا معاویہؓ	۱۵-مارچ ۱۹۹۱ء	دہلی گیٹ ملتان	۲ گھنٹے
۸۸	برائت امی عائشہؓ	۱۵- ستمبر ۱۹۹۰ء	خطاب جمعہ مسجد معاویہ - ملتان	۲ گھنٹے
۸۹	مجلس شعر و سخن	۱۷- نومبر ۱۹۸۲ء	خیر المدارس - ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۹۰	مجلس شعر و سخن	۱۹۷۷ء	دفتر مجلس احرار اسلام ملتان	ا گھنٹہ
۹۱	مجلس شعر و سخن	۳۱- مئی ۱۹۸۷ء	مدرسہ عبیدیہ قدیر آباد ملتان	ا گھنٹہ
۹۲	سیرت النبی ﷺ اور حالات حاضرہ		خطاب ڈیرہ غازی خان	ا گھنٹہ
۹۳	اہل بیت رسول کون ؟		خطاب مظفر گڑھ	۲ گھنٹے
۹۴	قصص النبیین			اڑھائی گھنٹے
۹۵	سب صحابہ کا انجام		خطاب جمعہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۹۶	واقعہ کربلا کا پس منظر		خطاب جمعہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۹۷	دفاع صحابہؓ اور یزید		خطاب جمعہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۹۸	سنت نکاح اور شرعی حق المہر		چوک پرانا برف خانہ ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ
۹۹	گستاخ صحابہ کا انجام		خطاب مدرسہ خیر پور ٹامیوالی	اڑھائی گھنٹے
۱۰۰	سیرۃ الانبیاء اور سیرت الصحابہؓ		خطاب جمعہ رحیم کلی، میلسی	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۰۱	احکام نکاح اور حرمت متعہ		جمعہ، مدرسہ تعلیم القرآن میلسی	۲ گھنٹے
۱۰۲	عظمت صحابہ کرامؓ		خطاب مدرسہ تعلیم القرآن جھنگ	۲ گھنٹے
۱۰۳	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم		خطاب، رحیم یار خان	اڑھائی گھنٹے
۱۰۴	فتح مکہ کا پس منظر		خطاب، مدرسہ سراج العلوم کبیروالا	ا گھنٹہ
۱۰۵	سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۲۹ جون ۱۹۷۸ء	خطاب، وہاڑی	۳ گھنٹے
۱۰۶	عقیدہ ٹھیک کرو	۱۶- اپریل ۱۹۸۶ء	خانپور	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۰۷	قانون کا سرچشمہ کون ؟	۱۹۷۲ء	پاکستانی چوک ڈیرہ غازیخان	۲ گھنٹے
۱۰۸	صحابہ کرام پر تنقید کا جائزہ	۱۹۸۸ء	دار بنی ہاشم ملتان	ڈیڑھ گھنٹہ

نمبر	عنوان	تاریخ	مقام	وقت
۱۰۹	سیرت و کردار سیدنا معاویہؓ		مدرسہ تعلیم القرآن جھنگ	ڈیڑھ گھنٹہ
۱۱۰	دین میں صحابہ کرام کا مقام	۸-دسمبر ۱۹۸۹ء	ڈیرہ غازیخان	۳ گھنٹے
۱۱۱	ابو طالب کے حالات		خطبۂ جمعہ ملتان	۲ گھنٹے
۱۱۲	فلسفہ زندگی و موت		خانپور	۱ گھنٹہ
۱۱۳	خطبات جمعہ و عیدین		ملتان	۱ گھنٹہ

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

پاپ الاؤ

فراشِ کہنہ الٹ دو، بساط نو کو بچھاؤ
قدیم رسم ہے الفت! اسے نہ مٹاؤ

یہ فلسفے کے فسانے، کوئی نہ سمجھے نہ جانے
انہیں بنا کے حقیقت، انہی کے گیت نہ گاؤ

سمند فکر کو موڑو، توہمات کو چھوڑو
بتِ غرور کو توڑو، جبینِ عجز جھکاؤ

گزر رہا ہے زمانہ، کرو نہ حیلہ بہانہ
ہے فرصتوں کا خزانہ، یونہی نہ عمر گنواؤ

جو قصدِ منزل حق ہے تو پھر کتابِ مبین کو
ہجوم تیرہ شبی میں چراغ راہ بناؤ

یہی ہے درسِ اخوت، یہی پیامِ بقا ہے
کہ آدمی کے ستم سے، تم آدمی کو چھڑاؤ

یہی نشانِ ھدیٰ ہے یہی وصالِ خدا ہے
بس اب اطاعت حق ہے جہانِ دل کو بساؤ

یہ میری ایک نصیحت ہے راہنمائے طریقت
قدم قدم پہ فضیحت نہیں ہے میرا سبھاؤ

وہ چھٹ رہا ہے اندھیرا، مچل رہا ہے سویرا
ثباتِ عزم و یقیں کا دیا تو اب نہ بجھاؤ

اٹھے گی نیک قیادت، گرے کا قصرِ ضلالت
دبے گا شورِ بغاوت، بجھے گا پاپ الاؤ

بچھے گا تخت خلافت چلے گا حکمِ امامت
اٹھا کے حلف اطاعت نجات اخروی پاؤ

وہ شب ڈھلکنے لگی ہے سحر چمکنے لگی ہے
خزاں دہکنے لگی ہے گلوں کا دل نہ کھاؤ

ہوا سنکنے لگی ہے کلی چٹکنے لگی ہے
فضا مہکنے لگی ہے چمن کو بھول نہ جاؤ

یہ قادیانی لٹیرا، فرنگی کھاگ سپیرا
نفاق جس کا پھریرا ہے ربوہ جس کا پڑاؤ

اٹھا دو اس کا یہ ڈیرا، یہ ارتداد بسیرا
لگا کے ایک ہی پھیرا اسے بھی کلمہ پڑھاؤ

وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت قائم دینی ادارے

مجلس احرار اسلام، دینی انقلاب کی داعی جماعت ہے۔ یہ انقلاب دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کئے بغیر ممکن نہیں۔ موجودہ کافرانہ نظام ریاست، جمہوریت اور کافرانہ تہذیب وثقافت کے خلاف نئی نسل کی ذہن سازی اور تربیت کے لئے مدارس میں ایسا ماحول پیدا کیا جانا ازحد ضروری ہے جو دینی انقلاب کی منزل قریب تر کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ کے زیر اہتمام وفاق المدارس الاحرار پاکستان کے تحت درج ذیل مدارس تعلیم وتدریس میں مصروف ہیں۔

①	مدرسہ ختم نبوت	مسجد احرار	ربوہ ضلع جھنگ فون: (04524)211523
②	بخاری پبلک سکول	" "	ربوہ ضلع جھنگ فون: " " "
③	مدرسہ معمورہ	جامع مسجد ختم نبوت	دار بنی ہاشم، ملتان فون: (061)511961
④	مدرسہ معمورہ	مسجد نور	تغلق روڈ، ملتان
⑤	مدرسہ معمورہ	مسجد اسامہ	فاروق پورہ، پرانا شجاع آباد روڈ ملتان
⑥	مدرسہ محمودیہ	مسجد المعمور	ناگڑیاں، ضلع گجرات
⑦	دارالعلوم ختم نبوت	جامع مسجد چیچہ وطنی	فون: (0445)611657
⑧	احرار ختم نبوت مرکز	مسجد عثمانیہ	ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی فون: (0445)610955
⑨	مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	شہزاد کالونی صادق آباد فون: (0702)75464
⑩	مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	نواں چوک، گڑھا موڑ ضلع وہاڑی
⑪	مدرستہ العلوم الاسلامیہ	جامع مسجد	گڑھا موڑ (وہاڑی) فون: (0693)690013
⑫	مدرسہ ابو بکر صدیق	جامع مسجد ابو بکر صدیق	تلہ گنگ (چکوال)
⑬	بستان عائشہ (برائے طالبات)		دار بنی ہاشم، ملتان فون: (061)511356
⑭	مدرستہ البنات (برائے طالبات)		گڑھا موڑ ضلع وہاڑی
⑮	مدرسہ احرار اسلام رحیمیہ		بستی گودڑی (حاصل پور)
⑯	مدرسہ احرار اسلام		مسجد سید ناعلی المرتضیٰ، چکڑالہ، ضلع میانوالی
⑰	مدرسہ معاویہ		جھنگ روڈ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
⑱	مدرسہ معمورہ	مسجد معاویہ	بستی مہر پور ضلع مظفر گڑھ

۱۱ ادارے اپنے اخراجات خود برداشت کرتے ہیں جبکہ ۷ اداروں کا کفیل وفاق ہے جن میں بامشاہرہ تعلیم و تدریس اور دیگر امور سر انجام دینے والے افراد کی کل تعداد ۳۰ ہے۔ ان کے اخراجات کا سالانہ تخمینہ ۱۵ لاکھ روپے ہے۔ مستقبل کے تعلیمی، تنظیمی، اور تعمیری منصوبوں کی تکمیل پر تقریباً تیس لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ تعاون آپ کریں، دعا اور کام ہم کریں گے، اجر اللہ پاک دیں گے

ترسیل زر کے لیے

بذریعہ منی آرڈر، بنام: سید عطاء المحسن بخاری مدیر وفاق المدارس الاحرار پاکستان دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک اکاؤنٹ نمبر 29932، حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

سید کاشف گیلانی

شکریہ

مرے قلم نے تو اُس کا بھی شکریہ لکھا
وہ جس نے میرے ابوذر کا مرثیہ لکھا

تمام زندگی کترا کے جانے والوں نے
خدا کا شکر ہے مرنے پہ آشنا لکھا

وہ ایک ضدی و ہٹ دھرم شخص تھا جس کو
نہ جانے کون سے دل سے ہے مرحبا لکھا

درید دہنوں نے کیا کچھ نہ برملا بولا
کہ کج دماغوں نے کیا کچھ نہ برملا لکھا

یقین اسکی مدح کا میں تم سے کیوں کرلوں
یہ کیا ستم ہے کہ تم نے بھی بے ریا لکھا

نہ چھوڑا جس نے شرافتؔ کا ہاتھ سے دامن
بدعُنق ذہنوں نے اس شخص کو بُرا لکھا

ہمیں رلاؤ نہ تم ایسی باتیں لکھ لکھ کر
بُرا کیا ہے جو تم نے اسے بھلا لکھا

جو تم سے ہو سکا تم کہہ چکے ہو اُسکے خلاف
تمہارے یاروں نے جو کچھ بھی ہو سکا لکھا

یہ چند حرف جو تم نے لکھے تو کیوں لکھے
جو اس کے مرنے پہ لکھا تو تم نے کیا لکھا

قلم جو ہاتھ میں اس کے تھا میرے ہاتھ میں ہے
وہ میں ہوں تم نے اسے کیسے مر گیا لکھا

اسی لئے وہ خفا مجھ سے ہو گئے کاشف
کہ ناروا کو بھی کیوں میں نے ناروا لکھا

سید ابوذر بخاری

سید کاشف گیلانی

یہ دولت ہمیں کیا وہ کم دے گیا ہے
کہ سب اپنے رنج و الم دے گیا ہے

اتاروں گا قرطاس پر داستانیں
مرے ہاتھ میں وہ قلم دے گیا ہے

زمانے سے رخ پھیر کر اہل دل کا
وہ عشق دیار حرم دے گیا ہے

نہ وارث ہوں احرار کے دل شکستہ
وہ دستور کرکے رقم دے گیا ہے

سکوں ہے وہ جنت کو سیدھا گیا ہے
اگرچہ بڑے درد و غم دے گیا ہے

نئے ولولے بخشے اہل جنوں کو
نیا عزم کہنہ علم دے گیا ہے

رکے گا نہ اب کارواں تا بہ منزل
ہمیں اپنے نقش قدم دے گیا ہے

کہاں سے اسے ڈھونڈ کر لاؤں گا میں
مجھے اپنا غم محترم دے گیا ہے

صحابہ کی توصیف کے گل کھلا کر
ہمیں ہر قدم پر ارم دے گیا ہے

ضمیر اپنے عشاق کے صاف کرکے
حقیقت میں وہ جام جم دے گیا ہے

کہاں دے سکے گا کوئی اور کاشف
جو لفظوں کو وہ زیر و بم دے گیا ہے

اللہ سے آشنائی کیسے ہو گی؟

اسلام روحانیت کا ایک ایسا درخت ہے جو یقین و نجات کے سایہ و ثمر کا ابدی ضامن ہے۔ جس شخص نے توحید اور رسالت کا اقرار کرنے کے باوجود صحابہ کی محبت، حرمت، عظمت اور عزت کا اعتراف نہیں کیا۔ وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن شریعت کا فہم، قرآن کا فہم، اسوۂ رسول کی حقیقت سے آشنائی قیامت تک اس کو نہیں ہو سکتی، اور جہاں صحابہ کے نقش قدم پر اس نے چلنا شروع کیا۔ پورے دین اور شریعت کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔ زندگی کے ہر مسئلے سے آشنا ہونے کی صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی شگفتگی، تروتازگی اور اس کی روحانی قوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ایک آدمی نے جب تک ابوبکر کو نہیں پہچانا، وہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ختم نبوت کا جانشین کیا معنی رکھتا ہے؟ جس شخص نے عمر کو نہیں پہچانا وہ خدا کے بتائے ہوئے انصاف کا مطلب بیان ہی نہیں کر سکتا اور جس نے عثمان کو نہیں سمجھا وہ جان ہی نہیں سکتا کہ اسلام میں خلیفہ کا انتخاب کیسے ہوتا ہے؟ اور جس نے علی کو نہیں سمجھا وہ یہ شعور ہی نہیں رکھتا کہ اسلام میں جج منٹ (Judgement) کے اصول کیا ہیں؟ اور کس قسم کے آدمی کو قاضی کی کرسی پر بیٹھنا چاہیے؟ جس شخص نے امیر معاویہ کو نہیں سمجھا وہ جان ہی نہیں سکتا کہ دوستوں اور دشمنوں سے کیا سلوک ہونا چاہیے؟ اور اسلام کی سیاست و حکومت کا سکہ کیسے بٹھایا جاتا ہے؟ صحابہ کو سمجھے گا تو نبی سمجھ میں آجائے گا اور اللہ سے آشنائی ہو گی۔

....

تیار جوشاندہ

ہمدرد کی جوشینا

نئے میٹلائزڈ ساشے میں نباتاتی اجزاء اور روغنیات کے شفا بخش قدرتی خواص مکمل طور پر محفوظ

زیادہ پُرتاثیر، زیادہ پُرافادیت

نزلہ، زکام، کھانسی اور گلے کی خراش کے علاج کے لیے قدرت کے شفا خانے میں جوشاندے کے نباتاتی اجزاء کی افادیت صدیوں سے مسلّم ہے۔ تحقیق و تجربات کی روشنی میں جدید طریقے سے حاصل کردہ جوشاندے کا خلاصہ "جوشینا" نہ صرف نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی خراش اور ان کے باعث ہونے والے بخار کا تدارک کرتی ہے بلکہ ان تکالیف کے خلاف قوتِ مدافعت میں بھی اضافہ کرتی ہے۔

گھر ہو یا دفتر نزلہ، زکام، کھانسی اور گلے کی خراش سے نجات کے لیے ہمدرد کی جوشینا کا ایک ساشے گرم پانی کے ایک کپ میں حل کیجیے، جوشاندے کی ایک مؤثر خوراک تیار ہے۔ نہ جوشاندہ اُبالنے کی زحمت، نہ چھاننے کا تردد۔

نزلہ، زکام — جوشینا سے آرام

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

darts-HMD/J-1/95

Kinza
FOOD PRODUCTS

سکواشز، کیچپ اور اچار
جو کھائے ایک بار۔ وہ کھائے بار بار

wily
FOODS (PVT) LTD.
Chand Plaza. Off Lane 6 Peshawar Road Rawalpindi Cantt.
Ph : 475969

ماہِ بہار

اَلحقُّ یَعلُو وَلا یُعلیٰ۔ (الحدیث)

شمیم عطر بیز ہے نسیم نو بہار ہے
سرود عندلیب ہے فضا مرغزار ہے
شکوہ کوہسار ہے، خروش آبشار ہے
فراز شاخسار گل پہ رقص کبک و سار ہے
لب سبزہ زار ہے کنار جوئبار ہے
عرار ہے چنار ہے ہزار ہے ستار ہے
خیال زلف و چشم ہے تصور نگار ہے
بہم کباب و نقل ہے نبیذ ہے عقار ہے
سرود و رقص و وجد ہے نشاط ہے خمار ہے
یہ محفل شہانہ ہے یہ بزم اقتدار ہے
بہار پھر بہار ہے بہار پھر بہار ہے